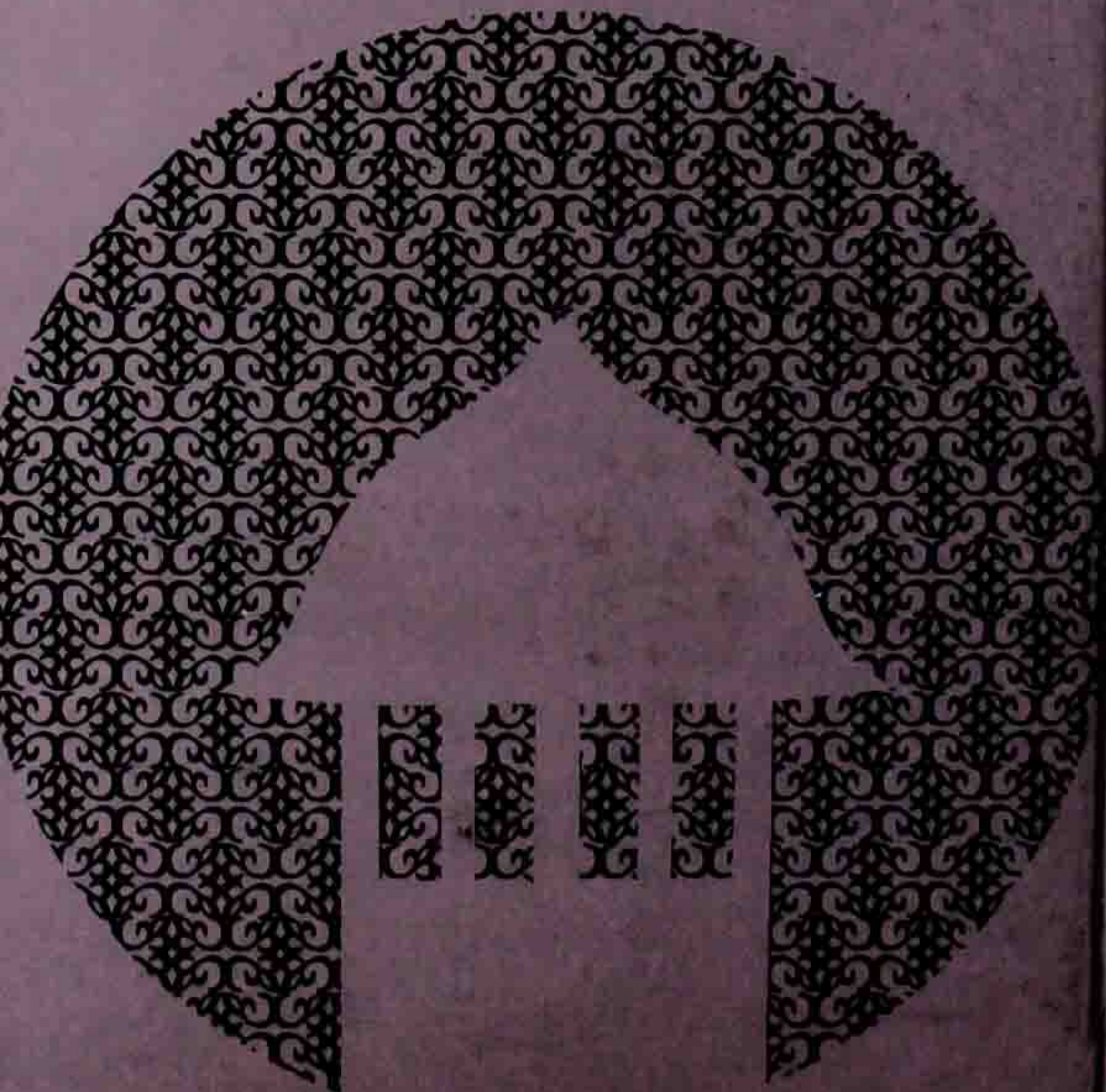


# تاریخ اسلام

مصنف: سید امیر علی

ترجمہ: یاری علیگ



# تاریخ اسلام

مصنف: سید امیر علی  
ترجمہ: باری علیگ



اکرم آرکیڈ، ۲۹ ٹیپل روڈ (صفان والا چوک) لاہور۔ پاکستان فون: ۰۳۳۸۰۱۳

جملہ حقوق محفوظ ہیں

---

تخلیقات لاہور	:	ناشر
لیاقت علی	:	زیر نگرانی
زاہد بشیر پرنٹرز لاہور	:	پرنٹرز
۱۹۹۷ء	:	سن اشاعت
۱۵۰ روپے	:	قیمت

## پیش لفظ

سید امیر علی کی کتاب ”اے شارٹ ہسٹری آف دی سارسینز“ کا شمار تاریخ کی بہترین کتابوں میں ہے۔ یہ کتاب جنگوں اور فتوحات کے تذکروں تک محدود نہیں۔ کتاب حکمران خاندانوں کے عروج و زوال ہی کے حالات پر مشتمل نہیں، بلکہ وہ ہر دور کے تہذیبی اور معاشی حالات کو بھی پیش کرتی ہے۔ عربوں نے مختلف علوم و فنون میں جو ترقی کی اسے وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ نظم و نسق اور حکمرانی کے دوسرے شعبوں میں عربوں نے جو کچھ کیا اسے مستند حوالوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کی افادی اہمیت کے پیش نظر اسے اردو میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ترجمہ

باری

## مندرجات

صفحہ	باب اندراج
۹	(۱) عرب کے جغرافیائی اور طبعی حالات
۱۲	(۲) ابتدائی تاریخ
۲۰	(۳) مدینہ النبی
۲۷	(۴) خلافت راشدہ
۴۲	(۵) خلافت راشدہ (۲)
۵۰	(۶) خلافت راشدہ پر تبصرہ
۶۰	(۷) بنو امیہ
۷۱	(۸) مروان
۷۳	(۹) عبد الملک
۷۷	(۱۰) ولید اول
۸۳	(۱۱) سلیمان بن عبد الملک
۸۵	(۱۲) حضرت عمر بن عبد العزیز
۸۸	(۱۳) یزید بن عبد الملک
۹۰	(۱۴) ہشام بن عبد الملک
۹۷	(۱۵) ولید دوم

صفحہ	مندرجات	باب
۱۰۰	اموی زوال	(۱۶)
۱۰۴	اموی دور پر ایک نظر	(۱۷)
۱۰۸	سقاہ اور منصور	(۱۸)
۱۱۵	ممدی اور ہادی	(۱۹)
۱۱۸	ہارون الرشید	(۲۰)
۱۲۴	امین	(۲۱)
۱۲۹	مامون	(۲۲)
۱۳۴	مامون کے عہد پر ایک نظر	(۲۳)
۱۳۸	معتصم باللہ	(۲۴)
۱۴۱	واثق باللہ	(۲۵)
۱۴۲	متوکل سے قائم تک	(۲۶)
۱۵۰	خاندان غزنویہ	(۲۷)
۱۵۲	آل سلجوق	(۲۸)
۱۵۶	حسن بن صباح	(۲۹)
۱۵۸	پہلی صلیبی جنگ	(۳۰)
۱۶۵	عمادالدین زنگی	(۳۱)
۱۷۰	دوسری صلیبی جنگ	(۳۲)
۱۷۲	نورالدین محمود	(۳۳)
۱۷۵	صلاح الدین ایوبی	(۳۴)

صفحہ	مندرجات	باب
۱۷۷	تیسری صلیبی جنگ	(۳۵)
۱۸۳	عباسیوں کا زوال	(۳۶)
۱۸۶	عباسیوں کا نظم و نسق	(۳۷)
۱۸۸	عباسی عہد میں علوم و فنون ہسپانیہ	(۳۸)
۱۹۶	عبدالرحمن الداخل	(۳۹)
۱۹۹	ہشام	(۴۰)
۲۰۱	حکم	(۴۱)
۲۰۴	عبدالرحمان دوم	(۴۲)
۲۰۷	بغدادوں کا سلسلہ	(۴۳)
۲۰۹	عبداللہ	(۴۴)
۲۱۱	عبدالرحمان الناصر	(۴۵)
۲۱۷	حکم دوم	(۴۶)
۲۲۱	ہشام دوم	(۴۷)
۲۲۶	چھوٹے چھوٹے بادشاہ	(۴۸)
۲۳۲	غرناطہ	(۴۹)
۲۳۶	آخری شہنشاہ	(۵۰)
۲۴۲	ہسپانیہ سے عربوں کا اخراج	(۵۱)
۲۴۵	غرناطہ پر ایک نظر	(۵۲)
۲۴۸	عربوں کے ہسپانیہ پر ایک نظر	(۵۳)

صفحہ	مندرجات	باب
۲۵۱	بنو اوریس	(۵۴)
۲۵۳	بنو اعلب	(۵۵)
۲۵۶	بنو قاطرہ کا عروج و زوال	(۵۶)



## پہلا باب

### عرب کے جغرافیائی اور طبعی حالات

عرب کا وسیع ملک ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے اس کے شمال میں صحرائے شام، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحرہند اور مغرب میں بحیرہ قلزم ہے۔ اس وسیع ملک کا رقبہ ایام عروج کے فرانس سے دوچند ہے، عرب کئی صوبوں یا خطوں میں بٹا ہوا ہے، یہ صوبے ارضی خاصیت اور آب و ہوا میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ان صوبوں کے رہنے والے شکل و صورت میں بھی ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔

شمال کے پہاڑی سلسلے میں پرانے زمانے میں وہ قومیں آباد تھیں جنہیں تورات میں عدوی اور مدیانی کہا گیا ہے اس کے بعد حجاز آتا ہے۔ جس میں مشہور و معروف شہر مدینہ واقع ہے، مدینے کو پرانے وقتوں میں یثرب کہا جاتا تھا۔ حجاز ہی میں مکہ اور جدہ واقع ہیں۔ مکہ میں رسول عربی ﷺ تولد ہوئے۔ جدہ وہ بندرگاہ ہے جہاں مسلمان حاجی اترتے ہیں۔ حجاز شمالاً "جنوباً" بحیرہ قلزم اور اس پہاڑی سلسلے تک پھیلا ہوا ہے جو خاکنائے سویز سے بحرہند تک پھیلا ہوا ہے اس جزیرہ نما کا جنوب مغربی گوشہ یمن کہلاتا ہے۔ حجاز اور یمن کے زیریں ساحلی علاقے کو نمامہ کہا جاتا ہے، یہ نام بعض اوقات حجاز کے جنوبی حصے کو بھی دیا جاتا ہے۔ یمن کے مشرق میں حضرموت ہے جو بحرہ ہند کے کناروں تک پھیلا ہوا ہے۔ مشرق میں خلیج عمان واقع ہے وہ سطح مرتفع جو حجاز کے مشرقی پہاڑوں سے شروع ہو کر الاحسا کے صحرا تک اور خلیج فارس میں بحرین تک پھیلی ہوئی ہے نجد کہلاتی ہے۔ اس سطح مرتفع میں صحرا بھی ہیں اور مرغزار بھی، پہاڑی علاقے بھی ہیں اور نخلستان بھی لقم و دق صحرا میں یہ نخلستان مقامات امن کا کام دیتے ہیں، عرب کے اس وسیع خطے میں جہاز رانی کے قابل کوئی دریا نہیں۔ ادھر ادھر چھوٹی چھوٹی ندیاں ہیں انہیں سے زمین سیراب ہوتی ہے، بارش بہت معمولی ہوتی ہے سوائے ان علاقوں کے جہاں پانی بکثرت موجود ہے، بقی سارا علاقہ خشک اور ریگستان ہے، پانی جہاں کہیں بھی ہے، وہاں سرسبزی بہت زیادہ ہے۔ یمن کے لوہے پہاڑ جو حیلان ایمن کہلاتے ہیں، مونٹ بلاک اتنے اونچے ہیں کہ ان پہاڑوں کے درمیان کئی ایک وسیع شلواب وادیاں

ہیں جن میں قہوہ، نیل، کھجور، سبزیاں اور کئی قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں، آب و ہوا معتدل ہے سردیوں میں ہر جگہ دھند دکھائی دیتی ہے، بہار اور خزاں میں موسم مرطوب رہتا ہے۔

حجاز ایک ناہموار ملک ہے، یہ ناہمواری مکے کے آس پاس خاص طور پر نمایاں ہے مکہ منظمہ بحیرہ قلزم سے پچاس میل دور ہے، یہاں کئی بے برگ و گیہاہ چٹانوں پر سورج اپنی پوری تیزی سے چمکتا ہے، خشک وادیوں میں جو تھوڑی بہت روئیدگی ہوتی ہے، وہ گلوں کے لئے ناکافی ہوتی ہے۔ خشک ندیوں کی تہہ اس ملک کی سب سے بڑی طبعی خصوصیت ہے، اس خشک اور سوکھے ہوئے علاقے کے مشرق میں سرسبز اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور سایہ دار درختوں کا ایک علاقہ ہے جہاں سیب، انجیر، انار، ناشپاتی، اور انگور کثرت سے ہوتے ہیں، یہ طائف ہے۔

مختلف زمانوں میں عرب میں مختلف قومیں آباد رہی ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس کے قدیم ترین باشندے اسی نسل سے تھے جس نسل کے قدیم سکدانی تھے۔ انہوں نے تہذیب کے بلند مدارج طے کئے، اس تہذیب کے آثار آج بھی جنوبی عرب میں موجود ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس قدیم قوم کا غلبہ مصر اور عراق پر بھی تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے محل اور عبادت گاہیں بنائی تھیں۔ عدن کے قریب جو مشہور تالاب پائے جاتے ہیں اسی قوم سے منسوب ہیں۔

اس قدیم قوم کو ایک شاہی قبیلے نے فرات کے مشرق سے نکل کر تباہ کر دیا، یہ قبیلہ یمن اور حضرموت میں آباد ہو گیا، کہا جاتا ہے کہ یہ قحطان کی نسل میں سے ہیں۔ قحطان کے ایک بیٹے نے جس کا نام یعرب تھا، ملک اور قوم کو اپنا نام دیا، اس خاندان کے حکمران صائبی کہلاتے ہیں، یعرب کے پوتے عبدالشمس کا لقب سبباً تھا، قحطانی حکمران بڑے فاتح اور شہروں کو بسانے والے تھے، یمن اور عرب کے دوسرے حصوں میں ان کی سلطنت ساتویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔

عرب میں سب سے آخر آباد ہونے والے آل اسمعیل کہلاتے ہیں حضرت اسمعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ آپ مکے کے قریب آباد ہو گئے۔ آپ کی اولاد حجاز میں پھیل گئی انہوں نے عربی عظمت کی بنیاد رکھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی۔ قدیم الایام عرب اس عبادت گاہ کی تعظیم کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آج خانہ کعبہ اسلامی دنیا کا مقدس ترین مقام ہے، حجر اسود اسی خانہ کعبہ میں ہے۔

عرب کے رہنے والے ہمیشہ دو طبقوں میں منقسم رہے ہیں۔ شہری اور بدوی۔ صحرا میں

رہنے والے خیموں میں رہتے ہیں، وہ اپنے خاندانوں اور گلوں سمیت صحراؤں اور اونچی سطحوں پر گھاس پھوس کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں۔ شمالی اور وسطی عرب کبھی بھی غیر ملکی قبضے میں نہیں رہا۔ صرف یمن پر حبشیوں نے تھوڑی مدت کے لئے حکومت کی، یہاں تک کہ عربوں کے ایک سردار سیف نے شاہ ایران کی مدد سے انہیں یمن سے خارج کر دیا، اس وقت کے بعد تقریباً ایک سو سال یا اس سے کچھ زیادہ یمن پر ایک ایرانی نائب السلطنت کی حکومت رہی، جو مرزبان کہلاتا تھا۔

عرب میں یہودی اور عیسائی اپنے اپنے مذہب کی پیروی کرتے تھے۔ لیکن عربوں کی زیادہ تعداد بتوں اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی، ہر قبیلے کی طرح ہر شہر کے دیوتا، اس کا مندر، اور مندر میں پوجا پاٹ کے طریقے جدا جدا تھے۔ مکہ عربوں کی قومی زندگی کا مرکز تھا وہ ایک طرح کا روم یا بتارس تھا، وہاں خانہ کعبہ کی مقدس عبادت گاہ میں تین سو ساٹھ بت تھے، یہ بت ان تمام دیویوں اور دیوتاؤں کی نمائندگی کرتے تھے جنہیں عربوں میں پرستش کا درجہ حاصل تھا۔ انسانی قربانی بھی کسی طرح کم نہ تھی۔

اس وسیع رقبے میں رہنے والوں کو بالخصوص ان لوگوں کو جو فرات کے مغربی ریگستان میں گھومتے رہتے تھے، یونانیوں اور رومیوں نے سارینی کا نام دے رکھا تھا۔ جب وہ ساری دنیا کو فتح کرنے کے لئے اٹھے تو یورپ میں اسی نام سے مشہور ہوئے۔

(۱) عرب کے رقبہ کے بارے میں مختلف مصنفوں میں حیرت انگیز اختلاف نظر آتا ہے۔ علامہ شبلی اس کا کل رقبہ ۱۲۰۰۰۰۰ مربع میل اور اسے فرانس سے چوگنا فرماتے ہیں (سیرت النبی جلد اول ص ۷۶) میولیبان تمدن عرب ۲۱ میں عرب کا رقبہ ۱۱۸۶۶۰۰ مربع قرار دیتا ہے۔ اور اسے فرانس کا چھ گنا بتاتا ہے۔ مولانا شرر مرحوم کے نزدیک عرب کا رقبہ دس لاکھ مربع میل ہے۔ مگر میولیبان کا بیان صحت کے زیادہ قریب ہے۔

(۲) سارینی کا لفظ غالباً صحرائشین سے ماخوذ تھا، یا پھر شرقین سے ماخوذ ہے عربی میں شرق شرق کو کہتے ہیں۔

## دوسرا باب

### ابتدائی تاریخ

عرب کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات کا زیادہ انحصار قرآن مجید پر ہے، قرآن مجید میں عربوں کے بہت سے قصے درج ہیں ہماری معلومات کا دوسرا ذریعہ عربوں کی وہ روایات ہیں جو باپ سے بیٹے کو وراثت میں ملتی رہی ہیں۔ آٹھویں اور مابعد کی صدیوں میں عرب مورخوں نے بڑی محنت سے ان روایات کو جمع کیا تھا، قرآن اور روایات سے حاصل شدہ ہماری معلومات کی جنوبی یمن میں دریافت شدہ کتبے تائید کرتے ہیں۔

ہم جس قوم کی تاریخ اور تقدیر سے دلچسپی لے رہے ہیں وہ حجاز اور یمن کے عرب ہیں جنہوں نے ازمنہ وسطیٰ میں بہت زیادہ شہرت حاصل کی، حجاز کے عربوں کا سب سے بڑا قبیلہ قریش تھا، جو فہر کی نسل سے ہیں، فہر کا لقب قریش تھا، قدیم عربی زبان میں قریش سوداگر کو کہتے ہیں، فہر تیسری صدی عیسوی میں گزرا ہے وہ معد کے بیٹے عدنان کی نسل اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھا، قریش کو ہمیشہ اپنے آباؤ اجداد پر فخر رہا ہے۔ انہیں عربوں میں ایک ممتاز حیثیت حاصل تھی اور ان کا شمار اشراف میں ہوتا تھا۔

پانچویں صدی عیسوی میں فہر کی اولاد میں سے قصی نے مکے میں اقتدار حاصل کر لیا اور رفتہ رفتہ سارے حجاز پر چھا گیا۔ اس کے زمانے تک مکہ ایک منتشر گاؤں تھا۔ جو خیموں اور جھونپڑیوں پر مشتمل تھا، قصی نے کعبہ کی دوبارہ تعمیر کرائی اور اپنے رہنے کے لئے محل بنایا۔ اس محل کا سب سے بڑا کمرہ کو نسل ہال، دارالندوہ کہلاتا تھا، اسی کو نسل ہال میں مکہ کے انتظامی امور کا تصفیہ ہوتا تھا۔ قصی نے قریش کو کعبہ کے ارد گرد پتھر کے مکانوں میں آباد کرایا اس نے حکومت کو بہتر بنانے کے قوانین وضع کئے، لوگوں پر ٹیکس لگائے اور خانہ کعبہ کے زائرین کے لئے خوراک اور پانی مہیا کرنے کا انتظام کیا۔ یہ زائرین خانہ کعبہ میں عبادت کے لئے آیا کرتے تھے۔

قصی ۶۲۸۰ء میں اس دنیا سے رخصت ہوا، اس کا بیٹا عبدالدار اس کا جانشین ہوا۔ عبدالدار کی موت کے بعد اس کے پوتوں اور اس کے بھائی عبد مناف کے بیٹوں میں مکے کی حکومت کے لئے تنازعہ شروع ہو گیا۔ اس تنازعہ کا تصفیہ تقسیم اختیارات پر ہوا۔ مکے کی آب

رسائی اور ٹیکس وصول کرنے کا عمدہ عبد مناف کے بیٹے عبدالشمس کو دیا گیا، کعبہ کی تولیت، کونسل چیئرمین اور فوجی علم عبدالدار کے پوتوں کی نگرانی میں دیئے گئے۔

عبدالشمس نے اپنے اختیارات کو اپنے بھائی ہاشم کے سپرد کر دیا۔ ہاشم کے کا بہت بڑا سوداگر اور صاحبِ اثر تھا، اور اپنی مسافر نوازی کے لئے بہت مشہور تھا۔ اس نے تقریباً "۶۵۱۰ء میں وفات پائی، اس کا بھائی مطلب اس کا جانشین ہوا۔ مطلب کا لقب سخی تھا، مطلب ۶۵۲۰ء کے اواخر میں فوت ہوا۔ اس کا بھتیجا عبدالمطلب کے لقب سے جانشین ہوا۔

اسی اثنا میں عبدالدار کے پوتے دولت مند ہو رہے تھے، بنوہاشم کے اقتدار سے وہ حسد کرنے لگ گئے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ لوگوں میں بنوہاشم کو جو درجہ حاصل تھا، اسے ان سے چھین کر خود مکہ کے حکمران بن جائیں۔ عبدالدار کے پوتوں کا حامی عبدالشمس کا اقتدار پسند بیٹا امیہ تھا۔ لیکن ان کی خواہش اور کوشش کے باوجود عبدالمطلب کی سیرت کی بلندی اور قریش میں اس کی قدر و منزلت نے اسے ۵۹ سال تک کے حکمران بنائے رکھا۔ حکومت کے کام کاج میں دس بڑے بڑے خاندانوں کے شیوخ اس کے معاون تھے۔ عبدالمطلب کے زمانے میں حجاز پر ابرہہ نے حبشیوں کی ایک بہت بڑی فوج سے حملہ کیا تھا۔ چونکہ یہ فوجی سردار مکہ پر یلغار کرتے وقت ایک ہاتھی پر سوار تھا، اس لئے جس سال (۶۵۷ء) یہ حملہ ہوا تھا اس سال کو عربوں کی تاریخ میں "عام الفیل" کہتے ہیں حملہ آور فوج ایک وبا اور طوفان بادوباراں سے تباہ ہو گئی، اس وبا اور طوفان نے حبشیوں کی اس فوج کو بھی تباہ و برباد کر دیا جو خمیوں میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھی۔

عبدالمطلب کے بہت سے بیٹے اور بیٹیاں تھیں، آپ کے بیٹوں میں سے چار کو عربوں کی تاریخ میں بڑی شہرت حاصل ہوئی، عبدمناف لقب بہ ابوطالب، عباس جو عباسی خلفاء کے جدِ امجد تھے، حمزہ اور عبداللہ۔ آپ کا ایک بیٹا ابولہب تھا جسے قرآن میں اسلام کے دشمن کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے عبداللہ رسولِ عربی ﷺ کے والد بزرگوار تھے۔ آپ کی شادی یثرب کی ایک خاتون آمنہ سے ہوئی۔ لیکن آپ شادی کے تھوڑی مدت بعد پچیس سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ کی وفات کے چند دن بعد ۲۹ اگست ۶۵۷ء میں حضرت آمنہ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ دادا نے اس بچے کا نام محمد رکھا۔ جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں۔ اب آپ کی نگہداشت آپ کے دادا کے سپرد ہوئی۔ ۶۵۷ء میں عبدالمطلب کی وفات پر آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ ابوطالب اپنے والد کی جگہ خانہ کعبہ

کے متولی مقرر کئے گئے۔ اپنے چچا ابوطالب کے گھر میں محمد ﷺ نے اپنی ابتدائی زندگی بسر کی۔ ابوطالب دل کے نرم اور انسانی دکھوں سے متاثر ہونے والے انسان تھے۔ آپ اپنے چھوٹے سے حلقے میں بہت زیادہ محبوب تھے۔ آپ ﷺ کی ابتدائی زندگی محنت و مشقت میں بسر ہوئی۔ ابوطالب چونکہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح دولت مند نہیں تھے، اس لئے آپ کے خاندان کے دوسرے افراد کی طرح آنحضرت ﷺ کو بھی اپنی باری سے گلہ بانی کرنا پڑتی تھی۔

عنفوانِ شباب ہی سے حضرت محمد ﷺ غور و فکر کے عادی تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ دو مرتبہ شام کا سفر کیا تھا۔ وہاں آپ نے عوام کی دکھ بھری زندگی اور ان کی برائیوں اور شریندیوں کو دیکھا تھا۔ پچیس سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی۔ حضرت خدیجہؓ اپنی سیرت کی بلندی کے باعث عربوں کی تاریخ میں بہت مشہور ہیں۔ آپ کے کئی ایک بچے پیدا ہوئے۔ لیکن وہ تمام کے تمام بچپن ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ البتہ آپ کی صاحبزادیاں اپنے باپ کے عظیم الشان کارناموں کو دیکھنے کے لئے زندہ رہیں۔ آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی ابوطالب کے بیٹے حضرت علیؓ سے ہوئی۔

آئندہ پندرہ سال آنحضرت ﷺ نے بڑی خاموشی سے بسر کئے۔ آپ ﷺ نے مشکل سے ایک دو مرتبہ پبلک زندگی میں حصہ لیا۔ آپ ﷺ نے اس انجمن کو پھر سے زندہ کیا جو چند سال پہلے، یواؤں، یتیموں اور بے سروسامان مسافروں کی امداد کے لئے بنائی گئی تھی اور اپنی ذکاوت سے اس تنازعہ کو ختم کیا جس کے نتائج بڑے خطرناک ثابت ہونے والے تھے۔ اگرچہ ہم صرف آپ کی زندگی کے ان پبلک واقعات سے واقف ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ نے اس زمانے میں اپنی رحم دلی، پاک بازی، دیانت اور فرض شناسی کی وجہ سے اپنے شہریوں سے امین کا خطاب حاصل کر لیا تھا۔ آپ بچوں سے بڑی شفقت سے پیش آتے۔ آپ جب کبھی اپنے گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو بچے آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا چہرہ ہمیشہ محبت بھری مسکراہٹ سے منور رہتا۔ آپ ہر سال مکے کے قریب غارِ حرا میں ایک مہینہ غور و فکر اور یادِ الہی میں گزارتے۔ ایک رات جب آپ اپنے کمر میں لیٹے ہوئے یادِ الہی میں مصروف تھے تو خداوند تعالیٰ نے آپ ﷺ سے کلام کرتے ہوئے آپ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے حکم دیا۔ اس وقت کے بعد آپ کی ساری زندگی لوگوں کو ذلت سے نکلانے، برائیوں کو ترک کرانے اور انسانی تعلقات اور فرائض سمجھانے میں بسر ہوئی۔

سب سے پہلے آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے دین میں شامل ہوئیں اور انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی۔ بعد میں علیؑ، ابو بکرؓ، عمرؓ، حمزہؓ اور عثمانؓ نے اسلام قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ نے تبلیغ شروع کی تو قریش نے تمسخر کیا۔ لیکن جب قریش نے آپ کو اپنے ارادوں میں مضبوط پایا تو ان کی دشمنی نے اذیت رسانی کی صورت اختیار کر لی۔ قریش نے آپ سے اور آپ کے ساتھیوں سے بدسلوکی شروع کر دی اور آپ کے کئی ساتھیوں کی جان لینے سے بھی گریز نہ کیا۔ آپ کے بعض ہمراہیوں نے حبشہ کے ایک نیک دل عیسائی بادشاہ کے ہاں پناہ لی، دوسروں نے اپنے ہادی کے پہلو میں رہ کر ہر قسم کی بدسلوکی اور اذیت کو برداشت کیا۔ ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما کی یکے بعد دیگرے اموات کے بعد قریش نے اپنی اذیت رسانی کو دوچند کر دیا۔ مکے کے لوگوں کو راہ راست پر نہ آتا دیکھ کر آپ نے تبلیغ کے لئے کسی دوسرے مقام کو تلاش کرنا چاہا۔ چنانچہ آپ طائف میں تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں کے لوگوں نے آپ ﷺ پر پتھر برساکر آپ کو اپنے شہر سے نکال دیا۔ آپ طائف سے پھر مکے تشریف لے آئے اور وہاں کچھ مدت قیام کیا۔ آپ اہل مکہ کو چھوڑ کر ان اجنبیوں کو راہ راست پر لانے کے لئے تبلیغ کرنے لگے جو دور دراز مقامات سے حج کے لئے مکے آتے تھے۔

اس طرح یثرب سے آئے ہوئے چند لوگوں نے آپ کا دین قبول کر لیا۔ اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے اس امر کا اقرار کیا کہ نہ وہ بت پرستی کریں گے اور نہ چوری کریں گے، نہ برے کام کریں گے نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گے اور نہ لوگوں پر تہمت لگائیں گے۔ یثرب کے یہ لوگ جب اپنے گھر پہنچے تو انہوں نے اس خبر کو عام کر دیا کہ عربوں میں ایک ایسے پیغمبر کا ظہور ہو چکا ہے جو انہیں برائیوں سے نجات دلائیں گے۔ اگلے سال حج کے موقع پر ان میں سے بیشتر لوگوں نے مکے میں پہنچ کر بیعت کا ارادہ کیا۔ ۶۲۲ء میں یثربیوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا جس نے آپ کو یثرب جانے کی دعوت دی۔ چونکہ یثرب مکے کا مد مقابل شہر تھا۔ اس لئے اس دعوت نے قریش کے دلوں میں آنحضرت ﷺ اور ان کے پیروؤں کی مخالفت کو تیز کر دیا۔ آپ کے بہت سے پیرو مکہ چھوڑ کر یثرب جانے میں کامیاب ہو گئے۔ یثرب میں ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ قریش نے آنحضرت ﷺ کی زندگی ختم کرنے کی سازش کی۔ آپ اس وقت حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ مکہ ہی میں تھے۔ جب آپ کو قریش کے ارادوں کا پتہ چلا تو آپ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ ایک غار میں چلے گئے۔ یہ غار مکے کے قریب ہی تھا۔ حضرت علیؓ

ﷺ مکہ ہی میں تھے۔ جب قریش کو آنحضرت ﷺ کے مکہ سے نکل جانے کا پتہ چلا، وہ حضرت علی سے انتہائی درجہ بدسلوکی کے ساتھ پیش آئے اور آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکل پڑے۔ لیکن اس غار تک نہ پہنچ سکے جہاں پناہ گزین چھپے ہوئے تھے۔ دو دن تک آپ حضرت ابو بکر ﷺ کے ساتھ غار میں رہے۔ تیسرے دن شام کے وقت غار سے نکلے۔ انتقال سے دو اونٹ مل گئے۔ آپ ان پر سوار ہو کر تیزی کے ساتھ یثرب کو روانہ ہو گئے اور (۲۱ جولائی ۶۲۲ء) جمعہ کے دن منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت علی ﷺ بھی ان سے آئے۔ یہ واقعہ ساری تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسے ہجری کہتے ہیں۔ اسلامی سال کا آغاز اسی واقعہ سے ہوتا ہے۔

(۱) جناب آمنہ وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزادی تھیں۔

(۲) شادی کے بعد آمنہ حاملہ تھیں کہ عبد اللہ نے بغرض تجارت شام کا سفر اختیار کیا۔ عذہ پہنچے تھے کہ بیمار پڑ گئے اور وہاں سے واپس ہوئے۔ یثرب تک پہنچے تو حالت بہت خراب ہو گئی۔ سفر ترک کیا اور اپنی دادی کے قرابت داران بنی نجار میں ٹھہر گئے۔ عبد المطلب ﷺ کو علم ہوا تو کسی بیٹے کو بھیجا کہ انہیں یثرب سے لے آئیں مگر یثرب پہنچ کر سنا کہ جناب عبد اللہ سفر آخرت کر گئے ہیں۔

(۳) آپ کی ولادت ۹۔ ربیع الاول ۵۷۱ء دو شنبہ کے روز ابرہہ کی ناکامی کے ۵۵ روز بعد واقع ہوئی۔ بوڑھا دادا یہ خبر سن کر گھر آیا، نو مولود کو گود میں اٹھایا۔ خانہ کعبہ میں حاضر ہوا۔ اس کے لئے دعا مانگی۔ ساتویں روز عقیقہ کیا اور محمد ﷺ نام رکھا اور کل قریش کی دعوت کی۔ قریش اس نام سے مانوس نہ تھے، انہوں نے اس کے نام رکھنے کا سبب دریافت کیا۔ عبد المطلب نے کہا کہ میرا یہ فرزند ساری دنیا میں مدح و ستائش کا سزاوار ہوگا۔

(۴) حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے یثرب گئیں۔ راستہ میں ابواو کے مقام پر ان کا انتقال ہوا۔

(۵) یہ معاہدہ حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔ آپ اس کے متعلق زمانہ اسلام میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس معاہدے کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیئے جاتے تو بھی نہ لیتا۔ آج بھی اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو میں شریک ہونے کے لئے تیار ہوں۔

(۶) خانہ کعبہ سیلاب اور امتداد زمانہ کی وجہ سے بہت خستہ ہو گیا تھا۔ قریش نے اسے از سر نو تعمیر کرایا مگر جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو ہر قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ اسے یہ شرف



حاصل ہو۔ اس پر جھگڑا اس قدر ہوا کہ تلواریں نیام سے نکل پڑیں۔ لیکن آپ ﷺ کے تشریف لانے سے یہ جھگڑا رک گیا۔ سب نے کہا کہ آپ جو فیصلہ کریں گے ہم سب اسے تسلیم کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ کل صبح جو سب سے پہلے آئے وہی حاکم ہو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ دوسرے دن آپ ہی سب سے پہلے تشریف لائے سب کو آپ پر پورا پورا اعتماد تھا کیونکہ وہ آپ کو سب سے زیادہ دیانت دار اور ایماندار خیال کرتے تھے۔ اس لئے ہر ایک آپ کا حکم ماننے کے لئے تیار ہو گیا۔ آپ نے یہ فساد مٹانے اور شرفِ رفع کرنے کی یہ صورت نکالی کہ آپ نے چادر بچھائی۔ اس میں حجرِ اسود رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی اس چادر کو پکڑ لے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس طرح وہ حجرِ اسود دیوار کے پاس لے آئے۔ آپ نے اسے اٹھا کر دیوار میں نصب کر دیا۔ آپ کے اس طرزِ عمل سے ایک خونریز اور ہولناک جنگ رک گئی۔

(۷) ابتدا میں آپ کو حکم ہوا کہ آپ خفیہ خفیہ تبلیغ کریں۔ یہ سلسلہ تین برس تک جاری رہا۔ چنانچہ اس عرصہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ مسلمان ہوئے۔ ان لوگوں کے ذریعہ اور لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ مگر آپ ﷺ کا فریضہ خفیہ تبلیغ سے پورا نہ ہو سکتا تھا، اس لئے آخر کار آپ کو حکم ہوا کہ اب آپ علانیہ تبلیغ فرمائیں۔

علانیہ تبلیغ کا حکم پا کر آپ کوہِ صفا پر تشریف لائے۔ قبیلے قبیلے کا نام لے کر پکارا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے پوچھا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی پشت پر دشمن لشکرِ جرار لئے پڑا ہے اور وہ موقعہ پا کر آپ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم کو یقین آجائے گا۔ سب نے کہا کہ ہاں کیونکہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ سنو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے، تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔ یہ سن کر سب لوگ سخت برہم ہوئے۔

اس کے کچھ دن بعد آپ نے اپنے خاندان کو ایک دعوت پر جمع کیا اور انہیں دعوتِ اسلام دی۔ سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی نے آپ کی دعوتِ اسلام پر لبیک نہ کہا۔ اب مکہ میں مخالفت کا طوفان اٹھا۔ ہر طرف سے مسلمانوں پر سختیاں ہونا شروع ہوئیں۔ ایک دن آپ حرم میں تبلیغ فرما رہے تھے کہ قریش آپ پر ٹوٹ پڑے۔ حارث بن ابی ہاشم نے آپ کو بچانے کی کوشش کی۔ وہ کفار کے ہاتھوں مقتول ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہلا خون تھا۔ مکہ والوں نے آپ کو بھی تنگ کرنا شروع کیا۔ آپ کو راہ چلتے گالیاں دیتے۔ کوئی آپ پر خاک پھینکتا۔ کوئی راہ میں کانٹے بچھاتا۔ کوئی بھیڑوں اور اونٹوں کی اوجھڑی پھینک کر آپ کے کپڑے نجس کرتا۔ ایک دن ایک ناپاک نے آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑ لاد دیا۔ آپ اس وقت سجدہ میں تھے۔ حضرت فاطمہ

رضی اللہ عنہا وہاں تشریف لائیں اور اس کو دھکیل کر نیچے گرا دیا۔ ایک دفعہ ابو جہل نے آپ کو زخمی کر دیا۔ وہ جسمانی عقوبتوں کے ساتھ ساتھ آپ کو روحانی طور پر تکلیف پہنچاتے تھے۔ کوئی آپ کو شاعر کہتا۔ کوئی کاہن اور مجنون بتاتا۔ آپ تبلیغ کے لئے جدھر تشریف لے جاتے یہ دشمن آپ کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہتے۔ آپ کسی سے بات کرتے تو وہ اسے بہکاتے اور کہتے کہ اس کی بات نہ ماننا۔ قرآن کریم پڑھتے تو وہ شور مچاتے تاکہ آپ کی آواز لوگوں تک نہ پہنچے۔

وہ آپ کی جان پر ضرور حملہ کرتے مگر انہیں ڈر تھا کہ بنو ہاشم انتقام ضرور لیں گے اور اس طرح ایسی جنگ شروع ہو جائے گی جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ آخر ایک دن انہوں نے ابوطالب کے روبرو قریش نسل کا ایک شریف لڑکا پیش کیا کہ اسے بیٹا بنا لو اور اپنا بھتیجا ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم اسے قتل کر کے اپنے دین کی توہین و تذلیل کا بدلہ لیں۔ مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ پھر وہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا، اگر دولت چاہتے ہیں تو سارے گتے کی دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دی جاتی ہے، اگر حکومت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور جس بات کی خواہش فرمائیے ہم اسے پورا کر دیں گے۔ مگر آپ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔ مگر آپ نے یہ سب کچھ ٹھکرا دیا اور اپنا فرض جاری رکھا۔

(۸) جب قریش کو معلوم ہوا کہ حبش میں ۸۳ مسلمان پہنچ چکے ہیں تو ان کے عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا کہ وہ نجاشی سے درخواست کریں کہ وہ ان کے مفرورین کو ان کے حوالے کر دے۔ یہ وفد دربار میں حاضر ہوا اور اپنا مطالبہ پیش کیا۔ نجاشی نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور کیفیت دریافت کی اور قریش نے جو باتیں ان کے خلاف کہی تھیں ان کے سامنے دہرائیں۔ اس موقع پر حضرت جعفر طیار ؓ نے تقریر کی جس میں اسلام کی کیفیت اور تعلیم کا خلاصہ پیش کیا۔ وہ تقریر یہ ہے:

”اے بادشاہ ہم جاہل تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بُرے کام کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے، بھائیوں پر ظلم کرتے اور کمزوروں کو ستاتے تھے۔ ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی صداقت، امانت، دیانت اور شرافت سے ہم پہلے ہی واقف تھے اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ ہم پتھروں کو نہ پوجیں۔ سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسایوں کو نہ ستائیں۔ عورتوں پر جھوٹے الزام نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں۔ روزے رکھیں۔ ہم ایک خدا کی عبادت کریں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، سارے بُرے کام چھوڑ دیں۔ ہماری قوم اس سے بگڑ گئی اور ہماری دشمن ہو گئی۔ اور ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم تمام

اعمال بد پھر اختیار کر لیں اور گمراہی میں مبتلا ہو جائیں۔“  
 نجاشی نے کہا کہ وہ کلامِ الہی جو تمہارے پیغمبر پر اترا ہے، اس کا کوئی حصہ سناؤ۔ حضرت  
 جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیات تلاوت کیں۔ نجاشی کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور اس پر  
 رقت طاری ہو گئی اور وہ بے اختیار پکار اٹھا کہ ”خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی  
 چراغ کے پرتو ہیں۔“ اور قریش کے سفیروں کو کہہ دیا کہ میں ان مظلوموں کو تمہارے حوالے  
 کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ تم واپس جاؤ۔“

دوسرے دن انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ ان لوگوں سے یہ تو دریافت کرو کہ وہ حضرت عیسیٰ  
 کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر یہ سوال پوچھا۔ حضرت جعفرؓ نے  
 فرمایا کہ ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کا بندہ، سچا نبی اور کلمۃ اللہ ہے۔ نجاشی نے  
 زمین سے تکا اٹھایا اور کہا خدا کی قسم تم نے حضرت عیسیٰ کے متعلق جو کچھ کہا وہ اس تئکے کے  
 برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں اور سزائے قریش کو دربار سے نکلوا دیا۔ وہ ناکام واپس لوٹ  
 آئے۔

## تیسرا باب مدینۃ النبی

یثرب کے لوگوں نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے مہاجر ساتھیوں کا بڑے تپاک سے خیرمقدم کیا۔ یہ مہاجر اپنے دین کی خاطر اپنے گھروں کو چھوڑ کر آئے تھے۔ یثرب کا نام تبدیل ہو کر مدینۃ النبی جو بعد میں اختصار کے طور پر مدینہ مشہور ہوا۔ اب تک اس شہر کا نام یہی ہے۔ مدینے میں اینٹوں اور گاروں کی ایک مسجد بنائی گئی تھی۔ اس مسجد کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی۔ اس عبادت گاہ کے تعمیر کرنے میں آنحضرت ﷺ نے خود بھی حصہ لیا۔ یہیں آپ ﷺ نے سادہ اور آسان دین کی اشاعت شروع کی۔ آپ ﷺ ایک طرف لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی رحم دلی کا سکھ جھاتے اور دوسری طرف اخلاقی ضوابط کی پابندی، باہمی اخوت، بچوں سے شفقت اور بیواؤں، یتیموں اور بے زبان جانوروں سے نرمی اور محبت کا سلوک کرنے کی تلقین کرتے۔

اس زمانے میں مدینے میں دو بڑے قبیلے آباد تھے۔ ان قبیلوں میں باہمی لڑائی رہتی تھی۔ آپ ﷺ نے ہر قسم کے قبائلی امتیازات کو ختم کر دیا۔ اور مدینے کے رہنے والوں کو انصار یعنی مدد کرنے والے کا لقب دیا۔ جو نئے کو چھوڑ کر مدینے چلے آئے تھے، مہاجرین کہلائے۔ ہم جس زمانے کا ذکر کر رہے ہیں اس زمانے میں عرب کے کسی بھی شہر میں قانون کا دور دورہ نہ تھا۔ قبائل میں باہمی خانہ جنگی تھی۔ ملک کا ملک غیر آئینی کش مکش میں مبتلا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے مدینے میں امن و امان قائم کیا اور صحیح بنیادوں پر ایک ”دولت مشترکہ“ کی بنیاد رکھی۔ اس مقصد کے لئے آپ ﷺ نے ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے خونریزی اور بد امنی بند کر دی گئی۔ یہودیوں کو مساوی حقوق دیئے گئے۔ مدینے اور اس کے نواح میں یہودیوں کی کافی آبادی تھی۔ یہودیوں نے عہد کیا کہ ہم مدینے کی حفاظت میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔

مکہ کے لوگ اہل مدینہ پر اس وجہ سے ناخوش تھے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو پناہ دی تھی۔ نئے کے لوگ مسلمانوں کو انقلاب پسند خیال کرتے تھے۔ چنانچہ

مکے اور مدینے کے رہنے والوں میں تصادم ناگزیر تھا۔ دونوں میں پہلی لڑائی بدر کی وادی میں ہوئی۔ اس لڑائی میں مکے والوں کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں کے ہاتھ ان کے بہت سے قیدی آئے۔ ان جنگی قیدیوں کے ساتھ بہت نرمی کا برتاؤ کیا گیا۔

ہجرت کا دوسرا سال خاموشی سے گزر جاتا لیکن مکے والوں نے حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ہجرت کے تیسرے سال ابوسفیان بن حرب بن امیہ جو بنوہاشم کا سب سے بڑا مخالف تھا اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینے کے لطم و نطق کے احاطہ میں داخل ہو گیا۔ اس حملے کی روک تھام کے لئے مسلمانوں کی جو فوج نکلی تھی اس کی تعداد بہت کم تھی۔ کوہ احد کے دامن میں لڑائی ہوئی جس میں مدینے والوں کو شکست ہوئی۔ مکہ والوں کا نقصان اس قدر زیادہ ہوا تھا کہ ان میں اب مدینے پر حملہ کرنے کی سکت باقی نہیں تھی۔ وہ واپس مکہ چلے گئے اب ان یہودیوں نے تنگ کرنا شروع کیا جو مدینہ اور مدینہ کے آس پاس کے قلعہ بند دیہات میں رہتے تھے۔ مدینے کی چھوٹی سی ریاست کے لئے یہودی مسلسل اور پُرہم خطرے کا موجب تھے۔ وہ یہودی جو شہر کے اندر رہتے تھے اہل مکہ کی جاسوسی کرتے اور بارہا قتل و غارت پر اتر آئے تھے۔ ان اسباب کی بنا پر یہودیوں کے دو قبیلوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔

ہجرت کے پانچویں سال اہل مکہ نے دس ہزار کی فوج لے کر مدینہ پر حملہ کیا۔ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے تین ہزار مسلمان میدان میں نکلے۔ آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں نے شہر کے غیر محفوظ حصے کے گرد ایک خندق کھودی۔ دوسرے حصوں کی حفاظت بنو قریظہ کے سپرد تھی۔ مدینے کے جنوب میں اس یہودی قبیلے کے بہت سے قلعہ بند گاؤں تھے۔ معاہدہ کی رو سے یہ یہودی مسلمانوں کے حلیف تھے۔

ان یہودیوں نے معاہدہ توڑ کر مدینے پر حملہ کرنے والوں کا ساتھ دیا۔ حملہ آوروں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے نے بہت طول کھینچا۔ جب کبھی محاصرین شہر پر حملہ کرتے تو آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق مسلمان انہیں پسپا کر دیتے۔

آخر کار محاصرین کے مخالف عناصر جمع ہونے شروع ہوئے۔ بارش اور طوفان سے حملہ آوروں کے گھوڑے مر گئے۔ ان کا سامان رسد کم ہو گیا۔ مکے کی فوج جس طرح جمع ہوئی تھی اسی طرح منتشر ہو گئی۔

غدار بنو قریظہ کو نظر انداز نہ کیا جاسکتا تھا کیونکہ ڈر تھا نہ جانے کس وقت مدینے پر ہلہ بول دیں۔ چنانچہ ان سے کہا گیا کہ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ انکار کرنے پر ان کا محاصرہ کر لیا گیا اور کہا گیا کہ وہ جس شرط پر چاہیں اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔

انہوں نے یہ شرط پیش کی کہ ہمیں وہی سزا دی جائے جو سعد بن معاذؓ کو تہویر کریں۔ سعد بن معاذ ایک بہادر سپاہی تھے۔ وہ حملے کے دوران میں زخمی ہو گئے تھے۔ وہ ان زخموں سے جان بزنہ ہو سکے۔ اور اس واقعے کے دوسرے دن وفات پا گئے۔ انہوں نے یہودیوں کی غذازی سے برہم ہو کر یہ فیصلہ دیا کہ لڑنے والے یہودیوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بیوی بچوں کو مسلمانوں کا غلام بنا لیا جائے۔ اس سزا پر عمل کیا گیا۔ بظاہر یہ سزا بہت کڑی معلوم ہوتی تھی، لیکن اس زمانے کے مروجہ آئین جنگ میں ایک عام بات تھی۔

اہل مکہ کی اس ناکامی کے بعد جو جزیرہ نما عرب میں نیا مذہب بڑی تیزی سے پھیلنا شروع ہوا، یکے بعد دیگرے عرب قبائل اپنے پرانے دستور کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔

ہجرت کے چھٹے سال آنحضرت ﷺ نے کوہ سینا کے سینٹ کینتھرائن کے راہب خانے کے راہبوں اور عیسائیوں کے نام ایک فرمان جاری کیا۔ یہ فرمان رواداری کی ایک بہت بڑی یادگار ہے۔ اس فرمان کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے عیسائیوں کو نہایت اہم مراعات دیں اور مسلمانوں کو اس فرمان کے شرائط کی خلاف ورزی کے لئے شدید سزاؤں کا مستوجب قرار دیا گیا۔ اس فرمان کے ذریعے آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات گرامی اور دوسرے مسلمانوں پر عیسائیوں کی حفاظت لازم قرار دی۔ انہیں ہر قسم کے نقصان سے بچانے کی تلقین کی۔ راہبوں کے گھر اور کلیساؤں کی حفاظت مسلمانوں پر فرض کر دی گئی۔ عیسائیوں پر ناروا ٹیکس لگانا، کسی پادری کو گرجے سے نکالنا، کسی عیسائی کو ترک مذہب پر مجبور کرنا، کسی عیسائی زائر کو زیارت کرنے سے روکنا۔ کلیساؤں کو مسجد یا مسلمانوں کے لئے رہائشی مکان بنانے کے لئے گرانا، ان سب کی ممانعت کر دی گئی، ان عیسائی عورتوں کو جنہوں نے مسلمانوں سے شادی کر لی تھی، اپنے مذہب پر چلنے کی پوری پوری آزادی تھی اور اس بنا پر ان سے سختی کرنے کو روک دیا گیا تھا، عیسائی اپنے گرجاؤں کی مرمت کے لئے مسلمانوں سے مدد لے سکتے تھے، مسلمانوں پر ان کی امداد لازمی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے شاہ ایران اور بزنطین کے شہنشاہ (قیصر روم) کے پاس اپنے اپنی بھیج کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، بزنطین کے شہنشاہ نے آپ کے اپنی سے شریفانہ سلوک کیا۔ شاہ ایران نے آپ کے اپنی کی بے عزتی کر کے اسے اپنے دربار سے نکال دیا۔ شہنشاہ بزنطین کے ماتحت ایک دوسرے عیسائی حاکم کے پاس بھی اپنی بھیجا گیا تھا۔ یہ حاکم دمشق کے کزیب رہتا تھا، اس حاکم نے اپنی کو قتل کر دیا تھا۔

ہجرت کے ساتویں سال خیر کے یہودیوں نے بغاوت کی، لیکن انہیں بہت جلد مطیع کر لیا گیا ایک مقررہ لگان کے عوض ان کی زمینوں اور جائیدادوں کو ان کے پاس ہی رہنے دیا گیا، انہیں مذہب کی آزادی بھی دی گئی۔

مکہ والوں کے ساتھ ایک معاہدہ کی رو سے مسلمانوں نے خانہ کعبہ کا حج کیا، مکہ کے لوگ چونکہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ماننے والوں سے دور رہنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے شہر خالی کر دیا۔ تین دن بعد مسلمان مدینہ لوٹ گئے تب مکہ والے اپنے گھروں میں واپس آئے۔

تھوڑی مدت کے بعد مکہ والوں اور ان کے ساتھیوں نے ایک ایسے قبیلے پر حملہ کیا جو مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کئے ہوئے تھا۔ اس قبیلے کے بہت سے لوگ مارے گئے تھے، اس قبیلہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس حملہ آوروں کی سرکوبی کے لئے درخواست کی۔ مکہ میں دہشت اور بد امنی کا دور دورہ کئی مدت تک رہ چکا تھا۔ اس درخواست پر آنحضرت ﷺ دس ہزار مسلمانوں کی فوج لے کر بیت پرستوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے، دو قبیلوں کی معمولی مزاحمت کے بعد مسلمان مکہ میں داخل ہو گئے۔ اس طرح نبی کریم اس شہر میں داخل ہو گئے جو آپ سے بہت برا سلوک کر چکا تھا، اب یہ شہر آپ کے رحم و کرم پر تھا، لیکن فتح کی گھڑی میں ہر پچھلی اذیت بھلا دی گئی۔ ہر برائی کو معاف کر دیا گیا۔ صرف چار مجرموں کو جنہیں انصاف مجرم قرار دیا تھا، آنحضرت نے مستوجب سزا ٹھہرایا۔ آپ ایک فاتح کی حیثیت سے اپنے شدید ترین دشمنوں کے شہر میں داخل ہوئے۔ مسلمان فوج آپ کے پیچھے پیچھے تھی، شہر میں فوج کا داخلہ پر امن اور خاموش تھا۔ نہ کوئی مکان لوٹا گیا اور نہ کسی عورت کی توہین کی گئی۔ کسی نے یہ ٹھیک کہا ہے کہ ”فتوحات کی تاریخ میں اس نوعیت کے داخلے کی مثال نہیں ملتی“ لیکن ان کے بتوں کے توڑنے میں کسی قسم کی نرمی نہ کی گئی، بت پرست منعموم چرے بنا کر ان بتوں کی شکست و ریخت کو دیکھ رہے تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے اب ان پر صداقت آشکار ہوئی انہوں نے اس پرانی آواز کو سنا۔ جس کی وہ ہنسی اڑا چکے تھے انہوں نے اس نبی کو جب وہ بتوں کو توڑ رہا تھا یہ کہتے ہوئے سنا۔ ”صداقت آن پہنچی ہے، باطل کا زور ٹوٹ گیا۔ ہاں باطل ٹوٹتے ہی کے لئے ہے“ ان کے معبود کس قدر کمزور اور بے جان تھے۔

ہجرت کا نواں سال اسلامی تاریخ میں وفود کا سال کہلاتا ہے کیونکہ اس سال دور دراز اور مختلف مقامات کے وفد اسلام قبول کرنے کے لئے مدینہ آئے۔ صحابہ کرام اور مدینہ کے

بڑے بڑے لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق ان وفود کے ارکان کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور عربوں کی روایتی مہمان نوازی سے ان کا خیر مقدم کیا۔ روانگی کے وقت ان وفود کو زادِ راہ اور تحائف پیش کئے جاتے، عام طور پر ان وفود کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کیا جاتا تھا، جس کی رو سے قبائل کو مختلف حقوق دیئے جاتے تھے۔ نو مسلم قبائل کو اسلام کی تعلیم دینے کے لئے مبلغ بھی ان کے ساتھ کر دیئے جاتے تھے۔ یہ مبلغ ان قبیلوں کی بُری عادتوں کو مٹاتے۔ مختلف علاقوں میں جن مبلغوں کو بھیجا جاتا تھا، انہیں آنحضرت ﷺ عام طور پر یہ ہدایت کرتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کرو، سختی سے گریز کرو، ان کے دل بڑھاؤ۔ اور انہیں حقارت سے نہ دیکھو۔ تمہیں اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو تم سے یہ دریافت کریں گے کہ بہشت کی کلید کیا ہے؟ تم انہیں جواب میں کہنا کہ بہشت کی کلید اللہ کی صداقت کو تسلیم کرنا اور نیک کام کرنا ہے۔

جب عرب قبائل جو ق درجہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے تو آنحضرت نے محسوس کیا کہ وہ اپنا کام کر چکے ہیں مقررہ وقت کو آتا دیکھ کر آپ نے مکہ کا آخری حج کرنے کا ارادہ کیا ۲۳۔ فروری ۶۳۲ء کو آپ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کو لے کر مدینے سے مکہ کو روانہ ہوئے۔ مارچ ۶۳۲ء کو آپ مکہ پہنچے۔ حج کے تمام فرائض انجام دینے کے بعد آپ نے جبلِ عرفات کی چوٹی پر کھڑے ہو کر جو خطبہ دیا، اس کے الفاظ آج بھی مسلمانوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔

مدینہ واپس آکر آپ عرب صوبوں اور قبیلوں کے نظم و نسق میں مصروف ہو گئے، صوبوں اور مختلف قبیلوں کے پاس عامل بھیجے گئے تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کریں، عدل و انصاف قائم کریں اور زکوہ وصول کریں۔

آنحضرت کی زندگی کے آخری ایام نہایت شاندار تھے، انہیں سکون قلب اور اطمینان حاصل تھا۔ آپ اپنی وفات سے تین دن پہلے تک نمازوں میں مسلمانوں کی امامت فرماتے رہے حالانکہ آپ بہت کمزور ہو چکے تھے، آدھی رات کے وقت آپ اس قبرستان میں تشریف لے گئے، جہاں صحابہ کرام مدفون تھے، آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی اور آنسو بہائے، تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کے آغوش میں لے لے۔ ایامِ علالت میں آپ حضرت عائشہ کے ہاں قیام فرماتے تھے۔ یہ مکان مسجد کے بالکل متصل تھا، آپ میں جب تک توانائی تھی، آپ مسجد میں نماز ادا کرتے رہے، جب آپ آخری مرتبہ مسجد میں آئے تو حضرت علیؑ اور فضل بن عباس آپ کو تھامے ہوئے تھے۔



اللہ کی تعریف اور توصیف بیان کرنے کے بعد آپ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ”مسلمانو!“ اگر میں نے تم میں سے کسی کو تکلیف پہنچائی ہو، تو میں اس کا جواب دینے کے لئے موجود ہوں، اگر میں نے تم میں سے کسی کا کچھ دینا ہے تو میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب تمہارا ہے“ زماں بعد آپ نے حاضرین کے لئے اللہ کے رحم و کرم کی دعا کی، آپ نے ان لوگوں کے لئے بھی دعا کی، جو دشمن کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے، مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرتے رہنے کی ہدایت کی، مسلمانوں کو نیکی اور پاکیزگی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی۔ ۸۔ جون ۶۳۲ء کو جب کہ آپ آہستہ آہستہ اللہ کی یاد میں مصروف تھے تو آپ کی روح مبارک کو وصال نصیب ہوا، آنحضرت ﷺ نے دس سال تک اسلام کی دولت مشترکہ کی صدارت کی۔ اس دور میں عربوں کی سیرت میں نمایاں تبدیلی واقع ہو چکی تھی، مختلف شہروں اور قبیلوں میں داخلی اور قبائلی جھگڑے چکانے کے لئے جو مبلغ بھیجے گئے اس سے پرانے زمانے کے ذاتی انتقام کا رواج مٹ گیا، تجارت اور کاروبار کے لئے راہیں کھل گئیں، طرز زندگی اور لباس میں (خاص کر عورتوں کے) خاصی تبدیلی واقع ہوئی، طحانہ آزادیوں کو روک دیا گیا، عادات و اطوار نے خوشگوار صورت حال اختیار کی، قماربازی اور شراب نوشی ممنوع قرار دی گئی، اس سے بیشتر گھروں میں کسی قسم کا تخلیہ نہیں ہوتا تھا، اب گھروں میں عورتوں کے لئے الگ کمرے مقرر کئے جانے لگے۔

(۱) یہ دو یہودی قبیلے بنی قینقاع اور بنی نضیر تھے سب سے پہلے بنی قینقاع نے معاہدہ کا پاس نہ کیا۔ اس کی شرائط کی توڑا۔ جنگ کو صلح پر ترجیح دی۔ آنحضرت ﷺ نے مجبور ہو کر ان کے قلعوں کا محاصرہ کیا۔ آخر وہ عاجز آگئے۔ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مدینہ منورہ میں ان کا رہنا خطرناک تھا۔ اس لئے انہیں جلا وطن کر دیا گیا۔

(۲) یہ واقعہ تاریخ اسلام میں غزوہ احزاب یا غزوہ خندق کے نام سے مشہور ہے قریش کے ساتھ بہت سے قبائل مل کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے ان کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے مگر اس میں وہ کامیاب نہ ہوئے۔ تعداد اور سلمان کی زیادتی کے باوجود انہیں شکست ہوئی اور وہ مدینہ کا محاصرہ اٹھا کر بھاگ گئے۔

(۳) یہ یہودیوں کا مشہور قبیلہ بنو قریظہ تھا جس نے اس نازک موقع پر غداری کی۔

(۴) مکے سے ہجرت کئے ہوئے پورے پانچ برس ہو چکے تھے اکثر صحابہؓ مکہ کے لئے بے

چین تھے کیونکہ ان کے بال بچے ابھی تک وہاں تھے۔ صحابہ کی یہ بے چینی دیکھ کر آپ نے حج کا

ارادہ کیا۔ چودہ سو صحابی تیار ہوئے قریش کو علم ہوا تو انہوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کیں مگر آپ فقط حج کرنا چاہتے تھے۔ جنگ کا ارادہ نہ رکھتے تھے اسی لئے حدیبیہ کے مقام پر آکر رک گئے۔ یہ مقام مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس نازک مسئلہ کو بڑی خوب صورتی سے سلجھایا۔ قریش سے گفت و شنید کر کے آخر ایک معاہدہ ہوا۔ جس کی شرائط یہ تھیں: (۱) مسلمان اس سال مکہ نہ آئیں (۲) اگلے سال آئیں فقط تین دن ٹھہر کر چلے جائیں (۳) تلوار کے سوا کوئی اور ہتھیار اپنے ساتھ نہ لائیں (۴) مکہ میں جو مسلمان ہیں انہیں اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کریں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ چلا جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا (۵) عرب کے تمام قبیلوں کو آزادی ہوگی کہ وہ جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں۔ یہ عہد نامہ نہایت صبر آزما تھا مسلمانوں کی خواہشات کے خلاف تھا مگر انہوں نے رسول خدا ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ اس معاہدہ کے بعد عرب والوں کو مسلمانوں سے میل ملاپ کرنے اور اسلام کو سمجھنے کا موقع ملا۔ اسلام اب بڑی تیزی سے پھیلنا شروع ہوا۔

(۵) یہ خطبہ نہایت اہم ہے۔ اسلام کیا ہے۔ اس کا مجمل سا خاکہ آپ نے اس خطبہ میں پیش کر دیا۔ اس لئے ہم اس خطبہ کے بعض اہم حصے یہاں درج کر دیتے ہیں۔

”اے لوگو! شاید میں پھر اس جگہ تم سے نہ مل سکوں۔ اس لئے میری باتیں غور سے سنو۔ اے لوگو جس طرح تم آج کے دن اس مہینہ اور اس شہر کا احترام کرتے ہو۔ اسی طرح ایک دوسرے کے مال اور جان کو حرام سمجھو۔ دوسروں پر ظلم نہ کرو۔ ناکہ ہتم پر ظلم نہ ہو۔ شیطان ناپوس ہو چکا ہے کہ اب اس سرزمین میں اس کی پوجا نہیں ہوگی۔ لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں لوگ اس کی تابعداری کرتے رہیں گے۔ اس لئے اس کی اطاعت سے پرہیز کرنا، خبردار میرے بعد سچائی کے راستے سے بھٹک نہ جانا ایک دوسرے کا خون نہ بہانا۔ عورتوں کے ساتھ نرمی اور شفقت کے ساتھ پیش آنا جس طرح ان پر تمہارا حق ہے اسی طرح تم پر ان کا حق ہے۔ غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ جو خود کھاؤ انہیں کھلاؤ۔ جو خود پہنو۔ انہیں پہناؤ۔ ان سے قصور ہو جائے تو معاف کر دو۔ آج اہل عرب کو اہل عجم پر اور اہل عجم کو اہل عرب پر کوئی فضیلت نہیں۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے لئے اپنے کسی بھائی کی چیز پر قبضہ کرنا جائز نہیں۔“

اے لوگوں میں تم میں قرآن پاک چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر تم اس پر عمل کر دو گے تو بھی گمراہ نہ ہو گے۔ مسلمانوں کا بھلا سوچتے رہو۔ آپس میں اللقان اور اتحاد رکھو۔

## چوتھا باب

### خلافتِ راشدہ

مسلمانوں کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کے لئے جو عقیدت پیدا ہو چکی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی وفات کا کسی کو یقین نہیں آتا تھا، لوگ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ جس ہستی نے چند سالوں میں عرب کی ساری ہیئت کو بدل دیا تھا وہ کیونکر اس آئینِ فطرت کے تابع ہو سکتی ہے جو عام لوگوں پر حکمران ہیں، اگر آنحضرت تاریخِ ایام کے ابتدائی دور میں ہوتے، یا آپ کے اپنے ذاتِ گرامی کے بارے میں کہے ہوئے الفاظِ دنیا کے بڑے لوگوں کی طرح کسی قدر کم عقیدت پر مبنی ہوتے، تو انہیں بھی خدائی درجے دے دیئے جاتا۔ لوگوں میں جو بے کلی پیدا ہو گئی تھی اسے محترم ابو بکرؓ نے دبایا۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ آنحضرت پر غشی کا عالم طاری ہے لیکن حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو یہ یقین دلایا کہ ہمارے ہادی اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، آپ نے مسلمانوں کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ ”مسلمانو! اگر آپ حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتے تھے تو سمجھ لو کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ہو چکا ہے اور اگر آپ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو سمجھ لو کہ اللہ زندہ ہے، وہ کبھی نہیں مرتا۔ قرآن کی اس آیت کو کبھی نہ بھولو۔ ”محمد تمہاری طرح انسان ہیں جنہیں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ سے پہلے کئی رسول آئے اور وفات پا گئے۔“ اور نہ اس آیت کو بھولو ”محمد! تمہیں بھی ان لوگوں کی طرح دنیا سے رخصت ہونا پڑے گا، جو تم سے پہلے تھے“ مسلمانوں کے اجتماع سے گریہ و بکا کا شور اٹھا کہ ان کے ہادی اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔

اب آنحضرت ﷺ کے خلیفہ کا مسئلہ درپیش تھا، آپ کا جانشین کون ہو؟ آنحضرت ﷺ کئی بار حضرت علی کو اپنا جانشین بنانے کا خیال ظاہر کر چکے تھے، لیکن آپ نے اپنی جانشینی کے لئے کوئی قطعی اصول وضع نہیں کیا تھا۔ اس سبب سے انفرادی کوششیں وجود میں آنے لگیں، جو اسلام کے مفاد کے منافی تھیں، اور جنہوں نے آگے چل کر قبائلی جنگوں اور مذہبی فرقہ بندیوں کو پیدا کیا۔ اگر حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ کا جانشین تسلیم کر لیا جاتا تو وہ تباہ

کن دعاوی پیدا نہ ہوتے جن کے سبب اسلامی دنیا میں بہت زیادہ خون بہا گیا۔

عربوں میں قبیلہ کی سرداری موروثی نہیں بلکہ انتخابی ہوتی ہے، عام حق رائے وہی کی انتہائی صورت پر عمل کیا جاتا ہے، سردار کے چنے جانے میں قبیلے کے ہر ممبر کی آواز ہوتی ہے، یہ انتخاب متوفی سردار کے خاندان کے زندہ ارکان کی بزرگی کی بنا پر ہوتا ہے، یہی پرانی قبائلی رسم آنحضرت ﷺ کی جانشینی میں عمل میں لائی گئی۔ کیونکہ حالات کی نزاکت کا یہ تقاضا تھا کہ اس مسئلہ میں تاخیر نہ کی جاتی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی بزرگی اور اپنے اثر کے سبب آنحضرت ﷺ کے جانشین منتخب کر لئے گئے۔ آپ کی دانائی اور اعتدال پسندی مسلم تھی، آپ کے انتخاب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آنحضرت ﷺ کے خاندان کے افراد نے تسلیم کر لیا۔

جب مسلمانوں کی اکثریت آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکی تو آپ نے ایک تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے دیکھو! میری طرف دیکھو۔ جس کے سپرد حکومت کا کام کیا جا چکا ہے۔ میں تم میں سے افضل نہیں، مجھے تم سب کے مشورے اور مدد کی ضرورت ہے، اگر میں اچھا کام کروں تو میری تائید کرو اور اگر میں غلطی کروں تو مجھے مشورہ دو، جس شخص کے سپرد حکومت کا کام ہو، اس سے سچی بات کہنا عین ایمان ہے۔ اس سے سچی بات چھپانا بغاوت ہے۔ میری نگاہ میں طاقتور اور کمزور برابر ہیں۔ میں دونوں کے بارے میں عدل کروں گا۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہوں اس وقت تک میری اطاعت کرو۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو نہ مانوں تو پھر مجھے تمہاری اطاعت کا کوئی حق نہیں۔“

جونہی آنحضرت ﷺ کے وصال کی اطلاع عرب کے دور دراز علاقوں میں پہنچی تو بغاوتوں کی آگ بھڑک اٹھی۔ مسلمانوں کو اس صورت حال سے بڑی تشویش ہوئی۔ بعض قبیلے جنہوں نے بت پرستی کو ابھی ابھی ترک کیا تھا دوبارہ بری عادتوں میں گرفتار ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں لوگ نبوت کے جھوٹے دعوے کر چکے تھے۔ اب ان لوگوں نے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی مدت میں اسلام تقریباً ”مدینہ کی حدود میں سمٹ کر رہ گیا۔ ایک مرتبہ پھر ایک شہر کو سارے جزیرہ نما کی فوجوں سے لڑنا تھا۔

ان قبیلوں کی بغاوت کے دو سبب تھے۔ اول یہ کہ اسلام نے اخلاق کے سخت قوانین وضع کر دیئے تھے، دوسرے یہ قبائل زکوٰۃ (غریبوں کی امداد کے لئے ٹیکس) سے منکر ہو چکے تھے، مسلمان اگرچہ چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے لیکن ان کے حوصلے بلند تھے، وہ ایمان اور جوش کے بل پر پھر ایک بار ابھرے۔ آنحضرت ﷺ کی تکفین کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے الظم و نسیق کی طرف توجہ دی اور باغیوں سے مقابلہ کی تیاریاں

شروع کر دیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے وصال سے تھوڑی مدت پہلے شام پر فوج کشی کے احکام جاری کئے تھے، تاکہ مسلمان ایچی کے قتل کا انتقام لیا جائے۔ اس مقصد کے لئے مدینہ کے قرب و جوار میں فوجیں جمع ہونا شروع ہو گئی تھیں، اب یہ مہم دو گونہ ضروری بن چکی تھی۔ کیونکہ جنگ موتہ میں مسلمانوں کی شکست کے بعد شمالی عرب کے قبائل بغاوت پر اتر آئے تھے۔ موتہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اپنے آقا و مولا کی آخری خواہش پر عمل کرنے اور شمالی سرحد پر امن قائم کرنے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو خود اعداء میں گھرے ہوئے تھے، شام پر چڑھائی کرنے کا حکم دے دیا۔ جب مسلمانوں کی فوج رخصت ہو رہی تھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوج کے امیر اسامہ ابن زید سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

”دیکھو! تم اپنے آپ کو ناقابل اعتبار ہونے سے بچانا۔ کسی حالت میں بھی سچائی کو ہاتھ سے نہ دینا، کسی شخص کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا، بچوں اور بوڑھوں پر تلوار نہ اٹھانا، کھجور کے درختوں کو نقصان نہ پہنچانا، نہ انہیں آگ لگانا، کسی ایسے درخت کو نہ کاٹنا جو انسان یا حیوان کے لئے خوراک مہیا کرتا ہے، اپنی ضرورت کے علاوہ گلوں، ریوڑوں اور اونٹوں کو نہ مارنا، تم وہ گوشت کھا لیتا، جو اس علاقے کے لوگ اپنے برتنوں میں لے کر آئیں۔ لیکن اللہ کا نام لے کر اور سرمنڈے راہب تمہاری اطاعت کر لیں تو انہیں تکلیف دیئے بغیر چھوڑ دینا، اب اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو، خدا تمہیں تلوار اور دبا سے بچائے۔“

جب اسامہ رضی اللہ عنہ شمال میں تھے تو مدینے پر باغیوں نے حملہ کیا لیکن انہیں شکست ہوئی، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے شامیوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کی اور بہت جلد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے مدینے پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی اثنا میں پوری پوری تیاری کر لی تھی۔ باغی قبائل کی سرکوبی کے بارے میں سب سے اہم کام خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک جوشیلے سپاہی اور کامیاب جرنیل تھے۔ بعض قبائل نے جنگ کئے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ جو لوگ ہتھیار ڈالنے پر تیار نہیں تھے ان سے شدید لڑائیاں ہوئیں، ان لڑائیوں میں فریقین کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ جنگ یمانہ میں بنو حنیفہ کے بڑے قبیلے کو شکست ہوئی اور ان کا سردار مسیلمہ کذاب اس لڑائی میں مارا گیا، اس لڑائی کے بعد باغی آہستہ آہستہ جھکنے لگے، انہیں دوبارہ اسلام میں داخل کیا گیا۔

عرب کے شمال مشرق میں بغاوت فرو کرنے کے ضمن میں مسلمانوں کا تصادم بعض ایسے عرب قبیلوں سے ہوا جو حیرہ کے ماتحت تھے۔ حیرہ کی حکومت نیم عرب کی حکومت تھی۔ جو ایران کے زیر اقتدار قائم تھی، نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکے گا کہ اس تصادم کا آغاز

کس طرح ہوا جس نے بعد میں ریاستی کش کش کی صورت اختیار کر لی عرب کا شمال مشرقی کنارہ جو عراق کی سرحدوں تک پھیلا ہوا ہے اس زمانے میں ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ فرات کی زریں شاخ کے جنوب میں ایک بے آب و گیا علاقہ ہے، یہ علاقہ نفوذ عرب کے اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جو بحرہ مردار تک پھیلا ہوا ہے، اس کے شمال میں حران کی سطوح مرتفع اور قدیم تدمر کا علاقہ پھیلا ہوا تھا، اس وسیع علاقے میں آج کی طرح اس زمانہ میں بھی بدوی قبائل گھومتے پھرتے تھے، آج ان بدوی قبائل کے نام بدل چکے ہیں لیکن ان کے عادات و اخلاق وہی ہیں ان قبائل کی زیادہ تعداد عیسائی تھی شام کی جانب سے قبائل بنوغسان کی طرح بازنطینیوں کے ماتحت تھے۔ مشرق کی جانب کے قبائل بنو تغلب کی طرح ایران کے زیر اقتدار تھے، ان قبائل کا خونی رشتہ ہمسایہ عرب قبائل کے ساتھ قائم تھا، عرب قبائل کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ فرات کے دہانے میں عرب آباد ہو چکے تھے، یہ عرب اپنے دوسرے رشتہ داروں کی بدوی زندگی ترک کر کے کھیتی باڑی میں مصروف ہو چکے تھے، ان حالات کے پیش نظریہ ایک طبعی بات تھی کہ جب خلیج فارس کے مشرق کے کناروں پر مسلمانوں اور باغیوں میں تصادم ہوتا تو اس کا اثر ان ہمسایہ قبائل پر بھی پڑتا، جو ایران کی رعایا تھے، شمال کی طرف سے جو چھاپے پڑتے تھے وہ بہت جلد اس قسم کی انتقامی صورت اختیار کر لیتے تھے، جیسی کہ آج کل ہندوستان میں انگریزوں اور وسطی ایشیا میں روسیوں کے اقدام نے کر رکھی ہے۔ دجلہ اور فرات کے دو دریاؤں سے سیراب ہونے والی زمین پرانے وقتوں سے سلطنت قائم کرنے والوں کا نشانہ بنی رہی ہے۔ آرمینیا کے پہاڑوں سے نکل کر ایک طرف دجلہ اور طورس کے پہاڑوں سے نکل کر دوسری طرف فرات خلیج فارس کی طرف بہتے ہیں خلیج میں گرنے سے پہلے دونوں دریا چند سو میل دور آپس میں مل جاتے ہیں۔ اس مقام پر وہ اپنا نام بھی کھو دیتے ہیں، وہ اب شط العرب کا نام پاتے ہیں۔ اس علاقہ کا بالائی حصہ پرانے زمانے میں میسوپوٹیمیا کہلاتا تھا، زریں حصہ جو سیلابی ہے بائیں اور کلدہ کہلاتا تھا۔ عرب اس حصے کو عراق عرب کہتے تھے ان مشہور دریاؤں کے کناروں پر بڑے بڑے شہر آباد رہے ہیں قدیم نینوہ (موجودہ موصل کے قریب) جواسوری بادشاہوں کی راجدھانی تھی۔ دجلہ کے کنارے پر آباد تھی۔ ایرانی حکمرانوں کا مدائن ازمنہ وسطی کے خلیفوں کا بغداد، جو اب ترکی گورنروں کا صدر مقام ہے، دجلہ ہی کے کنارے پر آباد ہوئے۔ فرات کے کناروں پر قدیم بائیں، حیرہ، کوفہ (جسے عربوں نے آباد کیا، سرکیب قدیم سرکیبیم) اور مرقہ آباد تھے۔ دجلہ کے پیچھے زاگردس کے پہاڑوں کے مشرق میں وہ ملک واقع ہے جسے

عرب، عراق عجم کتے تھے اور جسے ایران کی مرکزیت حاصل تھی، جزیرہ نمائے عرب سے بغاوت کے تمام آثار مٹانے کے بعد خالد بن ولید اور ثنی نے ان حملوں کے انسداد کا کلم اپنے ہاتھ میں لیا جو حیرہ کی طرف سے کئے جاتے تھے، کلدہ کی ایرانی گورنر نے سرحد پر عربوں سے لڑائی کی۔ لیکن شدید نقصان اٹھانے کے بعد حیرہ نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

حیرہ پر مسلمانوں کے قابض ہوتے ہی ایرانی حکومت چونک اٹھی۔ اسے وقت کی نزاکت کا پورا پورا احساس تھا۔ ایک توانا اور ابھرتی ہوئی قوت جس کا قومی جذبہ مذہبی جوش کی صورت اختیار کرچکا تھا اب اس کے دروازوں پر قابض ہو چکی تھی۔ اگر ایرانی کم فہم نہ ہوتے تو وہ اپنے اندرونی مورچوں کو مضبوط اور مستحکم کرتے اور اپنی اس سلطنت کی دوبارہ تنظیم کرتے جو گھریلو جھگڑوں کا شکار ہو رہی تھی، ہو سکتا تھا کہ ایرانیوں اور عربوں میں کوئی سمجھوتہ ہو جاتا، اس وقت بھی ایرانی سلطنت مضبوط اور دولت مند تھی۔ اس میں موجودہ ایران باختر اور وسطی ایشیا کے چھوٹے چھوٹے قبائلی علاقے شامل تھے، اس سلطنت کی سرحد بھی تاتار اور ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی، عراق اور میسوپوٹیمیا بھی اس میں شامل تھے، کلدہ سے عربوں کو نکلنے کے لئے ایک بہت بڑی فوج بھیجی گئی۔

تقریباً اسی وقت حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولید کو ان کی آدمی فوج سمیت بہت جلد شام جانے کے لئے کہا۔ اب دوسرا جرنیل ثنیؓ چھوٹی سی فوج کے ساتھ ایرانیوں کی بڑی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے باقی رہ گیا تھا۔ ثنیؓ نے اپنے ہراول دستوں کی پیش قدمی روکتے ہوئے بڑی تیزی سے مدینے کی راہ لی تاکہ مزید کمک بھیجنے کے لئے کہے، لیکن اس وقت حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ صرف دو سال چھ مہینے حکومت کرنے کے بعد ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو اس دنیا سے چل بسے۔ آپ کے متعلق کہا گیا ہے کہ آپ بہت وجیرہ تھے، آپ کا چہرہ دبلا اور بدن چھریا تھا عمر کے تقاضے سے آپ کی کمر خمیدہ ہو گئی تھی۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے قریش پر آپ کو بہت زیادہ اقتدار حاصل تھا، آپ قریش کے بڑے بڑے قاضیوں میں سے تھے، آپ اپنی دولت اور سرداری کے سبب مکہ میں بہت ممتاز تھے، اپنے ہادی کی طرح آپ کی عادات بھی سادہ تھیں، آپ نرم دل مگر مستقل مزاج تھے، آپ نے اپنی تمام قوتوں کو نئی مملکت کے نظم و نسق اور لوگوں کی بھلائی پر صرف کیا۔ آپ رات کے وقت کنکالوں اور بے کسوں کی امداد کے لئے مدینہ کے گلی کوچوں میں گھومتے۔ اپنے انتخاب کے

بعد تھوڑی مدت تک آپ اپنی ذاتی آمدنی سے اپنے اخراجات کی کفالت کرتے رہے۔ چونکہ خلافت کے فرائض کے لئے زیادہ وقت نہیں نکال سکتے تھے، اس لئے آپ نے بیت المال سے چھ ہزار درہم سالانہ لینے منظور کر لئے۔ زندگی کے آخری لمحات میں آپ کو بیت المال سے روپیہ لینے کا اتنا رنج ہوا کہ آپ نے اپنی جائداد کے ایک حصہ کو فروخت کرنے کا حکم دیا تاکہ اس سے وہ رقم بیت المال میں داخل کرائی جاسکے جو آپ وہاں سے لے چکے تھے۔ یہ تھی وہ سادگی اور دیانت جو آنحضرت ﷺ کے ابتدائی عقیدت مندوں کا خاصہ تھی۔ اپنی وفات سے پیشتر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کیا آپ کی جانشینی کو مسلمانوں نے تسلیم کر لیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ نامزد کئے جانے سے اسلام کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ آپ بلند اخلاق کے سختی سے پابند تھے، آپ بھی عدل و انصاف کے حامی توانا اور بلند سیرت کے مالک تھے، عرب کے اندرونی نظم و نسق کی نئی تنظیم کے بعد آپ کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ آپ نے ثنی کو مکہ بھیجی۔ یہ کمان عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی جنہوں نے میدان جنگ میں پہنچ کر سارے محاذ کی کمان سنبھال لی۔ ثنی کے مشوروں پر عمل نہ کرتے ہوئے ابو عبیدہ نے ایرانیوں سے ایک ایسے مقام پر لڑائی شروع کر دی، جہاں عرب فوج کے لئے مقابلہ کرنے کا کوئی امکان نہ تھا عربوں کو سخت شکست ہوئی، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی لڑائی میں شہید ہوئے ایرانیوں نے اس فتح سے پھر بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور آخر کار ثنی کی عسکری قابلیت نے ایرانیوں کو شکست دی، یہ لڑائی فرات کی مغربی شاخ پر ابواب کے مقام پر لڑی گئی۔ ثنی پھر سارے علاقے کو فتح کر کے حیرہ میں داخل ہوا۔

اس دوران میں ایران کے تخت پر ایک نیا بادشاہ بیٹھ چکا تھا۔ وہ نوجوان پر جوش اور من چلا بہادر یزدجرد تھا جو عربوں کو نہ صرف حیرہ سے نکالنے پر تلا ہوا تھا بلکہ وہ ان کے ملک کو بھی فتح کرنے کے لئے منصوبے باندھ چکا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے ایک لاکھ سپاہی جمع کئے۔ مسلم جرنیل کلدہ خالی کرنے کے بعد صحرا کی سرحد پر رک کر مدینہ سے آنے والی مکہ کا انتظار کرنے لگا۔

جب مسلمان ایرانی حملے کا انتظار کر رہے تھے تو ان کا نامور جرنیل بخار میں مبتلا ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ سعد بن ابی وقاص مدینہ سے مکہ لے کر پہنچ گئے۔ اب آپ نے سارے محاذ کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مسلمان فوج کی تعداد اب تیس ہزار تھی۔ دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی، یہ لڑائی تین دن تک ہوتی رہی۔ دونوں طرف سے حیرت



انگیز بہادری کے مظاہرے ہوئے۔ تیسرے دن ایرانی فوج منتشر ہوئی اور اس فوج کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ مان کا جرنیل مارا گیا۔ اور وہ شمال کی طرف بھاگ نکلی، قادسیہ کی جنگ نے کلدہ اور میسو پوٹیمیا کی تقدیر کا فیصلہ کر دیا۔ کلدہ پر عربوں کا قبضہ ہو گیا۔ حیرہ کے ان لوگوں کو جنہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی کی تھی، مزید ٹیکس ادا کرنے کی سزا دی گئی۔

جب حیرہ کے آس پاس کے شہروں اور دیہات نے اطاعت قبول کر لی تو سعد بن ابی وقاص نے باہل کا رخ کیا۔ باہل میں منتشر شدہ ایرانی فوج فیروزان، ہرمزان اور میران کے ماتحت دوبارہ جمع ہو چکی تھی۔ اس فوج کو عربوں نے پھر شکست دی۔ ایرانی لشکر کا شیرازہ ایک بار پھر بکھر گیا۔ میران ایران کے پایہ تخت مدائن کی طرف بھاگ نکلا۔ ہرمزان اپنی حکومت کے صدر مقام ابواز چلا گیا۔ فیروزان نے نہاند کی راہ لی، جہاں شاہ ایران کے خزانے تھے۔ جب تک مدائن میں میران اپنی بڑی فوج سمیت ڈیرے ڈالے پڑا تھا، کلدہ پر مستقل قبضہ ناممکن تھا۔ سعد بن ابی وقاص ایرانی راجدھانی کی طرف کوچ کرنے پر مجبور تھے، منصور کے بغداد کی طرح مدائن بھی دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ اس شہر کا مغربی حصہ سلوشیا کہلاتا تھا۔ اس شہر کو سکندر کے مشہور جرنیل سلوکس کے جانشینوں نے آباد کیا تھا، مشرقی حصہ تیخون کہلاتا تھا، جسے ایرانی بادشاہوں نے بسایا تھا دونوں شہروں کو ملا کر اسے مدائن کہتے تھے۔ مدائن میں بادشاہ اور امیروں کے بڑے بڑے محل تھے۔ ان محلوں کو جب عربوں نے پہلی مرتبہ دیکھا ہو گا تو وہ ان سے بہت متاثر ہوئے ہوں گے۔ عربوں نے تھوڑی مدت مدائن کا محاصرہ کیا۔ مدائن نے اپنے دروازے کھول دیئے، اس شہر کی تسخیر کے بعد دجلہ کے تمام مغربی علاقے پر عربوں کا قبضہ ہو گیا، ایرانی شہنشاہوں کے محل میں عرب فوج نے نماز شکرانہ ادا کی جسے صلوة النفر کہتے ہیں۔

عراق کے فوجی اور سول حاکم سعد نے مدائن کو اپنا مرکز بنایا۔ عراق میں میسو پوٹیمیا بھی شامل تھا، سعد بن ابی وقاص نے شاہی محل میں سکونت اختیار کی اسی محل میں دفاتر قائم کئے گئے۔ محل کے دیوان میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی تھی مدائن کو اپنا صدر مقام بنا کر سعد بن ابی وقاص نے صوبے کا نظم و نسق درست کیا لیکن بہت جلد مسلمان ایک اور لڑائی لڑنے پر مجبور ہو گئے پہاڑوں کے مغرب میں شاہ ایران حلوان میں مقیم تھا، اس نے اب ایک بڑی فوج کو مدائن فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ مدائن سے تقریباً پچاس میل شمال مشرق میں جلولہ کے مقام پر دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی، ایرانی فوج نے شدید نقصان اٹھانے کے بعد شکست کھائی، عربوں نے حلوان پر قبضہ کر کے وہاں اپنا ایک دستہ تعینات کر دیا، جب جلولہ اور مدائن

سے مالِ غنیمت مدینے پہنچا تو اسے دیکھ دیکھ کر خلیفہ رو رہے تھے جب رونے کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے کہا۔ میں اس مالِ غنیمت میں اپنی قوم کی آئندہ تباہی دیکھ رہا ہوں۔ آپ کا خیال درست تھا کیونکہ عربوں کی فتوحات نے آخر کار انہیں کفایت شعاری، سادگی اور ایثار کی خصوصیات سے محروم کر دیا۔ یہی وہ خصوصیات تھیں جو ان کی فتوحات کا سبب بنی ہوئی تھیں۔

حلوان کی فتح کے بعد شاہِ ایران کے ساتھ ایک معاہدہ ہو گیا جس کے مطابق ایرانی اور اسلامی دونوں حکومتوں کی سرحدیں مقرر ہوئیں۔ خلیفہ نے احکام جاری کئے کہ مسلمانوں کو اس سرحد کے پار نہیں جانا چاہئے۔ خلیجِ فارس کے سرے پر سے لے کر مشرقی سلسلہ کوہ تک اس سے پیشتر بھی عربوں کے قبضے میں آچکا تھا۔ ابلہ کی بندرگاہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عدل و انصاف اور ان کی مجلس شوریٰ کی دانش مندی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی تمام قوتیں اس نئے مفتوحہ علاقہ کی فلاح و بہبود پر صرف کر دیں۔ اس صوبے کی ترقی کے لئے اس کے تمام ذرائع اس پر صرف کر دیئے گئے۔ حضرت علیؓ کے مشورے کے مطابق اس صوبے کی مالگذاری سے متعلق پیمائش کرائی گئی۔ مالگذاری کی تحقیق از سر نو ہوئی کسانوں پر ٹیکس کا بوجھ ہلکا کیا گیا۔ انہیں ان کی زمینوں پر قابض کرا کے ان کی پوزیشن کو مستحکم کیا گیا، شاہِ ایران نے بڑے بڑے جاگیرداروں پر جو ٹیکس لگا رکھے تھے ان پر نظر ثانی کی گئی۔ آب پاشی کے لئے نہروں کا جال بچھایا گیا، ضرورت پڑنے پر کاشتکار حکومت سے پیشگی رقم لے سکتے تھے۔ زمین کی فروخت حکماً "بند کر دی گئی" تاکہ مقامی کسانوں کے حقوق محفوظ رہ سکیں۔ ایرانی حکمرانوں کی شاہی جاگیریں شکار گاہیں، بھاگے ہوئے شہزادوں کے مقبوضات اور ان آتش کدوں کی جائیدادیں جن کے پجاری بھاگ گئے تھے سب کی سب حکومتوں کی ملکیت میں داخل کر لی گئیں، اس ملکیت کے نظم و نسق کے لئے مدینہ سے ناظم مقرر کئے جاتے تھے فوج نے اس علاقے اور کلدہ کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے لئے احتجاج کیا لیکن حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے مشورہ کے مطابق فوج کے اس مطالبے کو مسترد کر دیا، ریاست کی اس ملکیت سے جو آمدنی ہوئی تھی اس میں سے اخراجات وضع کرنے کے بعد تمام رقم کو عرب آباد کاروں میں بانٹ دیا جاتا تھا۔

لیکن حضرت عمرؓ کا حسن سلوک اور ان کے جرنیلوں کا معتدل رویہ ایرانیوں کے ساتھ ایک تازہ تصادم کو روک نہ سکا، یزید جرد اپنی راجدھانی اور اپنے دو بہترین صوبوں کے

چھن جانے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اس کے گورنر قابو سے باہر تھے، اس کی فوج عربوں سے ایک مرتبہ پھر لڑنے کے لئے شور مچا رہی تھی، ابواز کے گورنر مزان نے عربوں کی بستیوں پر کئی بار حملے کئے تھے، ہر بار شکست کھاتا اور ہر بار صلح کی درخواست کرتا لیکن اولین موقعہ پر وہ معاہدہ توڑتا۔

اسی زمانے میں عراق میں دو نئے شہر آباد کئے گئے تھے، شط العرب کے کنارے پر بصرہ نے ابلہ کی جگہ لے لی، بصرہ عراق کی بندرگاہ بن گیا۔ بصرہ میں شمالی عرب کے قبائل آباد تھے، حیرہ سے تین میل جنوب میں فراط کے مغربی کنارے پر کوفہ میں یمنی نسل کے عرب آباد تھے، مدائن کی آب و ہوا چونکہ صحت کے لئے ضرر رساں تھی اس لئے کوفہ نے مدائن جگہ لے لی۔ دونوں شہروں کو نقشے کے مطابق بسایا گیا، دونوں شہر ایک مربع کی صورت میں تھے جن کے وسط میں مسجد اور گورنر کی رہائش تھی، گلیاں سیدھی اور کشادہ تھیں بازار کشادہ تھے اور پبلک باغات کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

ایرانیوں کے مسلسل حملوں اور ایرانی بادشاہ کے نئے منصوبوں کے خطرات کو مد نظر رکھ کر میسو پوٹیمیا کے عربوں نے خلیفہ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا تاکہ خلیفہ سے ایرانیوں کے قلع قمع کی اجازت مل جائے۔ حضرت عمرؓ نے وفد سے دریافت کیا۔ ایرانی فوجیں کیوں بار بار حملہ کرتی ہیں کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ مسلمان ذمیوں (غیر مسلم رعایا) سے برا سلوک کرتے ہیں اور وہ بار بار اپنے معاہدے توڑ کر ہمارے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ وفد کے ارکان نے جواب دیا کہ ان حملوں کا سبب ذمیوں سے کسی قسم کی بد سلوکی نہیں، کیونکہ ہم ان کے ساتھ دیانت اور انصاف کا سلوک کرتے ہیں اس پر خلیفہ نے کہا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے، کیا ایرانیوں میں ایک شخص بھی دیانتدار نہیں؟ جواب میں وفد کے لیڈر نے کہا۔

”امیرالمومنین آپ نے ہمیں مزید فتوحات سے روک دیا ہے لیکن ایرانیوں کا بادشاہ ان میں رہ کر انہیں بھڑکاتا رہتا ہے، دو حکمران ایک ساتھ نہیں رہ سکتے ایک کا دوسروں کو باہر نکال دینا ضروری ہے ہم نے ان کے ساتھ برا برتاؤ نہیں کیا لیکن ان کے بادشاہ نے انہیں اکسایا ہے کہ وہ ہمارے خلاف بغاوت کریں، حالانکہ وہ ہماری اطاعت قبول کر چکے ہیں، بغاوت کا یہ سلسلہ یونہی رہے گا، جب تک کہ آپ ہماری اس بندش کو دور نہیں کرتے جس کی وجہ سے ہم ان کے ملک کے اندر داخل نہیں ہو سکتے، ہم صرف اسی صورت میں ان کے بادشاہ کو باہر نکال سکتے ہیں۔ اور صرف اسی صورت میں ان کی امیدوں پر پانی پھیرا جاسکتا ہے۔“

وفد کے لیڈر کے ان خیالات کی تائید ہرمزان نے بھی کی تھی، ہرمزان جنگی قیدی کی

حیثیت میں مدینے میں لایا گیا، جہاں پہنچ کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اب یہ بات حضرت عمرؓ پر واضح ہو گئی کہ مشرق کی طرف فتوحات پر جو پابندی لگادی گئی ہے اسے ہٹا دینا چاہئے۔ ذاتی حفاظت کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ باقی نہیں تھا کہ ایرانی بادشاہت کو تباہ کر دیا جائے اور ایرانی بادشاہ کی ساری سلطنت پر قبضہ کر لیا جائے۔

ایرانیوں نے اپنے بادشاہ کی آواز پر لبیک کہا وہ صحرا نشینوں کے ساتھ آخری مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح سے تیار ہو گئے۔ وہ ان عربوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے، جنہوں نے ان کے بادشاہ کو اس کی راجدھانی سے نکال دیا تھا اور جنہوں نے اس کے بہترین صوبوں پر قبضہ کر لیا تھا اس آخری لڑائی کے لئے یزدجرد نے جو فوج جمع کی وہ تعداد کے لحاظ سے پہلی تمام افواج سے زیادہ تھی، ایرانیوں کی جنگی تیاری سے مدینے میں جوش و خروش پیدا ہو گیا اور خلیفہ نے سرحد کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ کمک بھیج دی نعمان جو جنوب میں ایرانی حملہ آوروں کی روک تھام کر رہا تھا عرب فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ البرز کے دامن میں نہاوند میں جو لڑائی ہوئی اس نے ایشیا کی تقدیر کا فیصلہ کر دیا یہ معرکہ فتح الفتوح کہلاتا ہے۔ عربوں اور ایرانیوں میں ایک اور چار کا عددی تناسب تھا۔ ایرانیوں نے شدید نقصان اٹھا کر شکست کھائی۔ ان کا بادشاہ جگہ جگہ بھاگتا پھرتا تھا۔ یہاں تک کہ دادا کی طرح اسے بھی اس کے اپنے ساتھی نے ترکستان کی دور دراز سرحد کے کسی گاؤں میں قتل کر دیا، ایران مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا، میسو پوٹیمیا کی طرح ایران میں بھی خلیفہ نے کسانوں کی زمینوں کو ان کی حفاظت میں دے دیا، کسانوں کو جاگیرداروں کے مظالم سے نجات دلائی گئی ان کے لئے مالیہ کی شرح پر نظر ثانی کی گئی، مالیہ کو جائز اصولوں پر مقرر کیا گیا۔ شکستہ بند مرمت کرائے گئے جاگیرداروں (دہقانوں) کی زمینوں پر ان کا قبضہ بحال رکھا گیا یہ قبضہ ایک مقررہ ٹیکس کے مطابق تھا۔ ہر شخص کو ذوق اور ضمیر کی آزادی تھی، مسلمانوں کو حکماً لوگوں کے دین میں مداخلت کرنے سے روک دیا گیا، جو لوگ اپنے پرانے دین پر قائم رہے، وہ ذمی کہلائے، تبدیلی دین کے لئے صرف ایک رغبت تھی، اگر اسے رغبت کہا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے لازم تھا کہ انہیں کسی وقت بھی فوجی خدمت کے لئے بلایا جاسکتا تھا، اور ان سے حکومت عشر (دسواں حصہ) وصول کرتی تھی۔ ذمی چونکہ فوجی خدمات سے بری تھے، اس لئے ان سے نسبتاً زیادہ ٹیکس وصول کیا جاتا تھا، لوگوں کی اکثریت نے بغیر ان طریقوں کے جنہیں آج کل کی بعض قومیں تبدیلی دین کے لئے استعمال کر رہی ہیں اسلام قبول کر لیا، ان نو مسلمان اور عرب آباد کاروں میں باہمی رشتہ ازدواج قائم ہو گیا، ایرانیوں کی

بہت سی تعداد کو عربوں کی قبائلی اخوت میں موالی کا نام دے کر شامل کر لیا گیا، ان لوگوں میں سے جنہوں نے خدمات جلیلہ سرانجام دیں، انہیں سرکاری رجسٹروں میں وظیفہ حاصل کرنے والوں کی فہرست میں درج کیا گیا، ایک مدت سے جیسا کہ سکندر مقدونی کے زمانہ میں بھی تھا، پروہت تکلیف اور خطرے کا سرچشمہ بنے ہوئے تھے، یہ پروہت پرانے دین پر قائم رہنے والے لوگوں کو عام طور پر بغاوت کرنے پر اکساتے رہتے تھے ان بغاوتوں کو دباتے وقت دونوں جانب سے زیادتیاں ہو جاتی تھیں۔ مگر مسلمانوں سے شاذ و نادر ہی ایسا ہوا کہ انہوں نے انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے چھوڑا ہو۔ عباسی خلیفوں کی دانش مندی اور مصالحانہ روش اور اسلام کی عمومی نشر و اشاعت نے اس سیاسی بے چینی کو ایک وقت پر ختم کر دیا۔

حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ ہوتے ہی عربوں کو رومیوں سے لڑنا پڑا اس زمانے میں میسوپوٹیمیا اور سکندریہ کے مغرب کا سارا علاقہ مشرقی رومی سلطنت کا مقبوضہ تھا، عراق کی طرح فلسطین اور شام میں عرب نسل کے لوگ آباد تھے صحرائے شام میں بھی عرب گھومتے رہتے تھے، ان علاقوں کے باشندے اسلامی حکومت کے آئینی حلقہ اثر میں آگئے، اسامہ کی تعزیری مہم نے شام کے عربوں کو مشتعل کر دیا تھا، جس کا نتیجہ قدرتی طور پر جوابی حملوں کی صورت میں ظاہر ہوا، اسی اثنا میں رومیوں نے سرحد کے قریب ہی بلقاء کے مقام پر بہت سی فوج جمع کر لی تھی، خلیفہ کے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ رومیوں کی سرکوبی کرتے اور قبائل کو اپنے تسلط میں لے آتے، یہ اقدام آپ کی سلطنت کے مفاد کے لئے ضروری تھا، آپ نے سپاہیوں کے لئے جو اپیل کی اس کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا، جوں ہی یہ سپاہی مدینے پہنچے، انہیں شمال کی طرف بھیج دیا گیا، میدان جنگ کا تھوڑا سا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عرب جغرافیہ دانوں کے مطابق فلسطین وہ علاقہ ہے جو اس خطہ کے جنوب میں ہے جو کوہ کارمل سے جھیل کیلیلی کے شمالی سرے تک کھینچا جائے، جو ہردن سے بحیرہ روم کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے فلسطین میں رومیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، قیصریہ سمندر کے کنارے رومیوں کا ایک مستحکم قلعہ تھا۔ اس کے علاوہ جریقو، یروشلم، غسقلان غزہ، اور یافہ میں بھی رومیوں کی قلعہ بند فوج موجود تھی، زغار (قدیم پستاپوس) کا ضلع اور وہ سارا علاقہ جو بحیرہ مرواد کے جنوب میں بحیرہ عرب تک پھیلا ہوا تھا، فلسطین کے تابع فرمان تھا، مندرجہ بالا خطہ کے شمال میں یرون کا صوبہ تھا جس میں سکندریہ اور صور کے قلعہ بند شہر تھے فلسطین کے شمال میں وہ خوبصورت اور دلکش ملک واقع تھا۔ جسے رومی قیصر کہا کرتے تھے عرب اس ملک کو بر الشام (بائیں طرف کا ملک) یا صرف شام کہتے تھے، اس ملک میں

دمشق، حص، حلب، انطاکیہ، وغیرہ مشہور تاریخی شہرواقع تھے ان سب شہروں کی حفاظت کے لئے ہر شہر میں رومیوں کی فوج موجود تھی، وادیِ اردن کے مشرق اور جھیل کیلیلی کے جنوب میں حوران کی سطوح مرتفع تھیں، حضرت ابوبکرؓ نے شام میں جو پہلی فوج بھیجی اسے شدید نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت ابوبکرؓ کے جوش و خروش میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوئی، آپ نے ازسرنو فوج کو مرتب کرنا شروع کیا، نئی فوج چار حصوں میں تقسیم ہوئی، ان چاروں فوجوں کے علیحدہ علیحدہ جرنیل تھے، جنہوں نے مختلف علاقوں میں اپنی سرگرمیوں کو جاری کرنا تھا، حمص کے ڈویژن کی کمان حلیم اور رحمہ ول ابو عبیدہ کے سپرد ہوئی، آپ کا ہیڈ کوارٹر جابیہ میں تھا، آپ کے ڈویژن میں مدینوں اور صحابیوں کی بڑی تعداد شامل تھی، فلسطین کے ڈویژن کی کمان عمرو بن العاص کے ہاتھ میں تھی، آپ مصر کی فتح اور حضرت علیؓ کا ساتھ دینے کے سبب مشہور ہیں، دمشق کو جو ڈویژن بھیجا گیا تھا، وہ یزید بن ابوسفیان کی کمان میں تھا، ابوسفیان اسلام کا دشمن تھا، لیکن اب یزید بن ابوسفیان اسلام کے علم تلے لڑ رہا تھا۔ یزید بن ابوسفیان کی فوج میں کئیوں اور تمامہ کے عربوں کی تعداد زیادہ تھی۔ یزید بن ابوسفیان کے ڈویژن میں مکہ کے کئی ایک ایسے مشہور اشخاص شامل تھے، جن میں سے بیشتر فتح مکہ سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ساتھ لڑ چکے تھے، اب شام کی مالِ غنیمت سے متاثر ہو کر انہوں نے رضا کاروں کی حیثیت سے یزید ابن ابوسفیان کے ڈویژن میں شمولیت اختیار کر لی تھی، کئیوں، مدینوں اور تماموں میں شدید اختلافات تھے ان اختلافات نے آگے چل کر نمایاں اور واضح صورت اختیار کر لی تھی، چوتھا ڈویژن جو وادیِ اردن کی طرف روانہ ہوا تھا، شرجیل کے ماتحت تھا۔ ابوسفیان کے دوسرے بیٹے معاویہ کے ماتحت جنہوں نے آگے چل کر خلافت پر قبضہ کیا تھا ایک ریزرو فوج تھی۔ عمرو بن العاص نے زبیرین فلسطین کی طرف بڑھ کر غزہ اور یروشلم کو ہراسان کر دیا، اسی اثناء میں ابو عبیدہ، شرجیل اور یزید نے ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے بصری اور دمشق کو گھیرے میں لے لیا، عرب جرنیلوں کے پاس جو فوج تھی اس کی مجموعی تعداد پینتیس ہزار تھی۔ یہ فوج اس سلطنت کی قوت اور ذرائع سے بہت کم تھی۔ جس کے خلاف عرب بڑا حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، قسطنطنیہ کی رومی سلطنت بہت سے صوبوں کے چھن جانے کے باوجود بہت بڑی تھی۔ اس کے ذرائع اس کی دولت اور اس کے سامان جنگ کا کوئی شمار نہیں تھا۔ اس سلطنت میں ایشیائے کوچک کا وسیع و غریب جزیرہ نما شامل تھا، یہ سلطنت تین سمندروں میں گھری ہوئی تھی، اس میں شام، قونیشیہ اور فلسطین کے بڑے بڑے سمندری

شہرت تھی، آس پاس کے ملکوں کا اناج گھر مصر کی ایک سلطنت کی حصہ تھا۔ ساحل مصر سے اوقیانوس کے کناروں تک کا سارا ساحلی علاقہ جو ایک زمانہ میں کارہیج اور سیرینیا کی مملکتوں کے لئے مشہور تھا اسی رومی سلطنت میں سلایا ہوا تھا۔

عربوں کے حملے کی روک تھام کے لئے ہرقل حمص پہنچ گیا، حمص میں سے اس نے چار فوجیں عرب جرنیلوں سے لڑنے کے لئے روانہ کیں، جب عربوں کو رومیوں کے ان ارادوں کا پتہ تو مسلمانوں کے چاروں جرنیلوں نے فوراً نامہ و پیام کے ذریعہ یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ سب کے سب اپنی اپنی فوجی طاقت کو ایک ہی مقام پر مرکوز کریں، چنانچہ مسلمانوں کے چاروں ڈویژن اپریل ۶۳۳ء میں جولان میں جمع ہو گئے، یہ مقام دریائے یرموک کے قریب تھا۔ اس پر رومیوں نے ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی۔ یرموک ایک غیر معروف دریا ہے جو حوران کی سطح مرتفع سے نکل کر جھیلی گیلیلی کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر یردن میں جاگرتا ہے دونوں دریاؤں کے مقام اتصال سے تیس میل اوپر دریائے یرموک نصف دائرے کی صورت میں ایک چکر کاٹتا ہے جس سے اتنا وسیع میدان بن جاتا ہے کہ اس میں ایک پوری فوج سما سکتی ہے۔ رومیوں نے اس مقام کو محفوظ خیال کرتے ہوئے یہاں ڈیرے ڈال دیئے۔ دونوں فوجیں دو ماہ تک آمنے سامنے پڑی رہیں، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو شام کی مہم پر بھیج دیا۔ صحرا کو عبور کرنے کے بعد خالد بن ولیدؓ عرب پہنچ گئے، رومیوں کو ان کے آنے کی اطلاع بعد میں ملی، ہرقل کی فوج میں دو لاکھ چالیس ہزار سپاہی تھے۔ عربوں کی فوج چالیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی آخر کار ۳۰ اگست ۶۳۳ء کو رومی فوج اپنے خیموں سے باہر نکلی دونوں فوجوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ یرموک کی اس لڑائی میں رومیوں کو شکست ہوئی۔ جنوبی شام پر عربوں کا قبضہ ہو گیا۔ تقریباً انہی دنوں حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا۔ آپ کے انتقال کی خبر یرموک کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے عرب کیمپ میں پہنچ چکی تھی، لیکن خالد بن ولیدؓ نے اسے جنگ جیت جانے کے بعد ظاہر کیا، حضرت عمرؓ نے خالد بن ولید کی جگہ ابو عبیدہ کو سالار اعظم مقرر کیا۔ خالد بن ولید نے ایک ماتحت کی حیثیت سے اپنی مہم کو پہلے ہی کی طرح جاری رکھا، ایک ایک کر کے عربوں نے شام کے شہروں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ حمص، دمشق، حلب اور دوسرے شہروں نے عرب فوجوں پر اپنے دروازے کھول دیئے، عرب فوج بڑھتے بڑھتے رومیوں کی مشرقی راجدھانی اطاکیہ تک جا پہنچی، اس کی حفاظت کے لئے رومیوں کی ایک بہت بڑی فوج موجود تھی لیکن عربوں نے ایک مختصر سے محاصرے کے بعد اس شہر پر بھی قبضہ کر لیا، اسی اثنا میں عمرو بن

العاص رضی اللہ عنہ نے فلسطین میں تمایاں کامیابی حاصل کی، رومیوں نے فلسطین کو بچانے کے لئے ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی، جنگ اجنادین میں اس رومی فوج کو شکست دینے کے بعد عربوں نے یروشلم (بیت المقدس) کا محاصرہ کر لیا، چند دن بعد بیت المقدس کے بطریق نے پیغام بھیجا کہ وہ بیت المقدس کو خلیفہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے حوالے کرنے کو تیار نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطریق کی اس شرط کو مان لیا، آپ بغیر کسی شان و شوکت کے صرف ایک غلام کے ہمراہ مدینے سے بیت المقدس کی طرف روانہ ہو پڑے اور پھر بطریق کے ہمراہ بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں کے کلیسا میں اس لئے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا کہ مسلمان اسی بنا پر اس کلیسا کو اپنی عبادت گاہ نہ بنالیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے مکمل مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا۔

آرمینیا اور کروستان کے قبائل عراق پر حملے کرتے رہتے تھے، اس لئے ان دونوں ملکوں کو فتح کر لیا گیا، جنوری ۶۳۹ء میں رومیوں نے شام اور فلسطین پر پھر قبضہ بول دیا، رومیوں کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ تھی پھر بھی انہیں شکست ہوئی۔ رومیوں کی شکست کے بعد شام پر عربوں کا پوری طرح سے قبضہ ہو گیا۔ رومیوں نے اپنی سرحدوں کے بہت سے شہروں کو ویران کر دیا تاکہ اس سے عربوں کی روک تھام کر سکیں۔ لیکن رومیوں کی یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی، عرب فوجیں بحیرہ اسود کے کناروں تک پہنچ گئیں۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ چار ہزار سپاہیوں کو لے کر مصر میں داخل ہو گئے۔ تین ہفتوں کے اندر اندر عربوں نے بزنطینوں کو مصر سے نکال دیا، رومیوں نے اسکندریہ میں پناہ لی، عربوں نے اسے بھی فتح کر لیا، مصر کی فتح کے بعد عربوں نے مصر کے کسانوں کی حالت کو بہتر بنانے کی طرف توجہ کی، زمین کو کسانوں کے حوالے کر دیا گیا، آپاشی کے لئے اس نہر کو صاف کر لیا گیا جو بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم کو ملاتی تھی۔ صنعت اور تجارت کو فروغ ہونے لگا۔ یہ بات سراسر غلط ہے کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جلا دیا گیا تھا، یہ کتب خانے اسکندریہ میں عربوں کے داخل ہونے سے پہلے جو لیس سینر اور تھیوڈوس کے عہد میں جلا یا جا چکا تھا۔

۱۸ ہجری میں شمالی عرب اور شام میں طاعون اور قحط کی وجہ سے پچیس ہزار لوگ مر گئے۔ ایک مرتبہ پھر خلیفہ نے جن کی عمر اب ستر سال کی تھی ایک خادم کے ہمراہ شام کا سفر کیا، واپسی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سلطنت کے نظم و نسق میں بہت زیادہ مصروف ہو گئے۔ لیکن ایک قاتل کے حملے نے آپ کو شہید کر دیا۔



آپ کی شہادت سے اسلام کو بہت زیادہ نقصان ہوا۔ مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے آپ کی شخصیت نہایت موزوں تھی، آپ نے دیوان کے نام سے مالیات کا ایک محکمہ قائم کیا۔ صوبائی حکومتوں کے لئے دستور وضع کیا۔ آپ دراز قامت مضبوط اور خوب صورت تھے۔ سادگی اور کفایت شعاری آپ کا شیوہ تھا، رعایا کا معمولی سے معمولی شخص بھی آپ تک نہایت آسانی سے پہنچ سکتا تھا، آپ رات کے وقت بغیر کسی حفاظتی دستے کے لوگوں کی حالت سے آگاہ ہونے کے لئے مدینے کی گلیوں میں چکر کاٹتے، سبحان اللہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا حکمران کس قدر سادہ طبیعت تھا۔

(۱) یہ مصنف کی ذاتی رائے ہے۔ مصنف شیعہ تھا۔ اس لئے اس نے شیعہ نقطہ نظر سے یہ خیالات ظاہر کئے ہیں جو تاریخی واقعات کے منافی ہیں۔ مسئلہ خلافت پر ہر مؤرخ نے بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور وہ تمام تقریریں نقل کی ہیں جو تیسفہ بنوساعدہ میں ہوئیں۔ ان تقریروں پر غور کریں تو کہیں بھی یہ ثابت نہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کا فیصلہ کس کے حق میں کیا تھا۔ بلکہ آپ نے اس اہم مسئلہ کا فیصلہ رائے عامہ پر چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ تیسفہ بنوساعدہ میں مہاجرین و انصار نے حالات کے مطابق اس مسئلہ کے ہر پہلو پر غور کر کے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا۔ اس طرح ہر قسم کے فتنے اور فسادات پر جو مختلف گوشوں سے جھڑنگ رہے تھے خود بخود دب گئے۔

(۲) یہ معرکہ جسر کھلاتا ہے

(۳) وہ یزدگرد (یزدجرد) تھا وہی پران وخت کی جگہ ایران کا بادشاہ ہوا۔

(۴) یہ جرنیل شی ثقفی تھے۔ آپ نے جنگ جسر میں جو زخم کھائے تھے ان سے جانبر نہ ہو سکے جنگ بواب کے بعد فوت ہو گئے۔

(۵) رومیوں کے سیرا میں فلسطین کا بھی ایک حصہ شامل تھا۔

(۶) حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے آپ کو رسول اکرم ﷺ نے امین الامت کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

(۷) ابوسفیان بن حرب نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد وہ سارا خاندان ہر جماد میں شریک ہوتا رہا اور ہر موقع پر جان نثاری اور ایثار کے جوہر دکھاتا رہا۔ ان کے ہاتھوں بڑے بڑے کارنامے سرزد ہوئے۔ انہوں نے سچے مسلمانوں کی طرح ان جنگوں میں شرکت کی۔

(۸) یہ اتمام ہے انہوں نے مجاہد کی حیثیت سے ان جنگوں میں شرکت کی۔ مالِ غنیمت

شرکت جہاد کا موجب نہ تھا جن اختلافات کا ذکر مصنف نے کیا ہے اس وقت بالکل مقصود تھے۔  
 (۹) آپ کا قاتل ایک ایرانی غلام فیروز نامی تھا۔ اس کی کنیت ابو لولو تھی۔

## پانچواں باب

### خلافت راشدہ (۲)

حضرت عمرؓ نہایت آسانی سے حضرت علیؓ یا اپنے پاکباز بیٹے عبداللہ المعروف بہ ابن عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کر سکتے تھے، لیکن آپ نے اپنی مخصوص فراست کے پیش نظر خلیفہ کے انتخاب کو مدینہ کے چھ اکابر کے سپرد کر دیا آپ نے اپنے پیشرو کی مثال سے ہٹ کر جو نیا راستہ پیدا کیا۔ اس نے آگے چل کر بنو اُمیہ کے لئے سازشوں کا موقعہ پیدا کر دیا۔ اس وقت مدینہ میں بنو اُمیہ کی جماعت بڑی مضبوط تھی، بنو اُمیہ مدت سے بنو ہاشم اور آل رسولؐ کے مخالف چلے آتے تھے، بنو اُمیہ کو ان سے نفرت تھی، انہوں نے آنحضرتؐ کا بڑی تندی سے پیچھا کیا تھا۔ انہوں نے فتح مکہ کے بعد ذاتی مفاد کے پیش نظر اسلام قبول کر لیا تھا، انہوں نے اسلام کے عروج میں اپنی ذاتی ترقی کو پالیا تھا۔ وہ ان سابقوں کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جو خلافت کی مجلس مشاورت میں شریک تھے اور جو حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر متعین تھے، ان بزرگ ہستیوں کی پاک اور سادہ زندگیاں بنو اُمیہ کی خود غریبیوں اور جاہ طلبیوں کی راہ میں رکاوٹ تھیں، انہوں نے نہایت آسانی سے ان بدوی قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا جو رشتے میں ان سے ملتے تھے۔ ان کی سازش نے حضرت علیؓ کو خلافت سے دور رکھا۔ تین دن کی متواتر بحث اور تمحیص کے بعد منتخب کرنے والوں نے حضرت عثمانؓ ابن عفان کو خلیفہ مقرر کیا، آپ بنو اُمیہ میں سے تھے، حضرت عثمان اگرچہ پاکباز نیک دل اور دیانت دار تھے، لیکن آپ اتنے بوڑھے اور معمر تھے کہ آپ حکومت کے کاروبار کو نہیں سنبھال سکتے تھے، آپ بہت جلد اپنے خاندان کے اثر میں آگئے، حکومت کے سارے کام کاج میں آپ کو اپنے سیکرٹری مروان پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا بنو اُمیہ میں مروان سب سے زیادہ بے

اصول تھا، آنحضرت ﷺ نے مروان کو ایک مرتبہ عہد شکنی کرنے پر نکتے سے خارج کر دیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہوتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں ایک ایسی خاندانی لڑائی کا آغاز ہوا جو سو سال سے زیادہ مدت تک جاری رہی۔ آپ کے عہد میں صرف یہی واقعہ ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی نے اکثر عربوں کو متحد کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی نے ان عربوں کو منضبط کر دیا تھا۔ لیکن اب ان عربوں نے قریش کے غلبہ کے خلاف ابھرنا شروع کیا۔ عرب کے مختلف حصوں میں بغاوت کے بیج بوئے جانے لگے۔ پرانی رقابت کی آگ جو تقریباً ”بجھ چکی تھی“ پھر سے سلگنی شروع ہوئی۔ اس سے اسلام کو شدید نقصان پہنچا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ بیشتر عہدیداروں کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے نا تجربہ کار لوگوں کو مقرر کر دیا، آپ کے عہد حکومت کے ابتدائی چھ سال میں لوگ اگرچہ ان نئے عہدیداروں کی سختیوں تلے دبے ہوئے تھے، پھر بھی وہ خاموش رہے، عرب کے آس پاس کے صوبوں میں عربوں کو چونکہ مشترکہ دشمن کا سامنا تھا، اس لئے عربوں کی فوجیں ان علاقوں میں مصروف رہیں، ماورالنہر میں ترکوں کی شورش پلج کی فتح کا سبب بنی، عربوں نے اسی طرح ہرات، کابل اور غزنی کو فتح کیا، جنوبی ایران کی بغاوتوں کی وجہ سے کرمان اور سیستان پر قبضہ کر لیا۔ نئے مفتوحہ ملکوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی اختیار کی جاتی، ان ملکوں کے فتح ہوتے ہی ان ملکوں کی ترقی کے لئے تمام ذرائع صرف کر دیئے جاتے، نہریں کھدائی جاتیں، سڑکیں بنوائی جاتیں، میوے دار درخت لگوائے جاتے، پولیس کی تنظیم کے ذریعہ تجارت کو فروغ دیا جاتا۔ شمال کی طرف سے ہزنیشنی حملوں کے سبب عربوں کو بحیرہ اسود کے اس علاقے کی طرف بڑھنا پڑا، جسے آج کل ایشیائے کوچک کہا جاتا ہے، افریقہ میں طرابلس اور برقہ پر قبضہ ہوا۔ بحیرہ روم میں جزیرہ قبرض پر قبضہ کیا گیا، رومیوں نے مصر کے دوبارہ فتح کرنے کے لئے جو جنگی بیڑا روانہ کیا تھا اسے اسکندریہ کے قریب تباہ کر دیا گیا۔

جب دور دراز علاقوں میں اسلام کو اس طرح کامیابی نصیب ہو رہی تھی تو مدینے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرب قوم کی ذہنی ترقی کی بنیاد رکھی، مدینے کی مسجد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فلسفہ، منطق، تاریخ اور فقہ پر لیکچر دیتے۔ آپ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی مختلف علوم پر تقریریں کرتے تھے، مدینے میں اس علمی تحریک کی بنیاد رکھی گئی، جس نے آگے چل کر بغداد میں شاندار صورت اختیار کر لی۔

اسی اثنا میں بعض گورنروں کی ناروا سختیوں کی خبریں مدینے میں پہنچ رہی تھیں۔ آخر کار مختلف وفد اپنی اپنی شکایات لے کر مدینے پہنچ گئے۔ ان کی تسلی ہو جانے کے بعد وہ واپس چلے گئے، راہ میں انہوں نے مروان کا ایک خط دیکھ لیا، جس پر خلیفہ کی بھی مہر لگی ہوئی تھی اور جس میں صوبائی گورنروں کو یہ لکھا ہوا تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقے کے وفد کے سردار کو قتل کر دیں، اس پر وفد کے ارکان نے مدینے پہنچ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ مروان کو ارکان وفد کے حوالے کر دیں۔ بعض امویوں نے بھی اس مطالبہ کی حمایت کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا، اس پر ارکان وفد نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر میں محصور کر لیا، اس مصیبت کے گھڑی میں امویوں نے خلیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ شام کی طرف چل دیئے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کی۔ آخر کار وہ محاصرین دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گئے، انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر بیاسی سال تھی، آپ اپنی پاکیزہ سیرت کے سبب بہت مشہور تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۲۳ جون ۶۵۶ء کو حضرت علی رضی اللہ عنہ بغیر کسی مخالفت کے خلیفہ مقرر ہو گئے، آپ پچھلے تین خلیفوں کے عہد میں خلافت کی مجلس مشاورت کے ممتاز رکن تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جتنے بڑے بڑے انتظامی کام کئے تھے، ان سب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے شامل تھے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے سفر پر روانہ ہوئے تھے تو آپ نے مدینے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، خلیفہ منتخب ہوتے ہی آپ نے مسجد نبوی میں بیعت لی، بیعت لینے کے بعد آپ نے ان گورنروں کی معزولی کا حکم صادر کیا، جن کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں شکایات موصول ہو چکی تھیں، اس حکم سے وہ لوگ ناراض ہو گئے، جو اپنے عہدوں سے اپنی ذات کو فائدہ پہنچا رہے تھے بعض گورنروں نے اس حکم کو مان لیا اور بعض نے اس حکم کے خلاف بغاوت کر دی، شام کے گورنر معاویہ بن ابوسفیان نے بھی بغاوت کا علم بلند کیا۔ اسی اثنا میں طلحہ اور زبیر مکہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ گئے۔ جنگ جہل میں طلحہ اور زبیر کی موت کے بعد حضرت عائشہ کو پورے احترام کے ساتھ مدینے پہنچا دیا گیا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف توجہ کی۔ سفین میں لڑائی ہوئی۔ شامی فوج کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ عمرو بن العاص کے مشورہ پر شامی فوج نے اپنے نیزوں پر قرآن کے اوراق لٹکائے ہوئے الامان! الامان! کا نعرہ بلند کیا، لڑائی بند ہو گئی۔ سارا معاملہ ٹالٹوں کے سپرد کر دیا گیا،

حضرت علیؓ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری اور وائے شام کی طرف سے عمرو بن العاص ثالث مقرر کئے گئے، عمرو بن العاص نے بڑی ہوشیاری سے اپنا فیصلہ صادر کروالیا۔ اب حضرت علیؓ کو فہ کی طرف چل دیئے۔ وہ لوگ جو کل تک ثالث مقرر کئے جانے کے حق میں تھے اب حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے۔ انہوں نے بغاوت کر دی۔ اس بغاوت میں شامل ہونے والے خارجی کہلاتے ہیں۔ ۷۲ جنوری ۶۶۱ء میں جبکہ حضرت علیؓ کو فہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے شہید کر دیئے گئے۔

آپ کی شہادت پر خلافت راشدہ کا دور ختم ہوتا ہے۔

(۱) یہ مصنف کے ذاتی عقائد اور خیالات ہیں انہیں حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ جس فتنہ کی جانب وہ اشارہ کر رہے ہیں وہ حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے چھ برس بعد پیدا ہوا۔ خلیفہ کے انتخاب کے وقت حضرت عبدالرحمن بن عوف اور دیگر صحابہ نے پوری پوری غیر جانبداری سے کام لیا۔ ہر ممکن ذریعہ سے رائے عامہ دریافت کی اور اس کا احترام کیا چونکہ رائے عامہ حضرت عثمان کے ساتھ تھی اس لئے آپ خلیفہ ہو گئے۔

(۲) یہ فتنہ جس کا شکار ہو کر حضرت عثمانؓ شہید ہوئے ایک شخص عبداللہ بن سبا کا پیدا کیا ہوا تھا وہ یمن کا یہودی تھا۔ اس نے بظاہر اسلام قبول کیا اور باطن میں یہودی ہی رہا اور وہ بہت چالاک متفنی اور ہوشیار تھا۔ اس نے عام لوگوں میں اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر شہرت حاصل کی۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے مسلمانوں اور اسلامی سلطنت کو تباہ و برباد کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی۔ مصر، شام، بصرہ اور کوفہ کا سفر کر کے ساتھی پیدا کئے مگر مدینہ منورہ جو اسلام کا دل اور دنیائے اسلام کا مرکز تھا وہاں سے اسے فقط محمد بن ابوبکر اور محمد بن ابی حذیفہ کے سوا تیسرا ساتھی میسر نہ آیا۔ یہ بھی اس لئے اس کے ساتھ ہوئے کہ وہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح والی مصر سے لڑکر مدینہ منورہ آئے تھے وگرنہ تمام صحابی اس جماعت کی سرگرمیوں کو پسند نہ کرتے تھے۔

اس جماعت نے حضرت عثمانؓ پر الزام لگایا کہ وہ بنو امیہ کو بیت المال سے بڑی بڑی رقمیں دیتے ہیں۔ یہ الزام تحقیقات پر غلط ثابت ہوا۔ آپ بڑے صاحب ثروت تھے بیٹھار دولت کے مالک تھے۔ آپ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کی مدد اپنے ذاتی مال و دولت سے کی۔ آپ کا ابرکرم ابتدائے اسلام سے برس رہا تھا اور ہر موقع پر آپ کا مال مسلمانوں کے کام آیا۔ اگر آپ نے اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کی مدد کی تو آپ ایسا کرنے کا حق رکھتے تھے۔ ذاتی مال و دولت

آپ جہاں چاہتے صرف کر سکتے تھے۔ اس پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہ تھا۔ اس جماعت نے یہ الزام بھی لگایا اور اسے شہرت دی کہ آپ نے خلافت کے تمام بڑے بڑے عہدے قریش کو دے رکھے ہیں۔ حالانکہ اسلامی فتوحات میں نو مسلم بدوؤں اور غیر عرب قوموں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ یہ الزام بھی غلط تھا قریش میں سے فقط ان لوگوں کو عہدے ملے جو صاحبِ تدبیر و سیاست تھے حکومت کے اہل تھے اور اسلام کی خدمت میں اپنی عمر کا بیشتر حصہ صرف کر چکے تھے۔ ان کا قدیم الاسلام ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف صحابیت وہ امتیازی خوبیاں ہیں جو انہیں دوسروں سے ممتاز کر دیتی ہیں۔ محض بہادر ہونا ہی اہلیت کی دلیل نہیں علاوہ ازیں قریش میں سے جو لوگ قابل اور خاص لیاقت کے مالک تھے ان کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھایا گیا اور جس عہدے کے وہ لائق ہوتے انہیں دے دیا جاتا تھا۔ تیسرا الزام یہ تھا کہ آپ نے اپنے گورنروں کے خلاف شکایات سننا گوارا نہ کیں اور اگر شکایات آپ تک پہنچائی گئیں تو آپ نے ان پر کسی قسم کی کارروائی نہ کی اس کی وجہ یہ بتلاتے تھے کہ اکثر گورنر آپ کے رشتہ دار تھے۔ یہ الزام آپ کے آخری ایام خلافت کے متعلق تھا۔ جب اس الزام کے ہر پہلو پر غور کیا جاتا ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ الزام مسلمانوں کو خلافت اور خلیفہ سے بدگمان کرنے میں بغاوت کا جذبہ بددلی اور افتراق پیدا کرنے کے لئے تراشا گیا تھا۔ آپ نے ہمیشہ لوگوں کی شکایات کو گورنروں کے بارے میں سنا، ان کی تحقیقات کی اور معمولی معمولی شکایات پر انہیں تبدیل کیا۔ ولید بن عقبہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، سعید ابن العاص، ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص کو عوام کی معمولی معمولی شکایات پر تبدیل کیا۔ بلکہ ولید بن عقبہ پر اہل کوفہ نے شراب خوری کا الزام لگایا۔ گواہ اسے ثابت نہ کر سکے۔ پھر بھی شک کی بنا پر حضرت عثمان نے ان پر حد جاری کی۔

اس کے علاوہ آپ نے ۶۳۳ء میں اعلان کیا کہ اب کے حج کے موقعہ پر تمام گورنر حاضر ہوں اور وہ لوگ جنہیں ان کے خلاف کسی قسم کی شکایت ہو وہ بھی اس موقعہ پر آئیں تاکہ شکایات کا ازالہ موقعہ پر ہو مگر بار بار کے اعلان کے باوجود حج کے موقعہ پر کوئی حاضر نہ ہوا۔ جس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ کسی گورنروں کے خلاف شکایت نہ تھی۔ البتہ عبداللہ ابن سبا اور اس کی جماعت اس کی آڑ لے کر خلافت کو تباہ اور مسلمانوں میں افتراق پیدا کر کے انہیں برباد کرنا چاہتی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کبھی رشتہ داری کو عہدوں کی تقسیم کے وقت پیش نظر نہ رکھا۔ وہ لیاقت، قابلیت اور خدماتِ اسلام کی بنا پر عہدے تقسیم کیا کرتے تھے اور یہ بھی دیکھ لیتے تھے کہ وہ شخص اس عہدہ پر کامیاب بھی ہو گا یا نہیں۔ اگر آپ کے رشتہ داروں میں اہلیت ہو اور انہیں عہدے دے دیئے جائیں تو اس میں حضرت عثمان پر الزام لگا کر انہیں بدنام کرنا بے ایمانی اور

بددیانتی ہے۔ مگر سہائی جماعت اس پر تلی ہوئی تھی کہ حضرت عثمان ؓ سے خلافت چھین لے، نظامِ خلافت کو درہم برہم کر دے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جائز و ناجائز کی تمیز اڑادی، جھوٹ کو سچ کی جگہ دی۔

ابن سبائے نے یہ بھی تبلیغ کی کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے آنحضرت کے وصی حضرت علی کرم اللہ ہیں۔ خلافت ان کا حق ہے حضرت عثمان ؓ نے یہ حق غضب کر لیا ہے۔ یہ ان سے چھین کر حضرت علی ؓ کو دلانا چاہئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی اور کے حامی ہوں یا نہ ہوں کم از کم حضرت علی ؓ کے حامی اور سچ کے پیروکار تھے مگر جب یہ لوگ مدینہ سے رخصت ہو کر اپنے اپنے علاقوں کو واپس جاتے ہوئے دوبارہ ایک سوچی سمجھی ہوئی تجویز کے ماتحت جعلی خط کا بہانہ بنا کر واپس مدینہ آگئے تو حضرت علی ؓ نے انہیں ہرچند سمجھایا اور فتنہ انگیزی سے روکا اور واپس جانے کو کہا کیونکہ حضرت علی ؓ کو حضرت عثمان ؓ کی بے گناہی کا یقین ہو چکا تھا تو ان لوگوں نے آپ (حضرت علی ؓ) کا حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ مدینہ منورہ میں فتنہ و فساد پیدا کیا اور آخر کار حضرت عثمان ؓ کو شہید کر ہی دیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس گروہ کی غایت اولیٰ مسلمانوں کو برباد کرنا تھا۔ وہ اصلاح کے طالب نہ تھے نہ ہی وہ حضرت علی ؓ کے حامی اور خیر خواہ تھے وہ آپ کا نام محض اپنی مطلب برآری کے لئے استعمال کر رہے تھے ورنہ وہ ان کے بھی اتنے ہی دشمن تھے جتنے حضرت عثمان ؓ کے تھے۔

حضرت عثمان ؓ کی شہادت تاریخ اسلام کا ایک دردناک واقعہ ہے اس کی بدولت مسلمانوں کا اجتماعی نظام درہم برہم ہو گیا اور لامرکزیت نے اس کی جگہ لے لی اور ایک ایسے فتنے کا دروازہ کھل گیا جس کا اثر روز بروز بڑھتا گیا۔

حضرت عثمان ؓ کی شہادت اور مظلومی میں کسے شک و شبہ ہو سکتا ہے مگر حقیقت تو یوں ہے کہ اگر حلیم عثمانی کی بجائے صولت فاروقی کارفرما ہوتی تو حالات بالکل دگرگوں ہوتے۔ یہ فتنہ ابتدا میں ہی دب جاتا۔ اور عبداللہ بن سبا کی سازش اور اس کی ریشہ دو انیاں ہرگز کامیاب نہ ہوتیں۔ بد نفس عراقی، بد باطن مصری خلافت کے خلافت قدم اٹھانے کی جرأت نہ کرتے۔ حرمِ نبوی کی تقدیس و تحریم کا خیال کرتے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہونے کا خیال تک ذہن میں نہ لاتے۔

حضرت عثمان ؓ نے جان دے دی مگر فتنہ برپا ہونے کے اندیشہ سے ان بد باطن باغیوں کے خلاف تلواریں نکالنے کی اجازت نہ دی۔ حالانکہ ہر جان نثار بار بار عرض کرتا کہ ہمیں اجازت دیں تاکہ ہم انہیں بزورِ شمشیر یہاں سے بھگا دیں۔ مگر آپ نے حکم نہ دیا آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا



اور جس کے تصور سے آج بھی ہر انسان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور دل لرز جاتے ہیں۔  
 معصوم و مظلوم خلیفہ کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ ان کی نعش  
 مبارک دو دن تک بے گورو کفن پڑی رہی۔ تیسرے دن چند آدمیوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر  
 انہیں سپرد خاک کیا۔

## چھٹاباب

### خلافتِ راشدہ پر تبصرہ

مدینے میں آنحضرت ﷺ کی وہ سالہ زندگی میں باہمی لڑمرنے والے قبیلوں اور خاندانوں کو ایک بہت بڑے عقیدے کے ماتحت ایک قوم بنا دیا گیا تھا، اس تھوڑی سی مدت کا یہ کام تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لئے ایک حیرت انگیز کارنامے کی صورت میں ثبت رہے گا۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہدِ خلافت میں جن قبیلوں پر قابو پایا جا چکا تھا انہوں نے اپنی زندگی کی طرف پلٹ جانے کی کوشش کی، اس کے بعد ہم نیل کی طغیانی کا سماں دیکھتے رہے! لیکن جہاں کہیں یہ سیلاب گزر جاتا ہے وہ زمین کو شاداب اور سرسبز بنا دیتا ہے عربوں کے اس سیلاب نے جو زیادہ تر ہمسایہ قوموں کی دشمنی کی وجہ سے اٹھ پڑا تھا ملکوں اور قوموں پر اسی قسم کا اثر کیا، خلافتِ راشدہ کے تیس سالہ دور میں عربوں میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو گئی تھی، بڑے بڑے شہروں کو خوبصورت عمارتوں سے آراستہ کیا جاتا رہا، تن آسانی پیدا ہو رہی تھی۔ وہ نظام جو جزیرہ نما میں رائج تھا، اسے مفتوحہ ممالک میں بھی رائج کیا جا رہا تھا، ایرانی ترک اور یونانی جو مسلمان ہو جاتے تھے، وہ کسی نہ کسی عرب قبیلے یا خاندان کے حلیف (موالی) بن جاتے تھے اس طرح یہ موالی اپنی طاقت اور اپنے اقتدار میں اضافہ کر لیتے تھے، اگرچہ سب عربوں پر ایک مرکزی دینی عقیدہ غالب تھا، لیکن ان کی آمیزش نے کبھی مکمل صورت اختیار نہیں کی تھی اس لئے ہم خلافتِ راشدہ کے دور کے اختتام پر مملکت اسلام کو دو جماعتوں میں بٹا ہوا دیکھتے ہیں، آنحضرت ﷺ کے زمانے سے پہلے کے مکہ کی طرح ایک جماعت بنو ہاشم کی طرف دار تھی اور دوسری جماعت بنو ہاشم کے شدید دشمنوں بنو امیہ کی حامی تھی، عمرو بن العاص کے طرز عمل نے اسلام میں ناقابل تلافی شکاف پیدا کر دیا تھا، جس کا نتیجہ حمیریوں اور مضریوں کی صورت میں ظاہر ہوا، اسلام میں اس وقت مذہبی فرقہ بندی نہیں ہوئی تھی، خوارج بھی صرف بیعت کے مسئلہ میں اختلاف کرتے تھے، وہ حضرت عمرؓ کے بعد کسی خلیفہ کے قائل نہیں تھے۔

خلیفہ حکومت کا سب سے بڑا سردار ہوتا تھا، اس کی مدد کے لئے ایک مجلس مشاورت

تھی، جس کے ارکان صحابہ رسول میں سے تھے، اس مجلس مشاورت کے اجلاس مسجد نبوی میں ہوا کرتے تھے، مجلس مشاورت کو اکثر مدینے کے اکابر اور بدوی سرداروں کی اعانت حاصل ہوتی تھی، کئی ایک صحابیوں کے سپرد حکومت کے بڑے بڑے فرائض تھے، مثال کے طور پر حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں حضرت عمرؓ کے سپرد عدل اور زکوٰۃ کی تقسیم تھی، حضرت علیؓ کے سپرد مراسلت اور جنگی قیدیوں کی نگہداشت اور ان سے متعلق زر فدیہ کے کام تھے، ایک دوسرے صحابی فوجی سامان کی تیاری کے محکمہ کے نگران تھے، اسی طرح نظم و نسق کے ہر شعبہ کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی، لیکن کسی مسئلہ کا مشاورت کے بغیر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

خلافت راشدہ کے تیس سالہ دور حکومت کے اندر حضرت عمرؓ ہی کی حکمتِ عملی جاری تھی۔ یہ حکمتِ عملی حضرت عمرؓ کی زندگی کے بعد بھی قائم رہی۔ آپ کی حکمتِ عملی کا مقصد عربوں کو متحد کرنا اور عرب قبائل کو ایک قوم بنانا تھا۔ حالات سے مجبور ہو کر آپ نے غیر ملکی فتوحات کیں لیکن آپ کی یہ بہت بڑی خواہش تھی کہ غیر ملکوں میں مقیم ہو کر عرب اپنی قومیت کو نہ کھودیں اور وہ دوسرے ملکوں کے باشندوں میں مدغم نہ ہو جائیں۔ اگر حضرت عمرؓ چند سال اور زندہ رہتے تو آپ عربوں میں یکسانیت پیدا کر دیتے اور اس طرح آپ ان خانہ جنگیوں کا تدارک کر دیتے جنہوں نے بعد میں اسلام کو نقصان پہنچایا۔

آپ کی حکمتِ عملی کے بعض پہلو خاص توجہ کے قابل ہیں، آپ نے سب سے پہلے عرب سے تمام مخالف اور دشمن عناصر کو خارج کر دیا، اپنی مملکت کو خاص اسلامی مملکت بنانے کے لئے آپ نے اپنی سلطنت کو بڑھانے سے گریز کیا۔

آپ نے اس دوران دہلی کے پیش نظر جو آنے والے حکمرانوں میں مفقود تھی اپنی مملکت کے استحکام اور اسی کی ترقی کا انحصار زرعی طبقات پر رکھا، اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے مفقود ملکوں میں زرعی اراضی کی فروخت ممنوع قرار دے دی، صوبوں کو غیر ملکی عناصر کے اثرات سے بچانے کے لئے آپ نے مفقود ملکوں کی اراضی کی خرید کو عربوں کے لئے ممنوع قرار دیا، اس طرح کاشتکاروں اور زمینداروں کے حقوق محفوظ ہو گئے۔ ان قوانین کے بنانے میں غالباً آپ کا یہ منشا تھا کہ عربی نسل کو غیر عربوں کی آمیزش سے بچایا جائے، اس قسم کا منشا تاریخ کے قدیم اور جدید ادوار میں کوئی نیا نہیں ہے، آپ نے عربوں کو جو حقوق دیئے تھے، اس کا یہ منشا ہرگز نہیں تھا کہ رنگ، نسل یا قومیت، اخوت کی راہ میں حائل ہو سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی۔ بہت سے

غیر عرب قبیلوں کو عرب قبیلوں میں مدغم کر دیا" اس حکمت پر بعد میں آنے والے تقریباً تمام خلیفوں نے عمل کیا۔ اس طرح بہت سے ایرانی قبیلے اپنا مذہب تبدیل کئے بغیر عرب خاندانوں کے موالی بن گئے اسی طرح شام اور مصر کے بہت سے عیسائی قبائل اور افریقہ کے کئی ایک بربری قبائل عرب قبیلوں کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ اسلام کے بنیادی اصول ایسی جمہوریت پر مبنی ہیں جس میں سوشلزم کا ہلکا سا رنگ پایا جاتا ہے۔ امیر اور غریب سب لوگ اللہ کی نظر میں ایک ہیں اور حکمران لوگوں کو بد امنی سے بچانے کے لئے اللہ کے نائب ہیں۔ مملکت کا مالیہ خلیفہ کی دولت بردھانے پر صرف نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ عوام کی بہتری پر خرچ کیا جاتا تھا، امیروں سے زکوٰۃ اس لئے لی جاتی تھی تاکہ اس سے غریبوں کی امداد کی جائے، سخاوت اور صدقات کو بھی ایک آئینی صورت دی گئی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے ابتدائی ایام میں بیت المال کے لئے نہ کوئی سپاہ مقرر تھی اور نہ حساب کتاب کے لئے رجسٹروں کی ضرورت تھی، عشر (کسی چیز کا دسواں حصہ جو بطور محصول لیا جائے) کو براہ راست غریبوں میں بانٹ دیا جاتا ہے یا اسے ان فوجوں کی اسلحہ بندی پر صرف کیا جاتا تھا جو مملکت کی حفاظت کے لئے مقرر تھیں۔ مال غنیمت میں سب برابر کے شریک ہوتے تھے، جوان، بوڑھے، عورت، مرد غلام اور آزاد سب کے لئے مساوی حصہ ہوتا تھا، آگے چل کر جب یہ تقسیم قابو سے باہر ہو گئی تو ایک مقررہ روزینہ دیا جانے لگا، ایک درجہ وار شرح کے مطابق ساری قوم میں وظائف کی صورت میں مالیہ تقسیم ہونے لگا، یہ وظائف صرف مسلمانوں ہی کو نہیں ملتے تھے بلکہ بعض ذمیوں کو ان کی وفاداری اور ان کی خدمات کے صلے میں بھی ملتے تھے۔

اراضی کی ملکیت کی مزید تقسیم کو نہ آنحضرت ﷺ نے رائج کیا اور نہ ان کے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیونکہ اس تقسیم سے خاندان آخر کار محتاج ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے مواقع کی پیش بندی کے لئے مدینوں کی اراضی کو وقف کے ذریعہ مزید تقسیم سے بچایا گیا اور اسی مقصد کے پیش نظر مفتوحہ ملکوں کی پبلک اراضی سپاہیوں میں تقسیم کئے جانے کی نسبت مملکت بنائی گئی، اس کی آمدنی میں سے اخراجات منہا کرنے کے بعد باقی رقم ان لوگوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی جو اس کے حقدار ہوتے تھے۔

بد قسمتی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں اپنے جلیل القدر پیشروں کی حکمت عملی کے خلاف قدم اٹھایا، آپ نے نہ صرف ان قابل اور موزوں گورنروں کو ہٹا دیا جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا بلکہ اپنے اقارب کے مطالبات پورے کرنے کے لیے نئے

سرے سے عہدوں کی تقسیم کی، ریاست کی مملکت کو جو پبلک کی ملکیت تھی اپنے مشیروں کے کہنے پر اپنے قبیلے کے لوگوں میں بانٹ دیا، اس طرح امیر معاویہ نے سارے شام اور میسوپوٹیمیا کے تھوڑے حصہ کی پبلک اراضی پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح سواد کو جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکومت کے لئے محفوظ کر رکھا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلہ کے ایک خاندان کو دے دیا۔ بیت المال کو جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک قومی امانت تھی اپنے منظور نظر لوگوں کے لئے بارہا خالی کیا گیا۔ صوبوں کی دولت سے اموی مالدار بن گئے۔ اسی دولت نے انہیں سیاسی کش مکش میں امداد دی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مراعات کو واپس لے لیا اور ان کی جگہ ایسے قواعد نافذ کئے جو آپ کے پیشرووں سے بالکل مختلف تھے، آپ نے زمین کی فروخت کی اجازت دے دی، آپ نے سب سے پہلے فوجی جاگیریں قائم کیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ نظم و نسق سابقہ نظم کے نتائج کی خانہ جنگیوں کے باعث بے چینی میں گزرا۔ لیکن آپ نے جہاں کہیں آپ کا اختیار تھا بہت سے نئے مقرر شدہ گورنروں کو ہٹا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی اختیار کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کے دفتروں کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک محافظ خانہ بنوایا، آپ نے حاجب کا عہدہ قائم کیا، صاحب شرط کا نیا عہدہ بھی قائم کیا گیا، پولیس کے نئے سرے سے تنظیم کی گئی، ان کے فرائض منضبط کئے گئے۔

فتح مکہ اور جزیرہ نمائے عرب کے مطیع ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے تمام بڑے بڑے شہروں اور صوبوں کے لئے گورنر مقرر کئے جنہیں امیر کہا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس خطاب کو جاری رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام کے سیاسی نظم و نسق کا بانی کہا جاسکتا ہے۔ آپ نے مفتوحہ ممالک کو امارات میں تقسیم کیا تاکہ ان کے نائبین کو اس قابل بنایا جاسکے کہ وہ اپنے اپنے ملکوں کے ذرائع کو ان ملکوں کی بہتری کے لئے صرف کریں۔ ابواز اور بحرین کو ملا کر ایک صوبہ بنایا گیا، سیستان، مکران اور کرمان کو ملا کر ایک دوسرا صوبہ بنایا گیا۔ طبرستان اور خراسان علیحدہ علیحدہ صوبے رہے۔ جنوبی ایران تین گورنروں کے ماتحت تھا، عراق کے لئے دو گورنر مقرر تھے ایک کا صدر مقام کوفہ تھا، اور دوسرے کا بصرہ، اسی طرح شام کے بھی دو گورنر تھے۔ شمالی اضلاع کے گورنر کا صدر مقام حمص تھا اور جنوبی حصے کے والی کا صدر مقام دمشق تھا، فلسطین ایک علیحدہ گورنر کے ماتحت تھا، افریقہ میں تین گورنر تھے ایک صوبہ بالائی مصر تھا، دوسرا صوبہ مصر خاص تیسرا صوبہ صحرائے لیبیا کے پار کے علاقے پر مشتمل تھا۔ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا، چھوٹے چھوٹے صوبوں کے

گورنر والی یا نائب کہلاتے تھے، بہت سے مقامات پر گورنر نماز میں امامت کے فرائض سرانجام دیتا اور جمعہ کا خطبہ پڑھتا جو عام طور پر ایک سیاسی منشور ہوتا تھا۔ فلسطین، دمشق، حمص اور تیسرین کے لئے حضرت عمرؓ نے نماز پڑھانے اور عدل کرنے کے لئے خاص قاضی مقرر کئے تھے۔ مالیہ کے آمد و خرچ کے لئے آپ نے فنانس کا ایک محکمہ قائم کیا جو دیوان کہلاتا تھا، ہر صوبے کے مالیہ کے اخراجات کی پہلی مد اس صوبے کے نظم و نسق پر مشتمل تھی، دوسری مد فوجی خدمات تھی، زائد رقم قوم کی اعانت پر خرچ کی جاتی تھی، اس رقم میں مقررہ شرح کے مطابق ساری عرب قوم کے افراد اور ان کے موالی شریک ہوتے تھے، مفتوحہ ملکوں کے کسانوں کی حالت کو بہتر بنانے اور ان کی تجارت کو فروغ دینے پر خاص توجہ کی جاتی تھی، اس مقصد کے لئے مصر شام، عراق اور جنوبی ایران کے کھیتوں کی پیمائش کی گئی، نگان کو یکساں اصولوں پر مقرر کیا گیا، اس عظیم الشان پیمائش کے ریکارڈ سے ایک ایسی فہرست تیار ہو گئی جس نے ملکوں کا رقبہ، بیج پہنچانے کے علاوہ زمین کی خاصیت پیداوار کی ماہیت اور پٹے کی حیثیت وغیرہ کو بھی پیش کر دیا، بابل میں نہروں کا ایک جال بچھایا گیا، وجہ اور فرات کی پشتہ بندی، جسے ایرانی بادشاہوں نے نظر انداز کر دیا تھا، از سر نو کرائی گئی۔ اس کام کو خاص افسروں کے سپرد کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اناج پر محصول کی شرح کو کم کر دیا اور تجارت کو فروغ دیا۔ مصر اور عرب میں براہ راست آمدورفت میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے آپ نے اس غیر مستقل نہر کو دوبارہ کھدوایا جو دریائے نیل کو بحیرہ روم سے ملاتی تھی، عربوں نے اس نہر کا نام ”امیر المومنین کی نہر“ رکھا، یہ نہر ایک سال سے بھی کم مدت میں تیار کی گئی تھی۔ جب نیل کی کشتیاں، منبع اور جتہ کی بندرگاہوں پر اناج سے لدی ہوئی آئیں تو کتے اور مدینے کی منڈیوں کے بھاؤ گر گئے۔ اس اناج کی مشکل سے قیمت وصول ہو سکی جتنی مصر میں ہو سکتی تھی۔

عدل اور انصاف کے لئے جج مقرر تھے۔ ان ججوں کے لئے تنخواہیں مقرر کیں اور ان کے عہدوں کو انتظامی افسروں کی مداخلت سے الگ رکھا گیا۔ قاضیوں (ججوں) کے لئے حاکم کا خطاب بدستور قائم رہا۔

عدل اور انصاف کے پیش نظر سب برابر تھے، خلفاء نے اس برابری کا اس طرح ثبوت دیا کہ انہوں نے آئینی ججوں کے فیصلوں کو اپنی ذات کے متعلق بھی صحیح تسلیم کیا تھا، ابتداء میں پبلک ہی پولیس کے فرائض سرانجام دیتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے رات کو پہرہ دینے اور رات کو گشت کرنے والے دستے مقرر کئے۔ باقاعدہ پولیس حضرت علیؓ کے عہد میں مقرر

کی گئی۔ آپ نے ایک میونسپل گارڈ مقرر کیا جسے شرط کہا جاتا تھا۔ اس کا افسر اعلیٰ صاحب الشرط کہلاتا تھا۔ حضرت علیؑ کے مشورے سے حضرت عمرؓ نے سن ہجری جاری کیا۔ اور سلطنت کے ہر حصے میں مدرسے اور مسجدیں بنوائیں۔

سلطنت کا مالیہ تین ذرائع سے حاصل کیا جاتا تھا۔ پہلا ذریعہ عشر اور زکوٰۃ تھا۔ زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مسلمان سے اس کی آمدنی کے ذرائع کے مطابق ایک مقررہ شرح کے حساب سے وصول کی جاتی تھی۔ یہ رقم مملکت کے تحفظ پر خرچ کی جاتی تھی۔ اس رقم میں سے زکوٰۃ اور عشر جمع کرنے والوں کی تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں۔ نادار مسلمانوں کی امداد بھی اسی میں سے کی جاتی تھی۔ دوسرا ذریعہ محصول اراضی تھا جو ذمیوں (غیر مسلم رعایا) سے خراج کے نام پر وصول کیا جاتا تھا، تیسرا ذریعہ جزیہ (محصول فی کس) تھا خراج اور جزیہ دونوں محصول رومی سلطنت میں اسی نام سے موجود تھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ساسانیوں کے عہد میں ایرانی سلطنت میں جزیہ رائج تھا، ان ٹیکسوں کو مصر، شام، عراق اور ایران میں جاری کرنے میں مسلمانوں نے پرانے دستور پر عمل کیا، دونوں ٹیکس نرم اور جائز تھے، خاص خاص شہر صوبے اور قبیلے ان ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھے۔ جہاں کہیں ادائیگی ناگزیر تھی وہاں یہ قانون تھا کہ ٹیکس اس انداز میں لگایا جائے کہ اس سے تکلیف کا کم از کم امکان ہو۔ یہودیوں، عیسائیوں، سامریوں اور موبدیوں سے جنہیں اہل کتاب کہا گیا ہے انصاف اور انسانیت کا سلوک کیا جاتا۔

فوج کی تشکیل قبائل دستوں، مدینہ، طائف اور دوسرے شہروں کے رضاکاروں سے کی گئی تھی، انہیں پہلے عشر سے تنخواہ ملتی تھی لیکن بعد میں انہیں عشر اور محاصل سے تنخواہ ملنے لگی۔ شروع شروع میں خلیفہ سرف کمانڈر انچیف کو مقرر کرتے تھے، کمانڈر انچیف دوسرے فوجی افسروں کو مقرر کرتا تھا، چونکہ امیر الجیش خلیفہ کا نمائندہ ہوتا تھا، اس لئے وہ نماز پڑھاتا تھا۔ جہاں کہیں بہت سی فوجوں کو ملا دیا جاتا تھا وہاں ایک خاص جرنیل کو نماز پڑھانے کی ہدایت کی جاتی تھی۔ اس سے اس کے جنرل انچیف ہونے کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا تھا۔ اپنے نظم و نسق کے دور کے آخری دنوں میں حضرت عمرؓ نے چھوٹے چھوٹے افسروں کو بھی خود مقرر کرنا شروع کر دیا تھا۔ میدان جنگ میں ضبط توڑنے والے اور بزدلی دکھانے والے خطاکار کو لکڑی کے ٹکنبہ میں کس دیا جاتا تھا۔ اس کے سر پر سے پگڑی کو اتار لیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں یہ یہ سزائیں ذلت آمیز خیال کی جاتی تھیں اور بہت کاگر ثابت ہوتی تھیں۔ فوج سواروں اور پیادوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ سواروں کو ڈھالوں، تلواروں اور

لبے نیزوں سے مسلح کیا جاتا تھا۔ پیادے ڈھالوں، نیزوں اور تلواروں یا ڈھالوں، تیروں اور کمانوں سے مسلح ہوتے تھے، پیادوں سے آگے نیزہ بردار ہوتے تھے تاکہ سواروں کا مقابلہ کر سکیں، ان کے پیچھے تیرانداز ہوتے تھے۔ سواروں کو عام طور سے میمنہ اور میسرہ پر رکھا جاتا تھا، لڑائی کا آغاز چیلنج دینے اور فردا فردا لڑنے سے ہوتا تھا، عرب فوجوں کی برتری کا سبب ان کی تیز رفتاری، ثابت قدمی اور ان کی قوت برداشت تھی۔ ان صفات میں جوش و خروش کے مل جانے سے عرب فوجیں ناقابلِ تسخیر ہو گئیں۔ ان فوجوں کے پاس پورا پورا سامان ہوتا تھا، لبے لبے سفر اونٹوں پر کئے جاتے تھے۔ شروع شروع میں خیمہ زن فوج اپنے لئے کھجور کے پتوں سے جھونپڑے بناتی تھی لیکن بعد میں حضرت عمرؓ نے ہدایت کر دی تھی کہ مستقل چھاؤنیاں بنائی جائیں۔ اس سے عراق میں بصرہ اور کوفہ کی مصر میں فسطاط کی، افریقہ میں قبروان اور سندھ میں منصورہ کی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ دوسرے مقامات پر مثلاً "حمص، غازہ، اویسہ، اصفہان، اسکندریہ میں فوری حملوں کی روک تھام کے لئے دستے مقرر کئے گئے۔ سوار عام طور پر زرہ بکتر پہنتے تھے، ان کے سروں پر خود ہوتے تھے جنہیں عقاب کے پروں سے سجایا جاتا تھا۔ پیدل فوج کے سپاہی گھٹنوں کے نیچے تک ایک تنگ چغہ پہنتے تھے۔ وہ ایسی شلواریں، بوٹ اور جوتے پہنتے تھے جو آج بھی افغانوں اور پنجابیوں میں رائج ہیں۔ وہ میدان جنگ کی طرف مارچ کرتے ہوئے آیات قرآنی پڑھتے اور حملہ کرتے وقت اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے تھے۔ طبل اور نغارے بھی استعمال کئے جاتے تھے، عام طور پر قبائلی دستوں کے ساتھ ان کے کنبے بھی ہوتے تھے۔ چھاؤنیوں میں ان کنبوں کے لئے الگ کوارٹر بنائے جاتے تھے۔ بد اعمالی کو سختی سے روکا جاتا تھا۔ شراب پینے والے کو اتنی کوڑے لگائے جاتے تھے۔ غیر ملکوں میں لڑنے والے سپاہیوں کو ان کے گھر سے چار ماہ سے زیادہ باہر نہیں رکھا جاتا تھا، خلیفہ عمرؓ نے سپاہیوں کی حاضر شماری کو جاری کیا اور سرحدی قلعوں کو مضبوط کیا۔

ابتدا میں کسی قسم کا فن تعمیر نہیں تھا۔ مکے میں کعبے کی طرح بہت کم ایسی عمارتیں تھیں جن پر فن تعمیر کا اطلاق ہو سکتا تھا۔ دولت مندوں کے گھر پتھروں یا اینٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ مدینے میں زیادہ مکان اینٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ مسجد نبوی بھی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی، اس کی چھت پر گارے سے لپ کیا ہوا تھا، زیادہ تر ایک منزلہ مکان ہوتے تھے، ہر مکان میں ایک صحن اور صحن کے وسط میں ایک کنواں ہوتا تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے عہد کے آخری دنوں میں مدینے میں غیر ملکی معماروں کی کثیر تعداد کے آجانے سے دارالخلافہ



کے تعمیری ذوق میں اضافہ ہوا، مکے اور مدینے کے بڑے بڑے لوگوں نے پتھر اور سنگ مرمر کی عمارتیں بنوائیں، حضرت عثمان غنیؓ کے لئے ایک محل بنوایا گیا تھا وہ وسیع، جمیل اور شاندار تھا، مسجد نبوی کو نئے سرے سے اعلیٰ نمونے کے مطابق پتھر اور مرمر سے بنوایا گیا۔ مسعودی کے بیان کے مطابق حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں بعض صحابیوں نے اپنے لئے بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں، زبیر بن عوام کا مکان ۳۵۲ ہجری میں موجود تھا، مسعودی نے اس مکان کو خود دیکھا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق زبیر بن عوام کے مکان کو سوداگر کاروبار کے لئے استعمال کرتے تھے، زبیر بن عوام نے کوفے، فسطاط اور اسکندریہ میں بھی بڑے بڑے مکان بنوائے تھے، یہ مکان اور اس کے باغات مسعودی کے زمانے میں اچھی حالت میں موجود تھے۔ اس قسم کی شان و شوکت کے نشانات کا ذکر کرنے کے بعد یہی مورخ آہ سرد بھرتا ہوا کہتا ہے ”یہ سب کچھ کس قدر مختلف تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ کی شاندار سادگی سے۔“ مکہ کاروباری شہر تھا۔ مدینے کے رہنے والوں کی فراغت کا انحصار ان کے کھیتوں اور ان کی زمینوں پر تھا، ان حالات نے دونوں شہروں کی دیرینہ رقابت کو تیز تر کر دیا تھا، یہ ایتھنز اور اسپارٹا ہی کا پرانا قصہ تھا۔ مکے کے رہنے والے جو اکھیلے، شراب پیتے اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اہل مدینہ (خاص کر اسلامی دور میں) شریفانہ اور بااخلاق زندگی گزارتے تھے، فتح مکہ کے بعد اس عیش پسند شہر کے لوگوں نے اسلام کے سخت اخلاقی ضابطے پر عمل کرنا شروع کر دیا، یہ عمل اپنی پوری شدت کے ساتھ پہلے دو خلیفوں کے عہد میں جاری رہا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں بنو امیہ کے بعض نوجوانوں نے مکے کی زندگی کے عیش پرستانہ پہلو کو پھر سے اختیار کیا۔ بنو امیہ کے عہد میں مکے کے زندگی کا یہ پہلو دمشق میں اجاگر ہوا، مدینے کے لوگوں نے اپنی زندگیوں کو اور زیادہ سنجیدہ بنالیا تھا، مدرسوں کے کمرے شوقین طلبہ سے بھرے رہتے تھے، مرد اور عورتیں خلیفے کا خطبہ سننے کے لئے جمع ہوتی تھیں۔ موسیقی کو اس وقت تک ممنوع قرار نہیں دیا گیا تھا۔ دن بھر کے کام کاج کے بعد موسیقی عوام کے لئے تفریح کا سامان تھی، موسیقی میں راگ، بانسری اور تمارا شامل تھے، شمالی شہر کی عورتیں بہت اچھی گانے والی تھیں۔ نیک اور پاکباز عمرؓ شہر کا چکر کاٹتے ہوئے ان کا گانا سننے کے لئے رک جاتے تھے۔

آسودہ حال لوگوں کے گھروں میں فرش بچھا ہوتا تھا۔ میز، کرسی کا رواج نہیں تھا لیکن فرش کے اوپر کمرے کے ارد گرد عمدہ کھال بچھا دیتے تھے۔ اس پر صاحبِ خانہ اپنے مہمانوں کے ساتھ بیٹھتا تھا۔ انگلستان میں اینگلو سکسینوں ابتدائی نارمنوں کے زمانے کی طرح عورتوں

کے لئے الگ الگ کمرے تھے اور کھانوں کے سامنے ایک کپڑا بچھا کر اس پر کھانا جن دیا جاتا تھا۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے جاتے تھے، یہ رواج ازمہ وسطیٰ کے یورپ میں بھی تھا۔ ابھی تک چھری کانٹے کا رواج نہیں ہوا تھا جیسا کہ کچھ مدت پہلے یورپ میں بھی یہی دستور تھا۔ لوگ ہاتھ سے کھانا کھاتے تھے۔ اس امر کو انتہائی درجہ بدتمیزی خیال کیا جاتا تھا کہ طشتری میں تین سے زیادہ انگلیاں ڈالی جائیں۔

شیخ سے نچلے درجے کے بدوؤں کا لباس اس وقت بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ اب ہے۔ ایک لمبا کرتہ، جس کی آستین کلائیوں تک پڑتی تھی اور جسے کمر پر ایک چڑے کی بیٹی سے کسا ہوتا تھا، اب تک مردوں اور عورتوں کا یہی لباس چلا آتا تھا، کرتے کے اوپر ایک ڈھیلی ڈھالی عبا ہوتی تھی جو عام طور پر اونٹ کے بالوں سے بنی ہوتی تھی۔ لڑائی یا سواری کے دوران میں کرتے کے ساتھ پاجامہ پہنا جاتا تھا، اور سر پر ایک لمبا چوڑا رومال اوڑھ لیتے تھے جس پر کشیدہ کاری کی ہوتی تھی اور جس کے پھندنے گردن پر لٹکتے رہتے۔ اونٹ کی رسی سے اس رومال کو سر پر باندھا جاتا تھا۔

حضروں میں سے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں اور قبائلی شیوخ کا لباس شلوار یا پاجامہ کے اوپر گھٹنوں تک ایک لمبا کرتہ ہوتا تھا۔ اس کے اوپر ٹخنوں تک ایک کسا ہوا چغہ اور کمر کے ارد گرد ریشم یا شال کا ایک پٹکا ہوتا تھا۔ ان سب کے اوپر جبہ یا عبا ہوتی تھی، کسی ہوئی قبا جسے عربوں نے بعض اقوال کے مطابق بازنطینیوں سے لیا اور بعض اقوال کے مطابق انہوں نے اسے ایرانیوں سے لیا، خلافت کے آخری دنوں سے پہلے رائج نہیں ہوئی۔ قبادو قسم کی تھی ایک قسم کی قبا اینگلو سکسین نوابوں کے اس لمبے کوٹ سے ملتی جلتی تھی جس کی آستینیں ڈھیلی ڈھالی ہوتی تھیں۔ موجودہ زمانہ کے بعض ایرانی امرا اسے پہنتے ہیں، وہ اپنے سروں پر پگڑیاں باندھتے تھے جن کی لمبائی عمر، مرتبے اور فضیلت کے مطابق ہوتی تھی۔ پگڑی کے اوپر عام طور پر کندھوں تک چادر (ٹیلسنان) لٹکتی رہتی تھی تاکہ گردن کو دھوپ سے بچایا جاسکے۔ پاؤں میں سینڈل استعمال ہوتے تھے، یا بوٹ۔ عورتوں کا لباس ایک ڈھیلی ڈھالی شلوار اور ایک ایسے کرتے پر مشتمل ہوتا تھا جو گردن پر کھلا رہتا تھا اس کرتے کے اوپر خاص کر سردیوں میں ایک کسی ہوئی جیکٹ پہنی جاتی تھی۔ لیکن عام لباس اس طرح کا ایک لمبا کرتہ ہوتا تھا، جسے اینگلو سکسین خواتین پہنتی تھیں گھر سے باہر نکلتے وقت سب سے اوپر ایک ڈھیلی لبادہ پہنا جاتا تھا۔ جس سے چہرہ چھپانا اور کپڑوں کو گردوغبار اور کچھڑے سے بچانا مقصود ہوتا تھا، اسام سے قبل عورتوں کا لباس سینہ پر سے کھلا ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے لئے

لبادہ پہننے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم عباسیوں کے آخری دور میں دیکھتے ہیں کہ عورتیں اپنے سارے جسم کو چھپاتی تھیں۔ مصر اور دوسرے مسلم ملکوں کی عورتیں آج بھی اسی طرح مستور دکھائی دیتی ہیں۔

عربوں میں عورتوں کو مکمل آزادی تھی۔ یہ آزادی اب تک برقرار ہے۔ بہت سے مسلم ملکوں میں عورتوں کی جو علیحدگی پائی جاتی ہے وہ بعد میں رائج ہوئی۔ خلافت راشدہ کے عہد کے مسلمانوں میں عورتیں آزادی سے امور عامہ میں حصہ لیتی تھیں۔ خلیفوں کے خطبات سننی تھیں۔ حضرت علی، ابن عباس، جعفر اور دوسرے لوگوں کے خطبات سننے کے لئے بھی وہ جمع ہو جاتی تھیں۔ بازنطینیوں اور ایران کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے عربوں کی روایتی بہادری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اسلام سے قبل پرانے یہودیوں کی طرح عرب بھی کئی ایک شادیاں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قبائلی جنگوں میں مرد کثیر تعداد میں مارے جاتے تھے۔ اگر ایسی شادیوں کا دستور نہ ہوتا تو عورتیں بھوکی مر جاتیں۔ آنحضرت ﷺ نے نبویوں کی تعداد کی حد بندی کر کے کثرت ازدواج کو بلا واسطہ روک کر اس سوسائٹی کے تمام طبقوں کے لئے آسان بنایا۔ خلافت راشدہ کے عہد میں خانگی زندگی سراسر قبیلی نوعیت کی تھی۔ غلاموں کی خرید و فروخت بڑی شدت سے ممنوع قرار دی جا چکی تھی۔ صرف جنگی قیدیوں کو اس وقت تک اپنے قبضہ میں رکھا جاتا تھا جب تک کہ زبردیہ وصول نہ ہو جائے۔ جنگی قیدیوں اور لونڈیوں کو گھر کے افراد میں سے خیال کیا جاتا تھا۔

(۱) یہ اہتمام ہے ہم اس کے متعلق ایک شدہ پیشترازیں سپرد قلم کر چکے ہیں۔

(۲) اس خاندان کی بنیاد اروشیریاکان نے رکھی اور یزگرد پر اس کا خاتمہ ہو گیا گویا ۳۳۹ء تک

یہ خاندان ایران پر حکمران رہا۔

## ساتواں باب

### بنو اُمیہ

کوفہ کے لوگوں نے حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو متفقہ طور پر خلیفہ منتخب کیا۔ لیکن متلون مزاج لوگوں کی بے اصولی نے جو اس سے پہلے باپ کی امیدوں کو پاش پاش کر چکی تھی، اب بیٹے کو دست برداری پر مجبور کر دیا۔ آپ نے ابھی خلافت کی ذمہ داریوں کو سنبھالا ہی تھا کہ امیر معاویہؓ نے عراق پر حملہ کر دیا۔ آپ ابھی اپنی قوت کو مجتمع بھی نہیں کرنے پائے تھے اور ابھی تک آپ نے ان حالات پر جو آپ کے والد کی وفات کے بعد پیدا ہو چکے تھے پوری طرح قابو نہیں پایا تھا کہ آپ کو لڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ آپ نے اپنے ایک جرنیل قیس کو شامی فوج کو روکنے کے لئے روانہ کیا اور خود مدائن چلے گئے۔ قیس کی شکست اور اس کی موت کی جھوٹی افواہ سے مدائن کے سپاہیوں نے بغاوت کر دی۔ باغی سپاہی آپ کے خیمہ میں گھس گئے۔ انہوں نے آپ کے اثاثہ کو لوٹ لیا۔ باغی سپاہی آپ کو گرفتار کر کے معاویہ کے سپرد کرنے کی فکر میں تھے۔ ہر طرف سے مایوس ہونے پر حضرت حسنؓ کوفہ واپس چلے گئے۔ آپ نے پورا ارادہ کر لیا تھا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں گے۔ اپنے عراقی حامیوں کی بد اعتمادی کے پیش نظر آپ نے معاویہ کی طرف سے پیش کردہ تجویزوں پر غور کرنا چاہا۔ گفت و شنید کا یہ نتیجہ نکلا کہ خلافت کو حضرت معاویہ (ان کی زندگی تک) کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ کی موت کے بعد حضرت حسینؓ کو خلافت کا وارث مقرر کیا گیا۔ خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد حضرت حسنؓ افراد خاندان کے ساتھ مدینے چلے گئے، لیکن آپ وہاں پہنچ کر زیادہ دیر تک وظیفہ حاصل نہ کر سکے، کیونکہ آپ کو زہر دے دیا گیا۔

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ اسلام کے حقیقی حکمران بن گئے۔ بنو اُمیہ کی تخت نشینی سے نہ صرف خاندانی تبدیلی ہوئی بلکہ اس کے ذریعہ ایک اصول کی شکست ہوئی اور چند ایسے نئے عناصر پیدا ہو گئے جنہوں نے آگے چل کر، جیسا کہ ہم دیکھیں گے، سلطنت کی تقدیر اور قوم کی ترقی پر بہت زیادہ اثر ڈالا، ان حالات کو سمجھنے اور تاریخ کی رفتار کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ مختلف عرب قبیلوں کے باہمی تعلقات کا مختصر طور پر

ذکر کر دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، عرب میں رہنے والے لوگ دو جداگانہ نسلوں میں بٹے ہوئے تھے، ایک جماعت اپنے آپ کو قحطان کی نسل سے بتاتی تھی اور دوسری جماعت اپنے آپ کو حضرت اسمعیل علیہ السلام سے بتاتی تھی۔ قحطان کا وطن یمن تھا اور موخرالذکر کا مرکز حجاز میں تھا۔ عبدالشمس کا ایک بیٹا حمیر قحطانیوں کا ایک مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر اسی کی نسبت سے قحطان بنو حمیر کہلانے لگے۔ عرب مورخ انہیں یمنی کہتے ہیں۔ آئندہ صفحات میں میں کبھی انہیں حمیر کہوں گا اور کبھی انہیں یمنی کے نام سے یاد کروں گا۔ وہ قبیلہ جو مارب یا سبا کے آس پاس رہتا تھا بنو ازد کہلاتا تھا۔ دوسری صدی عیسوی میں اس قبیلے نے شمال کا رخ کیا جس کی وجہ سے کئی ایک قبیلوں کو اپنا اپنا مقام چھوڑنا پڑا، اتفاقی طور پر بنو ازد کا ایک حصہ مکہ کے قریب آباد ہو گیا تھا، جہاں یہ قبیلہ خزہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ یہ قبیلہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اسی مقام پر آباد تھا۔ اسی قبیلے کی ایک شاخ نے یثرب کا رخ کیا یہاں ایک زمانہ گزرنے پر یہ قبیلہ بنو اوس اور بنو خزرج میں بٹ گیا۔ ان دونوں قبیلوں کا ہم اس سے پیشتر ذکر کر چکے ہیں، اس قبیلے کے دوسرے لوگ شام اور عراق میں گھومتے رہے۔ ان میں سے جو شام کی جانب آباد ہوئے بنو غسان کہلائے اور جو عراق کی جانب آباد ہوئے وہ بنو کعب کہلائے۔ اسی قبیلہ کی ایک شاخ ہمدان میں جاہلی اور ایک بڑا گروہ مشرق کی طرف گھوم کر خلیج فارس کے کناروں پر عمان میں آباد ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بنو قحطان کے عربوں کی یہ حالت تھی۔

عرب کے اسمعیل قبائل بعض دفعہ بنو معد کہلاتے ہیں۔ لیکن عام طور پر انہیں بنو مضر یا صرف مضر ہی کہا جاتا تھا۔ مضر معد کا پوتا تھا۔ میں آئندہ صفحات میں انہیں بنو مضر یا مضر ہی کے نام سے ذکر کروں گا۔ اگرچہ عرب کی تاریخ میں یہ عمومی تقسیم چھوٹے چھوٹے قبائلی ناموں مثلاً "بنو قریش، بنو قیس، بنو بکر، بنو تغلب اور بنو تمیم میں بدل جاتی ہے۔ قریش جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں مکہ اور اس کے مضافات میں آباد تھے، دوسرے قبائل حجاز (مدینہ کے سوا) اور وسطی عرب میں پھیلے ہوئے تھے۔ عربوں کی ان دو نسلوں یعنی حمیری اور مضر ہی میں مدتوں سے دشمنی چلی آتی تھی۔ یہ دشمنی نفرت کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ عناد اور نفرت کے یہ جذبات ہر اس شخص کی سمجھ سے باہر ہوں گے جو انہیں یورپی تاریخ کے نقطہ نگاہ سے دیکھے گا۔

آنحضرت ﷺ سے صدیوں پہلے بنو حمیر کی زبان جو سامی اور رسی محاورات کی آمیزش

سے بنی تھی خالص عربی زبان کو جگہ دے چکی تھی۔ یہ زبان بنو مضر کی تھی جس نے دوسری زبانوں سے فوقیت اختیار کر لی تھی، معمولی اختلاف کے ساتھ سارے جزیرہ نما کی زبان مشترک تھی۔ ان کے عادات و اطوار، ان کے خیالات اور ذوق میں یکسانیت تھی، لیکن اس کے باوجود دونوں نسلوں میں واضح اور بین اختلافات موجود تھے، ان اختلافات کے اسباب کو سمجھنا بہت اہم ہے۔ اسلام سے صدیوں پہلے حمیری تہذیب کے بلند مدارج تک پہنچ چکے تھے، وہ جہاں کہیں بھی آباد تھے ان کی وہاں ایک خاص قسم کی طرز حکومت ہوتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حکومت پرانے طرز کی ہوتی تھی؛ تاہم ان کی شہری زندگی کا زیادہ دارومدار کھیتی باڑی پر تھا۔ اس کے برعکس مضری سوائے قریش کے بدوی اور خانہ بدوش تھے۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے الگ ہوتا تھا، ہر قبیلہ عام انتخاب میں اپنے سردار کو چنتا تھا۔ اس تقسیم کی وجہ سے حمیری بادشاہوں نے انہیں اپنا مطیع کر لیا تھا۔ باوجود مسلسل اور متواتر لڑائیوں کے وہ پانچویں صدی عیسوی تک بادشاہوں کو خراج دیتے رہے۔ حمیر اور مضر میں ایک طرف سے غلبہ رکھنے کے لئے اور دوسری طرف سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ایک کش مکش جاری ہو گئی۔ دونوں میں بے حد حسد پیدا ہو گیا۔ اس مخالفت کو ان شاعروں نے زندہ رکھا جو ان ایام کے گیت گاتے تھے جب کہ کندہ نے تمیم کو لوٹا تھا اور جب بنو قیس نے بنو ازد پر حملہ بولا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات نے اس قبائلی نفرت اور شاعروں کے اثر و رسوخ کو زائل کر دیا تھا۔ اگر آنحضرت ﷺ تھوڑی مدت کے لئے اور اس دنیا میں زندہ رہتے تو آپ کی تعلیمات اور پاکیزہ ہستی ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے قبائل کو ایک ہم آہنگ قوم میں بدل دیتی، عربوں کے خون میں صدیوں سے قبائلی عصبیت چلی آتی تھی۔ اس عصبیت کو ختم کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی حیات مبارک کے مدنی ایام تھوڑے تھے، مدینہ میں یہ عصبیت مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو فتوحات ہوئیں ان کے سبب مختلف عرب قبائل دنیا کے مختلف گوشوں میں جا بسے۔ بنو مغیرہ بصرہ میں آباد ہوئے اور بنو حمیر زیادہ تر کوفہ میں جا بسے، فلسطین اور صوبہ دمشق میں مغیر کی اکثریت تھی۔ شمالی عرب کی طرح شام کے شمالی حصہ میں حمیر کا غلبہ تھا، مشرقی صوبوں میں مضر اور افریقہ کی طرح دونوں قبیلے برابر آباد ہوئے۔ یہ قبیلے جہاں کہیں گئے وہ پرانی قبائلی نفرت کو اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت عمر اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس قبائلی عصبیت کو بڑی سختی سے دبایا گیا۔ اس دور میں عرب جس مقصد کی تکمیل میں مصروف تھے اس کے پیش نظر اس عصبیت کے احواء کی بہت

کم گنجائش تھی۔ اگر حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ کو پرامن طریق پر آپ کے جانشین ہونے کا موقعہ ملتا تو اس امر کا امکان تھا کہ دونوں قبیلے ایک قوم میں مدغم ہو جاتے لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں بنو اُمیہ نے اپنے مفاد کے لئے عصبیت کی اس بجھتی ہوئی آگ کو دوبارہ ہوادیٰ یہاں تک کہ اس نے ایسے شعلوں کی صورت اختیار کر لی جنہوں نے سپین، سسلی، افریقہ، خراسان اور کابل میں یکساں طور پر آگ لگادی، یہ نفرت اس کے پھیلانے والوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی اس نے عرب قوم پر دُور رس نتائج چھوڑے۔ اس نفاق کا اثر ان رومی اور المانوی اقوام پر بھی ہوا، جن کا عربوں سے واسطہ پڑا۔ اس نا اتفاقی نے عربوں کی فتوحات کے سلسلے کو عین اس وقت روک دیا جبکہ یورپ ان کے قدموں پر تھا۔ اسی نا اتفاقی کی بدولت عربوں نے اپنی سلطنت کا ایک وسیع حصہ کھو دیا۔

حضرت معاویہؓ زیادہ تر بنو حمیر کی حمایت کے طلبگار تھے لیکن وہ اتنے بڑے مدبر تھے کہ انہوں نے دونوں قبیلوں میں توازن قائم رکھا اور ایک قبیلے کو دوسرے کی حق تلفی کرنے سے روک رکھا، آپ کے جانشینوں کے عہدِ حکومت میں جو فریق بھی برسرِ اقتدار آتا وہ اپنے مخالف فریق پر ہر طرح کے مظالم توڑتا۔ لیکن بنو اُمیہ نے اپنے سردار کی اطاعت سے کبھی انحراف نہیں کیا۔ نیز شام کے تنخواہ دار سپاہیوں پر معاویہ اور ان کے خاندان کی قوت کا ہمیشہ انحصار رہا۔ زیادہ غور اور فکر کرنے والے لوگ سیاسی معاملات سے کنارہ کش ہو گئے، وہ ادبی سرگرمیوں، اسلامی فقہ اور دینی فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔ اسی عہد میں اسلامی فقہ کے اصولوں کی بنیاد رکھی گئی وہ حکومت اور سلطنت کے نظم و نسق میں حصہ لینے کی جگہ اشاعتِ اسلام میں مصروف ہو گئے۔ جس جماعت نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی تھی وہ وسط ایشیا کہ دشوار گزار اور دوسرے دور افتادہ علاقوں میں چلی گئی تھی، ان علاقوں میں انہوں نے اپنے عقائد کی اشاعت کی۔ ان کی سرگرمیوں نے انہیں حکومت دمشق کا شدید دشمن بنا دیا تھا۔ انہوں نے امیر معاویہ کے خلاف بغاوت کی اور کلدہ پر حملہ کیا۔ عراق کو خطرہ پیدا ہوا اور وہ شکست کھا کر اپنے صحرائی اور دوسرے دور افتادہ مرکزوں کی طرف بھاگ نکلے۔

حضرت معاویہ نے دمشق کے تخت پر بیٹھنے کے بعد اپنی توجہ افریقہ کی طرف مبذول کی۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ عربوں کے نزدیک افریقہ سے مراد مصر سے پرے شمالی افریقہ کے علاقے ہوتے تھے۔ یہ وسیع خطہ تین حصوں میں منقسم تھا، مغرب الاقصیٰ جو اوقیانوس کے کناروں سے صحرا کے جنوبی جانب پھیلا ہوا تھا، مغرب الاقصیٰ میں وہ علاقہ شامل

تھا جو اور ان اور بوجیا کے درمیان واقع تھا، خاص افریقہ میں وہ علاقہ شامل تھا جو موجودہ الجیریا کی مشرقی سرحدوں سے شروع ہو کر مصر کی سرحد پر ختم ہوتا تھا۔ صحرائے لیبیا کے مغرب اور سوڈان کے شمال میں واقع شمالی افریقہ میں سامی نسل کے لوگ آباد تھے کہ وہ عربوں کی دو بڑی شاخوں کی نسل میں سے ہیں۔ وہ جفاکش اور بہادر تھے۔ ان میں آزادی کا جذبہ اتنا ہی تھا جتنا عربوں میں۔ اس صوبے پر عربوں نے پہلا حملہ حضرت عمرؓ کے عہد میں کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں عرب فوجیں برقہ تک پہنچ گئی تھیں۔ عربوں نے باز نطین کے گورنر گوریس کو کارہج کے قریب ایک مشہور لڑائی میں شکست دی تھی، رومیوں نے عربوں کو خراج دینے کا اقرار کر لیا۔ اس پر عربوں نے رزالہ اور برقہ میں چند دستے متعین کر دیئے اور باقی فوج پیچھے ہٹالی۔ جن علاقوں کو عرب فوجوں نے خالی کیا تھا ان پر رومی گورنروں نے دوبارہ قبضہ کر لیا، لیکن انہوں نے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کے ساتھ اتنا شدید اور ناروا سلوک کیا کہ تھوڑی مدت بعد خود ان علاقوں کے باشندوں نے عربوں کو دعوت دی کہ وہ انہیں باز نطین غلامی سے نجات دلائیں۔ حضرت معاویہ نے ان کی اس دعوت کو قبول کر لیا اور مشہور و معروف عقبہ بن نافع ایک فوج لے کر افریقہ میں داخل ہوا۔ ہر قسم کی مزاحمت پر قابو پایا گیا سارا علاقہ عربوں کا مطیع ہو گیا۔

۵۰ء میں عقبہ نے قیرون کی مشہور چھاؤنی آباد کی، یہ چھاؤنی تونس کے جنوب میں تھی۔ اس چھاؤنی کا مقصد یہ تھا کہ قابو سے باہر بربریوں پر قابو پایا جائے اور رومیوں کے سمندری حملوں کی روک تھام کی جائے اس جنگل کو جس میں اس وقت تک جنگلی جانور اور حشرات آباد تھے ہموار کر دیا گیا اور اس قطعہ پر وہ خوبصورت شہر بسایا گیا جس کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ اس وقت مغرب (موجودہ مراکو) پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ بربریوں کی مدد سے رومی افریقہ پر ہلہ بول دیتے تھے۔ ۵۵ھ میں عقبہ نے مغرب کی طرف اقدام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے پہلے ہی شہروں نے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ رومی اور یونانی عقبہ کی فوج کے بازوؤں پر حملے کرتے اور منتشر عرب سپاہیوں کو قتل کر دیتے۔ انہوں نے عقبہ بن نافع کی راہ کو مسدود کرنے کی ہر امکانی کوشش کی، لیکن عقبہ انہیں چیرتا ہوا اوقیانوس کے ساحلوں تک جا پہنچا۔ پانی کے اس وسیع پھیلاؤ کو دیکھ کر وہ مایوس ہوا کیونکہ پانی نے اس کی فتوحات کو روک دیا تھا اس نے اپنے گھوڑے کو سمندر کی لہروں میں ڈال دیا۔ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر اس نے کہا ”اے خدائے بزرگ و برتر! اگر سمندر راستے میں حائل نہ ہوتا تو میں تیرے نام کی عظمت پھیلانے اور تیرے دشمنوں کو ختم کرنے کے



لئے اس سے بھی دور دراز ملکوں کی طرف بڑھے چلا جاتا۔“

عقبہ کی شاندار یلغار اور رومیوں اور بربریوں کی شکستوں کی وجہ سے اس علاقے میں کئی سال تک امن قائم رہا، عقبہ ماسوا ایک تھوڑی سی مدت کے جبکہ اسے دمشق جانا پڑا اپنی موت یعنی ۶۵ھ تک افریقہ کا گورنر رہا، اس سال بربریوں کے غول پہاڑوں اور اطلس کی وادی سے نکل کر ان مٹھی بھر عربوں پر ٹوٹ پڑے جو قیروان میں مقیم تھے۔ کسی قوم یا نسل نے اتنی بہادری کا ثبوت نہیں دیا جتنا کہ عربوں نے شمالی افریقہ کی جنگجو قوموں سے لڑتے وقت دیا۔ چھوٹی سی فوج کے ساتھ عربوں نے ایک وسیع علاقہ پر قبضہ کر لیا جہاں کے رہنے والے ہندوستان کے رہنے والوں کی طرح امن پسند نہیں تھے بلکہ وہ لڑائیوں اور جنگوں کے عادی تھے بربروں نے راجدھانی کا محاصرہ کر لیا، عقبہ محصور حالت میں مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اپنی تلوار کی نیام توڑ دی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ یا جیت جائے گا یا مرجائے گا۔ عقبہ حاضرین کی فوج میں کود پڑا اور لڑتا لڑتا مارا گیا، عقبہ کے ساتھ اس کے بہت سے سپاہی کام آئے۔ چند سپاہیوں نے مصر کی راہ لی۔ قیروان پر بربریوں کا قبضہ ہو گیا ایسا دکھائی دیتا تھا کہ افریقہ اور مغرب میں عربوں کا غلبہ ختم ہو چکا تھا۔

جب عقبہ مغرب میں مصروف تھا مہلب نے سندھ اور دریائے سندھ کی زیریں وادی کو فتح کیا۔ اسی زمانہ میں مشرقی افغانستان کو مطیع کیا گیا۔ رومیوں نے مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانے کے لئے سرحدوں پر کئی مرتبہ حملے کئے تھے، رومیوں کو کئی بار لڑائیوں میں شکستیں ہوئیں۔ عرب فوجوں نے کیسا دوشیہ میں جاڑا بسر کیا۔ عربوں کے بیڑے نے رومی بیڑے کو بھگا دیا۔ یونان کی ٹاپو منڈل کے بہت سے جزیروں پر عربوں نے قبضہ کر لیا۔

بصرہ کے گورنر مغیرہ کے ایما پر حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنانا چاہا۔ ایسا کرنا اس معاہدے کی خلاف ورزی تھا جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا جا چکا تھا۔ حضرت معاویہ کی اس تجویز کی عراق اور خراسان کے گورنر زیاد نے تائید کی۔ عراقیوں کے عمائد اور سرداروں سے یزید کے حق میں بیعت لی گئی۔ عراقیوں کے بعد شامیوں نے ایسا ہی کیا۔

۵۱ ہجری میں حضرت معاویہ مدینہ اور مکہ آگئے تاکہ اہل حجاز کو یزید کی بیعت پر آمادہ کریں، حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کسی شرط پر بھی یزید کے حق میں بیعت کرنے پر رضامند نہ ہوئے، ان کی مثال سے حجازیوں کے حوصلہ بڑھ گئے اپریل ۶۸۰ء میں حضرت معاویہ اس دنیا سے چل بسے۔ ایک وقائع نگار کے الفاظ میں آپ نے سب سے پہلے منبر پر بیٹھ کر تقریر کرنی

شروع کی، آپ ہی نے سب سے پہلے اپنی ذاتی حفاظت کے لئے گارڈ مقرر کئے۔ آپ کے درباری آپ کے ساتھ بے تکلفی سے باتیں کرتے تھے۔ ”مسعودی حضرت معاویہ کی روزانہ زندگی کا نقشہ اس طرح پیش کرتا تھا۔“ فجر کی نماز کے بعد آپ حاکم شہر کی رپورٹ سنتے۔ اس کے بعد آپ کے مشیر امورِ سلطنت کے متعلق آپ سے مشورہ کرتے، ناشتہ کے دوران میں آپ صوبائی مراسلت سنتے۔ آپ کا سکرٹری ان خطوط کو پڑھ کر سنایا کرتا، ظہر کی نماز کے بعد آپ مسجد میں ہر اس شخص کی شکایت سنتے، جو اپنی شکایت کو آپ تک پہنچانا چاہتا، محل میں واپس آکر آپ امراء سے ملاقات کرتے اس ملاقات کے اختتام پر آپ دوپہر کا کھانا کھاتے۔ عصر کی نماز کے بعد آپ وزیروں کے ساتھ پھر مجلس مشاورت کرتے۔ شام کا کھانا آپ اپنے وزیروں کے ساتھ کھاتے۔ اس کے بعد وزیروں سے پھر مشاورت ہوتی۔ دن ختم ہو جاتا۔ حضرت معاویہ کا عہد حکومت داخلی لحاظ سے فارغ البال اور پُر امن اور خارجی لحاظ سے کامیاب تھا۔

حضرت معاویہ کے عہد حکومت کے آغاز میں کان ستازدوم اپنے بھائی تھیوڈوسی کو قتل کرنے کے بعد رومی سلطنت کا شہنشاہ بنا۔ اس کے بیٹے کان ستان تائیں چہارم نے اسے نکال کر تخت پر قبضہ کر لیا، وہ پوناگو تاؤس کے نام سے مشہور ہے۔ سیزروں کے اس جانشین نے اپنے بھائیوں کے ناک کاٹ کر اور کلیسا کے ناموروں کو موت کے گھاٹ اتار کر رومی تاریخ میں نام پیدا کیا۔

حضرت معاویہ کی موت پر اپنے باپ کی وصیت کے مطابق یزید تخت پر بیٹھا، یزید کی تخت نشینی سے اسلام کے اس جمہوری اصول کو کہ امیرالمومنین رائے عامہ سے منتخب ہو، ایک کاری ضرب لگی۔ عرب اس جمہوری اصول کے اس قدر شیدائی تھے کہ انہوں نے اس اصول کی خاطر آنحضرت ﷺ کے خاندان کے افراد کے حقوق تک نظر انداز کر دیئے تھے۔ ازاں بعد حکمران اپنا جانشین نامزد کرتا رہا اور اپنی زندگی میں ہی اپنی فوج اور اپنے امیروں کیروں سے اپنے جانشین کے حق میں بیعت لیتا رہا۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں ”وہ اشخاص نے مسلمانوں کے معاملات کو الجھن میں ڈال دیا۔ عمرو بن العاص نے جبکہ اس نے حضرت معاویہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اس کے سپاہی اپنے نیزوں پر قرآن اٹھائیں اور مغیرہ نے جبکہ اس نے معاویہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے یزید کے حق میں بیعت لیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو قیامت تک کونسل آف ایکشن باقی رہتی، معاویہ کے جانشینوں نے بھی اپنے بیٹوں کے حق میں بیعت لینی شروع کر دی۔“

جب کوفہ کے مسلمانوں نے حضرت حسین ؑ بن علی ؑ سے درخواست کی کہ وہ انہیں امویوں سے نجات دلائیں تو آپ اس کے لئے تیار ہو گئے، عبداللہ بن زبیر ؑ کے علاوہ حسین ؑ بن علی ؑ کے تمام دوستوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کوفیوں کی باتوں پر اعتماد نہ کریں، کیونکہ وہ عراقیوں کی سرشت سے اچھی طرح واقف تھے۔ ”کوفہ کے لوگ گاہے آگ کی مانند گرم ہو جاتے ہیں اور گاہے برف کی طرح سرد۔“ اس پر بھی عراق نے آپ کو جو یقین دلایا تھا، اس کے پیش نظر آپ کوفہ جانے کے لئے تیار ہو گئے، آپ نے صحرائے عرب کو بغیر کسی مزاحمت کے عبور کر لیا، آپ کے ساتھ آپ کے کئی رشتے دار، دو جوان بیٹے اور تھوڑے سے ساتھی تھے، ان کے علاوہ عورتوں اور بچوں کی بھی ایک خاصی تعداد تھی۔ جب آپ عراق کی سرحدوں پر پہنچے تو آپ کو اس کوئی فوج کا کوئی نشان نہ ملا جس نے وہاں پہنچنے کا وعدہ کیا تھا، آپ کو شبہ ہوا کہ آپ کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے، چنانچہ آپ نے فرات کے مغربی کنارے پر کر بلا کے مقام میں خیمے لگا دیئے، آپ کا شبہ بجا تھا، آپ نے اپنے آپ کو عبداللہ بن زیاد کی فوج کے گھیرے میں پایا، کئی دنوں تک آپ کے خیموں کا محاصرہ جاری رہا، چونکہ اس فوج میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ابن علی ؑ کی فوج کا سامنا کرتی، اس لئے اس نے چھوٹے سے قافلے پر فرات کا پانی بند کر دیا۔ آپ نے اموی افواج کے سردار کے سامنے باعزت سمجھوتے کے لئے تین شرطیں پیش کیں۔

(۱) آپ کو مدینہ واپس جانے دیا جائے۔

(۲) آپ کو اس سرحدی فوج میں بھیج دیا جائے جو ترکوں کی روک تھام کے لئے

متعین کی گئی ہے۔

(۳) آپ کو سلامتی کے ساتھ یزید تک پہنچا دیا جائے۔

لیکن اموی سرداروں نے ان میں سے ایک شرط بھی نہ مانی، آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان میں سے جس کا جی چاہے موقع پا کر واپس چلا جائے لیکن آپ کے ساتھیوں میں سے ایک نے بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اموی فوج کا ایک سردار اپنے تئیں سپاہیوں کے ساتھ آپ کی صفوں میں شریک ہو گیا، دست بدست اور دو بدو لڑائیوں میں فاطمیوں کے مقابلہ پر کوئی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ لیکن دشمن کے تیراندازوں کی کثرت، مدافعت کی جماعت کو ایک ایک کر کے ختم کر رہی تھی، صرف حسین ؑ بن علی باقی تھے۔ آپ زخمی ہو کر دریا کی طرف بڑھے، لیکن تیروں نے آپ کا راستہ روک لیا، اپنے خیمے میں داخل ہو کر آپ نے اپنے ننھے بچے کو اٹھایا۔ دشمنوں نے اسے تیروں کا نشانہ بنایا، آپ کے بچوں اور بھتیجیوں نے

آپ کے ہاتھوں میں دم دیا، جب آپ میں ان بے رحم دشمنوں کے مقابلہ کی سکت نہ رہی تو آپ اکیلے اور تھکے ماندے اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھ گئے، خیمہ کے اندر سے ایک خاتون نے آپ کو پانی کا پیالہ پیش کیا، پیالہ اٹھالیوں تک مشکل سے پہنچا ہوگا کہ آپ کے رخسار پر ایک تیر لگا آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور زندوں اور مردوں کے لئے دعا کی، آپ ایک مرتبہ دشمن کی صفوں میں داخل ہو گئے، دشمن نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، خون کی کمی کے سبب آپ زمین پر گر پڑے، قاتل آپ کی طرف بڑھے، قاتلوں نے آپ کے سر کو تن سے جدا کر دیا، آپ کے جسم کو روندنا گیا، ان قاتلوں نے آپ کے جسم کی بے حرمتی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آپ کے سر کو کوفہ میں لے گئے، جب بے رحم عبید اللہ نے آپ کے لبوں پر چھڑی ماری تو ایک بوڑھا پکار اٹھا۔ ”افسوس! میں نے ان ہونٹوں پر اللہ کے رسول کے ہونٹوں کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے“ ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ رنج و الم اور ماتم باسانی سمجھ آسکتا ہے، جو ہر سال امام حسینؑ کی شہادت کے موقع پر کیا جاتا ہے۔“

ان حالات میں اپنے عہد کی ایک بلند ترین ہستی کا خاتمہ ہوا، اس ہستی کے ساتھ ہی آپ کے خاندان کے تمام ذکور (بچے اور جوان) بھی ختم ہو گئے۔ صرف ایک بچہ جسے آپ کی بہن حضرت زینبؑ نے اسے قتل عام سے بچالیا تھا، اس بچے کا نام بھی علی تھا۔ آگے چل کر آپ زین العابدین کے لقب سے مشہور ہوئے، جب اس بچے کو عبید اللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اس بچے کی زندگی ختم کرنے کے درپے ہو گیا۔ لیکن حضرت زینبؑ کی اس بچہ کے ساتھ وابستگی دیکھ کر وہ خائف ہو گیا۔ اور اس طرح اپنے ارادے سے باز رہا، امام حسینؑ کی خیمہ کی خواتین اس بچہ سمیت دمشق بھیج دی گئیں اور مغموم کارواں کی حفاظت کے لئے جو فوجی دستہ مقرر تھا وہ اپنے نیزوں پر شہیدوں کے سر اٹھائے ہوئے تھا، دمشق پہنچ کر رسول خدا کی نواسیوں نے جو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھیں، یزید کے محل کے نیچے بیٹھ کر عرب عورتوں کے مخصوص انداز میں نوحہ خوانی کی، یزید ان دردناک چیخوں سے کانپ اٹھا، اور اسے اپنی راجدھانی میں رسول خدا کے خاندان کے حق میں بغاوت ہو جانے کا اندیشہ ہوا، چنانچہ اس نے جلدی سے انہیں ان کے گھروں کو لوٹا دیا۔

کربلا کے ہولناک حادثہ نے اسلامی دنیا میں دہشت پھیلا دی۔ اسی حادثہ سے ایران میں ایک ایسی قومی تحریک کی بنیاد پڑی جس نے بعد میں عباسیوں کو اس قابل بنادیا کہ وہ امویوں کا تختہ الٹ سکیں، مدینہ میں یہ احساس اس قدر شدید ہو گیا تھا کہ یزید کو بہت جلد وہاں ایک

خاص حاکم بھیجنا پڑا، تاکہ عوام کے جذبات کو ٹھنڈا کیا جاسکے، اس حاکم کے مشورے سے مدینے کے بڑے بڑے لوگوں نے دمشق میں ایک وفد بھیجا۔ تاکہ حضرت حسین ؑ کے خاندان کے لئے کوئی امداد طلب کرے، اس وفد کو یزید کے طرزِ عمل نے بدل کر دیا، اپنی کوششوں میں ناکامی دیکھنے کے بعد اہل مدینہ نے جوش میں آکر یزید کی برطرفی کا اعلان کرتے ہوئے اس کے حاکم کو شہر سے نکال دیا، یہ خبر پاتے ہی یزید نے جوش میں آکر مسلم بن عقبہ کی کمان میں مدینے کو ایک فوج بھیج دی، اس فوج میں شامی اور اموی خاندان کے حامی شامل تھے۔ حرہ کے مقام پر لڑائی ہوئی، اہل مدینہ نے اس لڑائی میں بڑی بہادری دکھائی۔ لیکن آخر کار انہیں شکست ہوئی۔ اس لڑائی میں مدینے کے بڑے بڑے لوگ اور کئی مشہور صحابی کام آئے۔ وہ شہر جس نے رسول خدا ﷺ کو پناہ دی اور جسے رسول خدا کے وجود مبارک نے مقدس بنا دیا تھا، اب شامی سپاہیوں کی لوٹ کھسوٹ کا مرکز بنا ہوا تھا، اہل مدینہ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے، مسجد نبوی کو اصطبل بنایا گیا اور مقدس مزاروں سے سامان آرائش اتار لیا گیا، اسلام نے اپنی فتوحات کے وقت امویوں سے جو اچھا سلوک کیا تھا، اس کا صلہ امویوں نے یوں دیا کہ مدینے کے بہترین افراد کو تہ تیغ کیا۔ جو بھاگ سکتے تھے، وہ بھاگ نکلے، جو باقی بچے انہوں نے یزید کی اطاعت کر لی، اس حادثہ سے علی ابن حسین ؑ اور حضرت عباس ؑ کے پوتے علی بن علی نکلے۔ مدینے کے مدرسوں، ہسپتالوں اور دوسری پبلک عمارتوں کو مسمار کر دیا گیا۔ عرب تباہی کی لپیٹ میں تھا، آگے چل کر علی ابن حسین ؑ کے پوتے حضرت جعفر صادق ؑ نے مدینہ میں علم و حکمت کی شمع روشن کی، اس وقت کا مدینہ عرب کے لٹ و لٹ صحرا میں ایک نخلستان کی مانند تھا، مدینے کو اپنی گزشتہ خوشحالی کبھی نصیب نہ ہو سکی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ امویوں کے عہد میں مدینہ ماضی کا ایک شہر بن چکا ہے۔ جب عباسیوں کے دوسرے خلیفہ منصور نے مدینہ کی سیاحت کی تو اسے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے مکانوں اور مزاروں کا پتہ بتانے کے لئے رہبر کی ضرورت پڑی۔

مدینہ سے انتقام لینے کے بعد شامی فوج نے مکے کا رخ کیا جہاں عبداللہ بن زبیر نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا، شامیوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا، لڑائی کے دوران میں خانہ کعبہ اور دوسری مقدس عمارتوں کو شدید نقصان پہنچا، یزید کی بروقت موت نے شامیوں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ مکے کا محاصرہ اٹھا کر دمشق کا رخ کریں۔

یزید کے بعد اس کا نرم دل بیٹا معاویہ اس کا جانشین ہوا، معاویہ کو اپنے خاندان کے جرائم سے بڑی نفرت تھی، چند مہینوں کی حکومت کے بعد وہ خلوت نشین ہو گیا۔ اور کچھ

مدت کے بعد دنیا سے چل بسا، کہا جاتا ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا۔ یزید کی موت کے بعد فوراً "عبداللہ ابن زبیر کی خلافت کو حجاز، عراق اور خراسان نے تسلیم کر لیا، اگر اس وقت عبداللہ ابن زبیر مکے سے نکل کر شام پر حملہ کر دیتے تو امویوں کی حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی، لیکن آپ مکے میں مقیم رہے۔

۱۔ یہ شرط کسی معتبر تاریخ میں درج نہیں ہے۔

۲۔ یہ اموی سردار ح تھا۔

## آٹھواں باب

### مروان

معاویہ دوم کی وفات پر اس کا بھائی خالد اس کا جانشین ہو سکتا تھا۔ چونکہ وہ بہت کم عمر تھا، اس لئے امویوں نے اسے اپنا حکمران تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کسی بزرگ کو جانشین بنائے جانے کا مطالبہ کیا، اس مرحلے پر امویوں کی حالت بہت نازک تھی، بنو امیہ کا سب سے بزرگ رکن مروان، عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے رضامند تھا، وہ معاویہ اول کا عم زادہ تھا، بنو امیہ پر اس کا بہت زیادہ اثر تھا، اس لئے اس کی بیعت کے بعد سارا اموی خاندان عبداللہ بن زبیر کی بیعت پر آمادہ ہو جاتا، لیکن ابن زبیر حد سے زیادہ محتاط تھے۔ وہ عرب، مصر، عراق اور خراسان پر قانع ہو کر شام کی طرف نہ بڑھے۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن زیاد نے اپنے آپ کو بصرہ میں خلیفہ بنانے کے لئے تگ و دو شروع کر دی، جب اسے اس میں ناکامی ہوئی تو مروان کے پاس بھاگ گیا، اس نے مروان کو سلطنت حاصل کرنے کی ترغیب دی، مروان کے سامنے بہت مشکل کام تھا، امویوں کے دلوں میں اس کے متعلق شبہ پیدا ہو چکا تھا، امویوں کی نا اتفاقی کے علاوہ قبائلی رقابت بھی شام میں اپنا اثر دکھا رہی تھی، مروان نے آہستہ آہستہ اپنے مخالفوں کو اپنی طرف مائل کر لیا، مسعودی کے الفاظ میں ”مروان پہلا حکمران ہے جس نے اپنی تلوار کے زور سے تخت حاصل کیا تھا، اب مروان عبداللہ بن زبیر کے سب سے بڑے حامی ضحاک کی طرف فوج لے کر بڑھا، دمشق سے چند میل شمال مشرق میں مرج راہط کے مقام پر لڑائی ہوئی، جس میں مروان جیت گیا۔ اب سارے شام پر مروان کا قبضہ ہو چکا تھا، تھوڑی مدت بعد مصر بھی اس کے قبضہ میں آ گیا، اب اس نے خالد اور عمرو سے عہد شکنی کرتے ہوئے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ مرج کی لڑائی کے بعد حمیریوں اور مصریوں میں قبائلی رقابت بہت تیز ہو گئی، حمیریوں نے اب کامیاب ہو جانے کے بعد اپنے رقیب قبیلے پر سختیاں کرنی شروع کر دیں، یہ صورت حالات مروان اور اس کے جانشین عبدالملک کے عہد میں باقی رہی۔“

اسی زمانہ میں عراقیوں نے امام حسینؑ کا انتقام لینے کے لئے بغاوت کر دی رات کے

وقت انہوں نے امام حسینؑ کے روضہ پر رو کر دعائیں مانگیں اور اگلی صبح وہ شامیوں کے خلاف لڑنے کے لئے نکلے۔ مروان نے انہیں شکست دی، بہت سے عراقی شکست کھانے کے بعد مختار کے پاس کوفہ چلے گئے۔

یزید کی بیوہ کے ہاتھوں مروان کی موت نے سازش اور تشدد کی زندگی کو ختم کر دیا، مروان نے اس کے ساتھ اس لئے شادی کی تھی کہ وہ اس سے خالد کے ساتھیوں کی ہمدردی حاصل کر سکے گا۔ ایک دن مروان نے خالد کی بہت زیادہ بے عزتی کی، اسی رات غصے میں آئی ہوئی ماں نے مروان کا خاتمہ کر دیا۔



## نواں باب

### عبدالملک

مروان کی موت کے بعد عبدالملک کو امویوں کی اکثریت نے اپنا حاکم تسلیم کر لیا، عبدالملک نے اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے کام لیا، اسی اثنا میں مختار نے اپنے آپ کو عراق میں مستحکم کرنے کے بعد امام حسین ؑ کے قاتلوں سے انتقام لینا شروع کر دیا، عبدالملک نے مختار کا مقابلہ کرنے کے لئے عبداللہ بن زیاد کو بھیجا۔ عبداللہ ابن زیاد لڑائی میں مارا گیا۔ مختار کے ساتھ شامیوں کی طویل لڑائی جاری رہی۔ آخر کار مختار ایک لڑائی میں کام آیا اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا۔

عبدالملک نے چند سال میں شام کو دشمنوں سے صاف کر دیا۔ عمرو ابن سعد نے بغاوت کی کوشش کی تھی، عبدالملک نے اسے اپنے محل میں بلوا کر اپنے ہاتھ سے قتل کیا، شام میں اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے بعد عبدالملک نے عراق اور کلدہ کی طرف توجہ کی، جہاں عبداللہ بن زبیر کے نام پر مسعب حکومت کرتا تھا، عبدالملک کوفہ کی طرف روانہ ہوا، بہت جلد اس نے عراق پر قبضہ کر لیا، مسعب کو شکست دینے کے بعد عبدالملک نے عبداللہ بن زبیر کے خلاف فوج بھیجی، حجاج بن یوسف کی کمان میں ایک بہت بڑی فوج حجاز کی طرف روانہ ہوئی، اس فوج نے آسانی سے مدینے پر قبضہ کر لیا، مکے کا پھر محاصرہ کر لیا گیا۔ منجنيقوں سے پتھر کے گولے شہر میں برسائے گئے، لیکن عبداللہ بن زبیر ؑ کی طرف سے شامیوں کا مقابلہ جاری رہا، محاصرے کی وجہ سے شہر میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی کی وجہ سے لوگوں نے شہر خالی کرنا شروع کر دیا، اب مکہ میں عبداللہ بن زبیر اور ان کے چند ساتھی باقی تھے، آخری حملہ کرنے سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنی والدہ سے مشورہ پوچھا۔ ”میں لڑائی جاری رکھوں یا ہتھیار ڈال دوں“ اس پر عرب خاتون نے اپنے بیٹے سے کہا۔ ”اگر تو خود کو حق پر سمجھتا ہے تو لڑائی جاری رکھ، نہیں تو ہتھیار ڈال دے۔“ اس پر حضرت عبداللہ بن زبیر تلوار لے کر نکلے اور آخری دم تک لڑتے رہے، عبداللہ بن زبیر کی نعش کو ایک نبولی پر لٹکادیا گیا، حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے دو مشہور ساتھیوں کے سروں کی مدینے میں

نمائش کرنے کے بعد انہیں دمشق بھیج دیا گیا۔

اب عبدالملک اسلامی سلطنت کے واحد مالک تھے۔ جنوبی ایران میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے گورنر مسعب نے بھی عبدالملک کی اطاعت قبول کر لی، خراسان کے حاکم نے عبدالملک کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا، عبدالملک اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی لڑائیوں کے زمانہ میں خارجیوں نے جنوبی ایران اور عراق میں بڑی طاقت حاصل کر لی تھی، ان کی تعداد اگرچہ بہت تھوڑی تھی، لیکن اس پر بھی انہوں نے عبدالملک کی بڑی بڑی فوجوں کو شکستیں دیں، چونکہ خارجیوں میں نظام حکومت کے مسئلہ نے بہت سی پارٹیاں پیدا کر دیں تھیں، اس لئے وہ زیادہ دیر تک عبدالملک کی فوجوں کا مقابلہ نہ کر سکے، ایران میں خارجیوں کے زور کو مہلب نے توڑ دیا۔

مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانے کے لئے رومیوں نے مسلمانوں کے بعض علاقوں پر ہلے بول دیئے، عبدالملک نے قدم قدم پر شکست دے کر انہیں پیچھے دھکیل دیا اور بازنطینی شہنشاہ کے بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا، کابل کے گرد و نواح کے اضلاع بھی فتح کئے گئے۔ اسی طرح شمالی افریقہ کے بہت سے باغی علاقوں کو دوبارہ فتح کیا گیا۔

شمالی افریقہ کی فتح عربوں کا بہت شاندار کارنامہ ہے، ۶۴۳ء میں عبدالملک نے بربروں کا ملک فتح کرنے کے لئے ایک فوج بھیجی، اس فوج کی کمان عقبہ کے لائق نائب زبیر کے ہاتھ میں تھی، زبیر اپنے افسر کی موت کے بعد برقبہ میں بربروں کا مقابلہ کرتا رہا، زبیر کو پہلے حملے میں بہت زیادہ کامیابی ہوئی اس نے باغیوں اور رومیوں کی متحدہ فوج کو شکست دی، اب زبیر نے تھوڑی سی فوج اپنے پاس رکھ کر باقی فوج کو مزید فتوحات کے لئے روانہ کر دیا، ایک شدید لڑائی میں عربوں کا جرنیل مارا گیا، ایک مرتبہ بربر پھر مسلمانوں کے قبضہ میں سے نکل گیا، لیکن عبدالملک کی ذہانت یہاں بھی کام آئی، عبدالملک نے حسان بن نعمان کی کمان میں تیسری فوج بھیجی، اس فوج نے مخالفوں کو ہر مقام پر شکست دی، عربوں نے قیروان پر قبضہ کر لیا، کاز تھج کو فتح کیا گیا، رومیوں اور بربروں کو شکست دی گئی، بچی کچی رومی فوج ملک سے بھاگ نکلی، ایک مرتبہ پھر برقبہ سے اوقیانوس کے ساحلوں تک سارا علاقہ عربوں کے قبضہ میں آ گیا۔

اسی اثنا میں بربری اور اطلس کے وحشی قبائل ایک عورت کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ عرب مورخ اس عورت کو کاہنہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ کاہنہ کی بربری فوجوں نے عرب فوج کو گھیر لیا، اب عربوں کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی

طرح برقع پہنچ جائے۔ پانچ سال تک یہ کاہنہ شمالی افریقہ کی ملکہ بنی رہی، آخر کار عبدالملک نے حسان بن نعمان کی مدد کے لئے ایک فوج بھیجی۔ جس طرح کشتی دریا کے سینہ کو چیرتی ہوئی نکل جاتی ہے اسی طرح عبدالملک کی فوج بربروں کی فوج کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ کاہنہ نے عربوں کو فتوحات کے حاصل سے محروم کرنے کے لئے شہروں اور بستیوں کو جلاتا شروع کر دیا، محلات کو سطح زمین کے ساتھ ہموار کر دیا گیا، اموال و املاک کو خاکستر میں ملا دیا گیا، شہر اور دیہات ویران کر دیئے گئے، باغوں کو اجاڑ دیا گیا، ایک خوش حال ملک ویرانہ بن گیا۔ کاہنہ کی یہ پالیسی کسی کام نہ آئی، ملکی آبادی نے حسان بن نعمان کا خیر مقدم کیا، کوہِ اطلس کے دامن میں کاہنہ اور عربوں میں لڑائی ہوئی جس میں کاہنہ ماری گئی، بربروں نے تھک کر عربوں سے صلح کی درخواست کی، جسے عربوں نے اس شرط پر مان لیا کہ وہ پچیس ہزار سواریوں کی بھرتی دیں، اب بربروں میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔ اسی اثنا میں بہت سے خارجی شمالی افریقہ پہنچ گئے۔ آگے چل کر ان خارجیوں کی وجہ سے شمالی افریقہ میں گاہے گاہے بغاوتیں ہوتی رہیں۔

حجاز کا سابق گورنر حجاج عراق، سیستان، کرمان، خراسان، کابل اور ماوراء النہر کے لئے عبدالملک کا نائب تھا، مغربی عرب کا ہاشم بن اسمعیل گورنر تھا، مصر کا گورنر عبدالملک کا بھائی عبدالعزیز تھا، حجاج ابن یوسف کے تشدد کی وجہ سے بہت سے علاقوں میں بغاوتیں ہوئیں۔ ایک بغاوت تو اتنی شدید تھی کہ قریب تھا کہ عبدالملک سب کچھ کھو بیٹھتا، جس زمانہ میں حجاج بن یوسف حجاز کا حاکم تھا، اس نے مدینے اور مکے کے لوگوں پر بڑی سختیاں کی تھیں، عراق کی گورنری کے زمانے میں اس نے ایک لاکھ پچاس ہزار لوگوں کو قتل کیا تھا، اس کی موت کے وقت پچاس ہزار مرد اور عورتیں جیلوں میں بند تھیں۔

خراسان میں حجاج کے نائب حاکم مہلب نے ۷۰۳ء میں وفات پائی۔ ایک عرب شاعر کے الفاظ میں ”سخاوت اور دوستی اس کے ساتھ ہی مر گئی۔“ مہلب کے بعد اس کا بیٹا یزید اس کا جانشین ہوا۔ تھوڑی مدت کے لئے حجاج نے اس کے ساتھ بہتر سلوک کیا۔

عبدالملک نے ۶۱۲ برس کی عمر میں ۷۰۵ء میں وفات پائی، اسے شعر و شاعری سے بہت لگاؤ تھا، اس نے اپنے خاندان کے مفاد کے لئے بارہا خون بہایا، عبدالملک سب سے پہلا مسلمان حکمران ہے جس نے اپنی نکال جاری کی، اس وقت تک سرکاری دفاتر کے رجسٹرو ریکارڈ یونانی یا فارسی میں رکھے جاتے تھے۔ عبدالملک کے حکم سے اب وہ عربی زبان میں رکھے جانے لگے، اپنی موت سے تھوڑی مدت پہلے اس نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو ترغیب

دی کہ وہ اس کے بیٹے ولید کے حق میں دستبردار ہو جائے لیکن عبدالعزیز نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کے فوراً بعد عبدالعزیز وفات پا گیا اور ولید نہایت آسانی سے اپنے باپ کا جانشین بن گیا۔

عبدالملک کی عظمت میں کے کلام ہو سکتا ہے۔ اس نے اندرونی شورشوں اور فتنوں کا استیصال کیا۔ شمالی افریقہ کے بربروں اور جزیرہ صقلیہ اور قرطاجیہ کے رومیوں کو اس سرکشی کی ایسی سزا دی کہ ان علاقوں پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور وہاں امن و امان بحال ہوا۔ یہ زمانہ نہایت پر آشوب تھا۔ عبدالملک نے بڑے عزم و استقلال سے سلطنت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کی اور غیر معمولی جرأت محبت سے کام لے کر سیاسی مرکزیت بحال کی، باطل عقائد کا قلع قمع کیا۔ جھوٹے فرقوں کو سختی سے دبایا۔ اس کا یہ نعل صحیح العقیدہ مسلمانوں کی فتح اور سر بلندی تھی۔ وہ ہنوائیہ کی حکومت کا مجدد یا موسس شان ہے۔ اس بنا پر بعض مورخ اسے امیر معاویہؓ کا ہم پایہ قرار دیتے ہیں۔ اس میں شک و شبہ کی ذرا بھر گنجائش نہیں کہ وہ سیاسی تدبیر و دانش اور شجاعت و بسالت میں اپنے خاندان میں قابل رشک مقام رکھتا ہے۔

عبدالملک کے بعض تعمیری کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ وہ خود بڑا صاحب علم و فضل تھا۔ اس نے تعلیم قرآن کا خاص اہتمام کیا۔ اس مقصد کے لئے جا بجا مدارس قائم کئے۔ عربی زبان کو دفتری زبان قرار دیا۔ کئی شہر آباد کئے۔ مساجد تعمیر کرائیں۔

## دسواں باب

### ولید اول

ولید کے تحت نشین ہوتے ہی حجاج نے جو ابھی تک مشرقی صوبوں کا وائسرائے تھا، مہلب کے بیٹے اور جانشین یزید کو خراسان کی گورنری سے الگ کر دیا، حجاج نے اس کی جگہ قتیبہ کو خراسان کا گورنر مقرر کیا، دریائے جیحون کے شمال میں وسط ایشیاء میں مقدیوں کی قوم نے مسلمانوں سے صلح و صفائی کا وعدہ کر رکھا تھا، انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ مسلمان آبادکاروں کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچائیں گے انہوں نے اس بات پر بھی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا کہ ان کے شہروں میں مسلمان عامل (ریزیڈنٹ) رہ سکیں گے، یہ عامل مسلمانوں کے مفاد کے نگران ہوں گے، یزید کی برطرفی کے بعد انہوں نے اپنی آزادی کے لئے جدوجہد شروع کر دی، انہوں نے ایک دم عربوں کے خلاف بغاوت کر دی، انہوں نے اپنے شہروں سے مسلم عالموں کو نکال دیا اور مسلم آبادی کو قتل کر دیا، دس سال کی متواتر لڑائیوں کے بعد قتیبہ نے ان پر قابو پایا اور کاشغر تک وسط ایشیا کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔

اسی زمانے میں محمد بن قاسم حاکم مکران نے ہندوستان پر چڑھائی کر کے سندھ، ملتان اور پنجاب کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا، ولید کے سارے عہد حکومت میں ولید کا بھائی مسلمہ ایشیائے کوچک کی مسلم افواج کا سپہ سالار تھا، اس کی مدد کے لئے ولید کے بیٹے عباس کی فوج موجود رہتی تھی، ان دونوں کی متحدہ فوجوں نے ایشیائے کوچک کے بہت سے شہروں کو فتح کیا، اس زمانہ میں ایشیائے کوچک کے ایک وسیع حصہ پر عربوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

۵۷ء ہجری میں ولید نے اپنے چچیرے بھائی عمر بن عبدالعزیز کو حجاز کا گورنر مقرر کیا۔ مدینے پہنچتے ہی عمر بن عبدالعزیز نے ایک مجلس مشاورت قائم کی، آپ اس مجلس مشاورت کی مرضی کے بغیر کوئی حکم نافذ نہ کرتے، آپ نے اسلام کے مقدس شہروں کو بارونق بنانے کے لئے بڑی کوشش کی، آپ نے مدینے اور مکہ میں بہت سی پبلک عمارتیں بنوائیں، آپ نے نئے تالاب بنوائے، مدینہ کو حجاز کے بڑے بڑے شہروں سے سڑکوں کے ذریعہ ملا دیا، آپ کے عہد میں حجاز کے تمام طبقوں کو فائدہ پہنچا، عمر بن عبدالعزیز کی نرم اور فرخ دل حکومت کے

سبب عراق کے شہروں سے بہت سے لوگ ہجرت کر کے حجاز میں آباد ہو گئے، حجاج اس پر بہت برہم ہوا چنانچہ اس نے ولید سے شکایت کی، عبدالملک کی طرح ولید اول پر بھی حجاج کا بہت زیادہ اثر تھا۔ حجاج کی سازش آخر کامیاب ہوئی اور ۹۲ ہجری میں عمرو بن عبدالعزیز کو حجاز کی گورنری سے برطرف کر دیا گیا، آپ کے جانشین نے ان تمام مہاجرین کو عراق بھیج دیا جو عمرو بن عبدالعزیز کے عہد میں حجاز میں متوطن ہو گئے تھے۔

اسی زمانہ میں حجاج نے یزید بن مہلب کو اس کے بھائیوں سمیت جیل میں بند کر کے ان کے ساتھ بدسلوکی کی، حجاج کے ستائے ہوئے لوگوں نے ان کے فرار میں مدد دی اور وہ بھاگ کر ولید کے بھائی اور جانشین سلیمان کے ہاں پناہ گزین ہوئے۔

اب ہم مغرب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کاہنہ کی موت کے بعد شمالی افریقہ پر حسان کا عہد حکومت نسبتاً پر امن رہا۔ ۸۹ ہجری میں موسیٰ بن نصیر کو شمالی افریقہ کا وائسرائے مقرر کیا گیا، موسیٰ بن نصیر کا باپ حضرت معاویہ کے عہد میں پولیس کا چیف آفیسر تھا لیکن اس نے جنگ سفین میں حضرت علیؓ کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا تھا، شمالی افریقہ کے سابق گورنر کی واپسی کے بعد بربری پھر بغاوت پر آمادہ ہو گئے، لیکن اس مرتبہ انہوں نے نئے وائسرائے کی قوت اور توانائی کا غلط اندازہ لگایا، موسیٰ بن نصیر نے کئی معرکوں میں بربروں کو شکستیں دیں، اس نے سازش کرنے والے یونانیوں کو ملک بدر کر دیا، موسیٰ نے بربری سرداروں کے ساتھ نرم برتاؤ کر کے انہیں اپنی طرف مائل کر لیا، بربریوں کو اسلام کی تعلیم دینے کے لئے معلم مقرر کئے گئے۔ چنانچہ تھوڑی سی مدت میں ساری بربری قوم نے اسلام قبول کر لیا، عربوں کی بستیوں پر چونکہ باز نظیسی بحیرہ روم کے جزیروں پر سے حملہ کرتے رہتے تھے، اس لئے موسیٰ بن نصیر نے میورقہ، منورقہ اور اویکا کے جزیروں کو فتح کر کے انہیں اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ مسلم راج میں ان جزیروں نے خوب ترقی کی۔ عربوں نے ان جزیروں میں خوبصورت عمارتیں بنوائیں اور ان میں کئی ایک صنعتوں کو جاری کیا، اب موسیٰ بن نصیر اور حجاج کی نیابتی مملکت تقریباً برابر تھی، اس مملکت میں بحیرہ روم کے کئی ایک جزیرہ شامل تھے، صرف قیوطہ پر ہسپانیہ کے گو تھک بادشاہ کی طرف سے کاؤنٹ جولین حکمران تھا۔ ہسپانیہ کا بادشاہ رومی شہنشاہ کا باج گزار تھا۔

جس زمانہ میں شمالی افریقہ میں رواداری اور خوش حالی کا دور دورہ تھا اس کا ہمسایہ جزیرہ نما ہسپانیہ گو تھک بادشاہوں کے تشدد تلے دیا ہوا تھا، ان بادشاہوں کے عہد حکومت میں ہسپانیہ کی حالت بدتر تھی، جس طرح رومیوں کے زمانہ میں امیر طبقوں سے ٹیکس نہیں لیا

جاتا تھا، اس طرح گو تھک بادشاہوں کے عہد میں ہسپانیہ کی حکومت کا سارا مالی بوجھ نچلے طبقوں پر تھا ان طبقوں کی حالت بہت خراب تھی۔ بڑے بڑے ٹیکسوں نے صنعتی فروغ کو فنا کر رکھا تھا۔ ہسپانیہ میں نہ صنعت تھی نہ تجارت، ملک بڑے بڑے جاگیرداروں میں منقسم تھا، یہ جاگیردار بڑے بڑے محلوں میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ کھیتی باڑی کا کام غلاموں یا غلام کاشت کاروں کے سپرد تھا ان غلاموں اور غلام کاشت کاروں کے لئے جیتے جی کوئی سکھ نہیں تھا، وہ کسی چیز کو اپنا نہیں کہتے تھے۔ ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے آقا کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کر سکتے تھے۔ اگر دو جاگیرداروں کے غلام خاندان آپس میں شادی کر لیتے تو ان کی اولاد دونوں جاگیرداروں کے درمیان برابر بٹ جاتی، یہ غلام اخلاقی اور مادی ذلتوں کا شکار تھے۔

ہسپانیہ کے یہودی ہسپانیہ کے بادشاہوں، جاگیرداروں اور پادریوں کے ہاتھوں بڑی سختیاں جھیل چکے تھے، انہوں نے تنگ آکر بغاوت کی، جس کے ناکام ہونے کے بعد یہودیوں کا قتل عام کیا گیا، جو بیچ گئے ان کا مال اسباب ضبط کر کے انہیں غلام بنا لیا گیا، بچوں کو زبردستی عیسائی بنا لیا گیا۔ یہودیوں کو آپس میں شادی بیاہ کی اجازت نہیں تھی، یہودی غلام کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ عیسائی غلام کی لڑکی سے بیاہا جائے۔ ہسپانیہ کے طول و عرض میں جن پادریوں کو اقتدار حاصل تھا، انہوں نے یہودیوں کی یہ گت بنائی تھی، تباہ حال شہری برباد شدہ غلام اور مظلوم یہودی سب کے سب کسی آنے والی گھڑی کے انتظار میں تھے، اسی انتظار میں انہیں غیر متوقع مقام سے مدد مل گئی۔ گو تھک راج کے مظلوم آبنائے کے اس پار امن و امان کو پا کر وہاں بھاگ جاتے، بہت سے ہسپانیوں نے اپنے پادریوں کے مظالم سے تنگ آکر اسلامی افریقہ میں پناہ لی، جس زمانہ میں شمالی افریقہ پر موسیٰ بن نصیر حکمران تھا اسی زمانہ میں ہسپانیہ کے تخت پر روڈریک قابض تھا۔ روڈریک نے ہسپانیہ کے سابق حکمران کو قتل کر کے تخت حاصل کیا تھا۔ ہسپانیہ کے پناہ گزینوں نے عربوں سے درخواست کی کہ وہ ہسپانیہ پر حملہ کر کے وہاں کی آبادی کو دکھ درد سے نجات دلائیں۔ قیوط کا حکمران جولین بھی درخواست کرنے والوں میں شامل تھا۔ ولید کی منظوری حاصل کرنے کے بعد موسیٰ نے ان کی درخواست منظور کر لی۔ اور طریف بن مالک کو ایک فوج سمیت جنوبی ہسپانیہ کے ساحل کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا، طریف کی رپورٹ ہسپانیہ پر عربوں کے حملے کے حق میں تھی، چنانچہ تین اپریل ۱۷۰۷ء میں طارق بن زیاد سات ہزار سپاہیوں سمیت اس مقام پر اترا، جو آپ کے نام سے مشہور ہے اس چٹان کی اچھی طرح قلعہ بندی کرنے اور اسے ایک مضبوط فوجی

ٹھکانہ بنانے کے بعد اس نے جزیرہ نما ہسپانیہ پر حملہ کر دیا۔ جس کو تھک فوج نے اس کا مقابلہ کرنا چاہا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ اب طارق بن زیاد طلیطلہ کی طرف بڑھا۔ طارق کی فوج بارہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہو گئی۔ ہسپانیہ کا بادشاہ شمالی علاقوں میں ایک بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا۔ جوں ہی اس نے حملے کی اطلاع پائی، وہ اپنی راجدھانی کی طرف چل دیا۔ اس نے تمام جاگیرداروں کو حکم دے دیا کہ وہ سب اپنے اپنے دستوں سمیت قرطبہ پہنچ جائیں شاہی فوج کی تعداد بہت زیادہ تھی، جاگیرداروں کے دستوں کو ملا کر شاہ ہسپانیہ کے پاس ایک لاکھ سپاہی ہو گئے۔ دونوں فوجوں میں شذونہ کے جنوب میں مقابلہ ہوا۔ ہسپانیہ کے سابق بادشاہ کے بیٹوں نے روڈریک کا ساتھ چھوڑ دیا، لیکن اس کے باوجود روڈریک کے پاس بہت بڑی فوج تھی، یہ فوج پوری طرح سے مسلح اور تربیت یافتہ تھی۔ اس فوج نے شروع میں عربوں کی بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن یہ فوج طارق بن زیاد کے حملے کی تاب نہ لاسکی۔ گو تھک فوج منتشر ہو گئی، ہسپانیہ کا بادشاہ بھاگتا ہوا دریا میں ڈوب گیا۔ عربوں کی اس فتح کا نتیجہ بہت شاندار نکلا، اب ہسپانیوں میں عربوں کے مقابلہ کا حوصلہ نہ تھا مدینہ اور کارمونا نے اپنے دروازے عربوں پر کھول دیئے۔ ایشیمیا میں روڈریک کی بچی کچی فوج نے عربوں کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔

اب طارق بن زیاد نے اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا، اور اپنے ایک نائب کو قرطبہ بڑھنے کا حکم دیا، دوسرے حصہ نے مالقہ کا رخ کیا تیسرا حصہ غرناطہ کی جانب بڑھا۔ طارق بن زیاد نے ہسپانیہ کی راجدھانی طلیطلہ پر چڑھائی کی، مالقہ، غرناطہ اور قرطبہ پر عربوں کا آسانی سے قبضہ ہو گیا۔ ہسپانیہ کے امیروں نے یا تو اطاعت قبول کر لی یا پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتے پھرے، بڑے بڑے پادریوں نے روم کی راہ لی۔ عوام یہودیوں اور غلاموں نے مسلمانوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر ان کا خیر مقدم کیا، طارق بن زیاد کے پہنچنے پر طلیطلہ خالی ہو چکا تھا، طارق نے یہودیوں اور مسلمانوں پر مشتمل تھوڑی سی فوج کو طلیطلہ چھوڑ کر خود اسطونہ تک ہسپانوی فوج کا پیچھا کیا، اسی اثنا میں اسی سال کا بوڑھا جرنیل اٹھارہ ہزار سپاہیوں کے ہمراہ ہسپانیہ کے ساحل پر اتر پڑا اس کی فوج میں یمنی عربوں کے اعلیٰ خاندان کے لوگوں کے علاوہ صحابہ کرام کے ورثا بھی شریک تھے۔ موسیٰ بن نصیر نے نہایت آسانی سے شبیلہ اور ماروہ پر قبضہ کر لیا۔ طلیطلہ میں طارق اپنی فوج سمیت موسیٰ کے ساتھ شامل ہو گیا، متحدہ فوج ارغون کی طرف بڑھی، چند سال بعد عربوں نے پرتگال پر قبضہ کر لیا۔ عربوں نے الغرب کے نام سے ایک نیا صوبہ بنادیا۔ صرف استوار اس کے پہاڑوں میں ہسپانیہ



کے عیسائی مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

طارق بن زیاد کو جلیقیہ کی مہم سر کرنے کے بعد موسیٰ بن نصیر فرانس میں داخل ہو گیا، اس نے فرانس کے اس حصہ کو نہایت آسانی سے فتح کر لیا، جو گو تھک سلطنت میں شامل تھا، پر نیز پہاڑ کی بلندیوں پر کھڑے ہو کر اس بہادر سپاہی نے سارے یورپ کو فتح کرنے کی سکیم بنائی، اگر اسے اس سکیم پر عمل کرنے کی اجازت مل جاتی تو اسے اپنے عزائم میں پوری پوری کامیابی ہو جاتی، یورپ اس کے قدموں پر تھا، یورپی قوموں میں اس وقت اتحاد مفقود تھا اس وقت یورپ میں کوئی ایسا سردار موجود نہیں تھا، جو عیسائیوں کی فوج کو عربوں کے مقابلے پر کھڑا کر سکتا، دربار دمشق کی محتاط اور مذہب پالیسی کی بدولت یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ آنے والی آٹھ صدیوں تک جہالت میں غرق رہا، جب موسیٰ بن نصیر اٹلی میں داخل ہونے کے لئے فرانس میں آگے بڑھ رہا تھا تو ولید نے اپنے حکم سے اس کی پیش قدمی روک دی، اب موسیٰ نے ہسپانیہ کے کوہستانی علاقوں کی تسخیر پر توجہ کی۔ وہ جلیقیہ میں داخل ہو گیا۔ اس نے کئی قلعوں کو سر کیا۔ اس نے دشمنوں کو اشتور اس کے پہاڑوں کی طرف دھکیل دیا۔ موسیٰ بن نصیر پیلاؤ سے لڑ رہا تھا کہ دمشق سے ایک ایلیچی وہاں پہنچا۔ اس ایلیچی کے پاس موسیٰ اور طارق کی واپسی کے احکام تھے۔ ان دونوں کی واپسی اسلام کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان تھا، ہسپانویوں کے گوریلا لیڈر پیلاؤ نے اپنی طاقت کو اس قدر منظم کر لیا جس کی بدولت اس نے آگے چل کر جنوبی ہسپانیہ کی مسلم ریاستوں میں تباہی مچادی، عرب فوج اپنے دو جرنیلوں سے محروم ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیلاؤ کے ساتھی منظم ہو گئے۔ ہسپانیہ چھوڑنے سے پہلے موسیٰ بن نصیر نے حکومت کا پورا پورا انتظام کر دیا۔ دوسرے بیٹے عبدالعزیز کو نئے صوبے کا وائسرائے بنایا، اس صوبہ کا صدر مقام اشبیلہ تھا، اس نے اپنے بیٹے عبداللہ کو شمالی افریقہ کا حاکم بنا دیا۔ عبدالملک کو مراکو اور چوتھے بیٹے صالح کو ساحلی علاقے کا حاکم بنا کر موسیٰ بن نصیر دمشق کی طرف روانہ ہوا، اس کے ساتھ اس کی فوج کے کافی سپاہی تھے۔

ہسپانیہ میں عربوں کے داخلہ سے ہسپانیہ کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ اس فتح نے ہسپانیہ میں ایک نہایت اہم مجلسی انقلاب پیدا کیا۔ مخصوص طبقات کے مراعات ختم ہو گئے صنعت و حرفت کا نیا دور شروع ہوا، واجبی ٹیکس لگائے گئے۔ عدل و انصاف کی راہیں کھل گئیں صرف ان امیروں اور پارٹیوں کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں جو ملک سے بھاگ گئے تھے یا جنہوں نے گو تھک فوجوں کا ساتھ دیا تھا۔ ملک کے طول و عرض میں رواداری کا دور

دورہ قائم ہو گیا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی، نظم و نسق کے لئے عربوں نے ہسپانیہ کو چار صوبوں میں تقسیم کیا۔ زان بعد پری نیز کے علاقے کا ایک نیا صوبہ بنایا گیا، عربوں اور بربریوں نے شہروں میں رہائش اختیار کرنے کو ترجیح دی، اس سے وہ عیسائیوں کے حملوں کی روک تھام کے لئے تو متحد ہو گئے لیکن اس سے قبائلی رقابت تیز ہو گئی، اسی رقابت نے آگے چل کر عربوں کو شدید ترین نقصان پہنچایا۔

اب ہم پھر مشرق کی طرف توجہ کرتے ہیں ولید دو جرنیلوں سے ملاقات کرنے سے پہلے ہی چل بسا، اپنے باپ کی طرح اس نے بھی اپنی موت سے پہلے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانے کی کوشش کی۔

نوسال اور سات مہینے کی شاندار حکومت کرنے کے بعد ولید نے ۷۱۵ء میں وفات پائی۔ وہ اپنے باپ عبدالملک اور اپنے دادا مروان سے زیادہ رحم دل تھا، وہ اپنے کئی جانشینوں سے بھی زیادہ رحم دل تھا اس نے دمشق کی جامع مسجد بنوائی، مدینہ اور بیت المقدس کی مسجدوں کو اس نے خوبصورت اور وسیع کر لیا، اس نے سرحدوں کی حفاظت کے لئے بہت سے قلعے تعمیر کئے، اس نے اپنی سلطنت کے طول و عرض میں بڑکیں بنوائیں، کنوئیں کھدوائیں، سکول اور ہسپتال کھلوائے، غریبوں کے لئے بیت المال سے وظیفے مقرر کئے اور لپاہجوں اور اندھوں کے لئے محتاج خانے بنوائے وہ خود منڈیوں میں جا کر نرخوں کے اتار چڑھاؤ کا مطالعہ کرتا وہ پہلا اموی خلیفہ تھا، جس نے اوب، آرٹ اور مصنوعات کی حوصلہ افزائی کی، ولید کے عہد حکومت میں امام زین العابدینؑ کا انتقال ہوا۔ امام باقرؑ آپ کے جانشین ہوئے۔

## گیارہواں باب

### سلیمان بن عبد الملک

عبد الملک کی وصیت کے مطابق ولید کی وفات کے بعد ولید کا بھائی سلیمان اس کا جانشین ہوا، سلیمان بن عبد الملک نے تخت نشینی کے بعد عراق کے جیلوں کے دروازے کھول دیئے اور ہزاروں قیدیوں کو رہا کر دیا گیا جنہیں حجاج نے بند کر رکھا تھا۔ اس نے حجاج بن یوسف کے مقرر کردہ محصلوں کو ہر طرف کر دیا اور بہت سے نافذ کردہ سخت قوانین کو منسوخ کر دیا لیکن بہت جلد اس نے عربوں کے ان سرداروں پر سختیاں شروع کر دیں جنہوں نے ولید کے بیٹے کو اس کا جانشین بنائے جانے کی کوشش میں ولید کا ساتھ دیا تھا، اب اس قبیلے کا اقتدار تھا۔ جس پر حجاج نے بے شمار سختیاں کی تھیں، یزید بن مہلب نے حجاج کی موت پر اس کے عزیزوں اور ساتھیوں پر سختیاں شروع کر دیں۔ سلطنت کے ہر حصے میں۔ مینیوں اور مضرہوں میں لڑائی چھڑ گئی، خراسان کی خانہ جنگی میں قبیلہ ایسا بڑا جرنیل مارا گیا، سلیمان نے موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کو محض اس بناء پر مرادیا کہ ان کا تعلق مینیوں سے تھا، کہا جاتا ہے کہ موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز کے قتل میں بھی سلیمان کا ہاتھ تھا۔ سندھ اور پنجاب کے فاتح محمد بن قاسم کو واپس بلوا لیا گیا۔ محمد بن قاسم کی صرف یہ خطا تھی کہ وہ حجاج کا بھتیجا تھا، محض اس خطا پر یزید بن مہلب نے اسے زندگی سے محروم کر دیا، یزید نے اپنے ایک بھائی حبیب کو سندھ کا والی مقرر کیا، اس نے ہندوؤں پر عربوں کے اس اثر کو زائل کر دیا جسے محمد بن قاسم نے سندھ میں پیدا کیا تھا۔

سلیمان کے عہد میں ہسپانیہ کے عربوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا عبدالعزیز کے قتل پر فوج نے موسیٰ بن نصیر کے بھتیجے ایوب بن حبیب کو اپنا سردار چنا۔ لیکن اس انتخاب کو شمالی افریقہ کے وائسرائے نے ماننے سے انکار کر دیا۔ چند ماہ کے نظم و نسق کے بعد ایوب نے ایشیہ کی جگہ قرطبہ کو صدر مقام بنایا ہی تھا کہ اس کی جگہ الحمر کو ہسپانیہ کا والی مقرر کیا گیا، ہسپانیہ کا نیا حاکم مضرہ تھا، الحمر اپنے ساتھ شمالی افریقہ کے بڑے بڑے خاندان کے چار سوا فراد لایا تھا، ان لوگوں نے ہسپانیہ میں مسلمان امارت قائم کی، اس وقت سے بنو عباس کے

برسر اقتدار آنے تک ہسپانیہ پر عرب گورنروں کی حکومت رہی جو دمشق یا شمالی افریقہ کے وائسرائے کی طرف سے مقرر کئے جاتے تھے، شمالی افریقہ کے وائسرائے کا صدر مقام قیروان تھا۔ ہسپانوی گورنر پر دمشق اور قیروان کے منقسم اقتدار کا بہت بڑا اثر پڑتا تھا۔ الحمر تین سال تک ہسپانیہ کا گورنر رہا۔ اس کے عہد میں شمال کی جانب فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔

سلیمان بن عبد الملک نے وابق میں ایک رومی جرنیل لیو سے ملاقات کی، یہ بزنطینی جرنیل ایشیائے کوچک کی رومی فوجوں کا کمانڈر تھا۔ اس سازشی جرنیل نے سلیمان بن عبد الملک سے کہا کہ عرب فوجوں کے لئے قسطنطنیہ کو فتح کر لینا بہت آسان ہے۔ اس مہم کے لئے اس نے اپنی خدمات بھی پیش کر دیں۔ اس پر سلیمان نے مسلمہ کے ماتحت ایک فوج روانہ کی، اس فوج نے بڑی آسانی سے درہ دانیال کو عبور کر لیا۔ عربوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ سلیمان کے بیٹے نے تھریس کو فتح کیا۔ اب رومیوں نے مسلمہ کو تاوان جنگ ادا کرنے کی شرط پیش کی، مسلمہ نے اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی اثنا میں باز نطینی شہنشاہ چل بسا۔ اس پر خوف زدہ رومیوں نے لیو کو دعوت دی کہ وہ تحت سنبھال لے۔ مسلمان فوجوں سے بھاگ کر لیو قسطنطنیہ پہنچا جہاں اسے شہنشاہ تسلیم کر لیا گیا چونکہ وہ مسلمان فوج کے کمزور پہلوؤں سے واقف تھا، اس لئے محاصرین کو اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اس پسپائی کی تلافی یزید بن مہلب نے طبرستان اور کوہستان (قدیم میڈیا) کی فتوحات سے پورا کر دیا، آخر کار سلیمان خود فوج لے کر قسطنطنیہ کی طرف بڑھا لیکن وابق کے مقام پر جہاں وہ سازشی لیو سے ملاقات کر چکا تھا بیمار پڑا اور فوت ہو گیا۔ سلیمان نے دو سال اور پانچ مہینے حکومت کرنے کے بعد ستمبر ۷۱۷ء میں وفات پائی۔

اپنے بھائی کی طرح وہ بھی اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، اس کا بڑا بیٹا ایوب اس کی زندگی ہی میں مر چکا تھا۔ دوسرا بیٹا داؤد قسطنطنیہ کے محاصرے میں شریک ہو چکا تھا۔ اس کے متعلق یہ علم نہیں تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں سلیمان نے بستر مرگ پر عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین اور یزید ابن عبد الملک کو ان کا جانشین مقرر کر دیا۔ سلیمان کی سیرت مجموعہ اصداد تھی، وہ اپنے باپ کی طرح اپنے دشمنوں سے سختی کا برتاؤ کرتا تھا انتہائی درجہ آرام پسند ہونے کے باوجود وقت آنے پر انتہائی جرأت کا ثبوت دینے سے دریغ نہیں کرتا تھا سلیمان نے 'تجاج کے قیدیوں کو رہا کر کے لوگوں سے مفتاح الخیر کا لقب حاصل کیا۔ اس نے صرف قیدیوں کو رہا نہیں کیا، بلکہ ان کی مالی امداد بھی کی۔

## بارہواں باب

### حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ستمبر ۷۱۷ء میں تخت نشین ہوئے۔ آپ کے والد عبدالملک کے بھائی تھے۔ وہ ایک زمانہ میں مصر کے والی رہ چکے تھے ان کے عہد حکومت میں مصر نے خوب ترقی کی تھی، آپ کی والدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔ آپ دیانت، عدل اور سادگی میں بہت زیادہ مشہور ہیں۔ حکومت کی ذمہ داریوں کا آپ کو اس حد تک احساس تھا کہ ایک مرتبہ آپ نماز کے بعد رو رہے تھے کہ آپ کی زوجہ محترمہ نے اس کا سبب پوچھا۔ اس پر آپ نے کہا۔ اے فاطمہ! میں مسلمانوں اور اجنبیوں پر حکمران بنایا گیا ہوں ان غریب لوگوں کے متعلق سوچ رہا ہوں جنہیں دو وقت کا کھانا میسر نہیں آتا، جو بیمار ہیں اور ان کے پاس تن ڈھانپنے کو کپڑا نہیں۔ جن کا کنبہ زیادہ ہے اور آمدنی کم۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے ان لوگوں کے متعلق دریافت کرے گا۔ میں ڈر گیا کہ میری کوئی صفائی اس دن کام نہ آئے گی۔ لہذا میں رو پڑا۔

آپ نے خلیفہ ہوتے ہی شاہی اصطبل کے گھوڑے نیلام کر دیئے اور تمام رقم کو بیت المال میں جمع کروا، آپ نے اپنی زوجہ سے درخواست کی کہ وہ اپنے تمام جواہرات کو جو انہیں باپ اور بھائیوں سے ملے تھے بیت المال میں جمع کرادے، ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب فاطمہ کا بھائی یزید دوم تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی بہن کے جواہرات واپس کرنے چاہے لیکن فاطمہ نے واپس لینے سے انکار کر دیا۔

آپ نے یہودیوں اور عیسائیوں کی دو عبادت گاہیں واپس کر دیں، جو ان سے چھین لی گئی تھیں۔ آپ نے باغ فدک کو اہل بیت کے حوالے کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تبریٰ کو حکماً "بند کرادیا" اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر معمولی ظلم بھی کرتا تو اسے سخت سزا دی جاتی۔ عراق، خراسان اور سندھ کے علاقوں میں ٹیکسوں کے بوجھ کو ہلکا کیا گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہد حکومت اموی دور کا بہترین زمانہ ہے۔ مورخوں نے اس نیک دل حکمران کے عہد حکومت پر اظہارِ اطمینان کرتے ہوئے اس پر دل کھول کر قلم اٹھایا۔

آپ کے عہد حکومت میں خارجیوں نے آپ سے کہا کہ انہیں ان (حضرت عمر بن عبدالعزیز) کی حکومت پر کوئی اعتراض نہیں لیکن وہ سلیمان کے اس فیصلہ کے خلاف ہیں کہ یزید کو ان کا جانشین بنایا جائے۔ آپ نے سلطنت کو وسیع کرنے کی نسبت اس کے نظم و نسق کو بہتر بنانے پر وقت صرف کیا۔ مسلمہ کی اس فوج کو واپس بلا لیا گیا جس نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا، تمام سرحدی مہموں کو بند کر دیا گیا۔ صنعت و حرفت میں لوگوں کی حوصلہ افزائی کی گئی، یزید ابن مہلب کو آئینی خلاف ورزی کے جرم میں حلب کے قلعہ میں بند کر دیا، آپ نے سلطنت کے تمام گورنروں کے نام احکام بھیجے کہ وہ لوگوں پر سختی نہ کریں، اور نہ کوئی سخت قانون نافذ کریں۔ ایک دن آپ کے بیٹے عبدالملک نے آپ سے کہا کہ ”آپ جن خامیوں کو دور کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے زیادہ سختی کی ضرورت ہے“ اس پر آپ نے جواب دیا کہ ”تلوار کے زور سے جو اصلاح ہو وہ زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی۔“

۷۱۹ء میں آپ نے ہسپانیہ کے گورنر الحمر کو برطرف کر کے اس کی جگہ ایک عیسائی سردار سمع بن مالک کو مقرر کیا۔ سمع بن مالک نے ہسپانیہ کے نظم و نسق میں بڑی قابلیت کا ثبوت دیا خلیفہ کے حکم کے مطابق ہسپانیہ کے مختلف قبیلوں اور مختلف مذہب کے لوگوں کی مردم شماری کی گئی، اس کے ساتھ ہی سارے ملک کی عام پیمائش کی گئی۔ سرقہ میں جامع مسجد بنوائی گئی۔ کئی ایک پل بنوائے گئے۔ ہسپانیہ میں امن و امان قائم کرنے کے بعد سمع نے سپتی بینا کے باغیوں کو شکست دی۔ مئی ۷۲۱ء میں طولوس کی لڑائی میں سمع کی موت کے بعد عبدالرحمن نے کمان سنبھال لی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عام پسند حکومت سے اموی امیر بڑے نالاں تھے، انہیں اندیشہ تھا کہ اس طرح سیاسی اقتدار ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے خلاف سازش کی۔ آپ کو زہر دیا گیا۔ آپ کو دیر سمعان میں دفن کیا گیا۔

(۱) اسی موقع پر آپ نے اپنی تمام جاگیر بھی واپس کر دی اور مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ”خلفائے بنو امیہ نے ہمیں ایسی جاگیریں دیں جنہیں دینے کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔ میں ان سب جاگیروں کو ان کے اصلی حقداروں کو واپس کرتا ہوں کیونکہ ہم ان جاگیروں کے لینے کے بالکل حقدار نہ تھے۔ میں اس مہم کا آغاز اپنی ذات اور اپنے خاندان سے کرتا ہوں۔“ آپ نے اپنا سب مال و منال بیت المال میں جمع کروا دیا یہاں تک کہ معمولی سے معمولی شے بھی اپنے پاس

رہنے نہ دی۔

(۲) حضرت عمر بن عبدالعزیز ملت اسلامیہ کا اصل مرض پہچان گئے تھے۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ کسی حکومت کا کوئی گناہ اس سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن نہیں ہوتا کہ اس کے والی اور عمائد امراء اور حکام رعایا کے اموال مطلق العنانی کے ساتھ جاو بے جا تصرف کریں اور ان سے باز پرس کرنے والا کوئی نہ ہو۔ وہ رعایا پر ظلم کریں۔ اسے جی بھر کر لوٹ لیں۔ اس کے ساتھ بھیڑ بکریوں جیسے سلوک کریں۔ اور وقت کا حاکم چپ بیٹھا ہوا یہ تماشہ دیکھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے فتوحات کی بجائے تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن اساس قرار دے کر اپنی پوری کوشش اس پر صرف کی اور خلافت کے ہر دابستہ دامن میں یہ روح پھونکنے کی کوشش کی۔

(۳) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عدل گستری اور انصاف پسندی، حق نوازی اور پاک نیتی کے معترف دوست دشمن تھے۔ علامہ مسعودی کا بیان ہے کہ جب قیصر روم کو آپ کی وفات کی اطلاع ملی تو اسے سخت صدمہ ہوا۔ وہ بار بار آپ کا نام لیتا اور آپ کے مناقب بیان کرتا تھا، اور ساتھ ساتھ روتا بھی تھا۔ اسی سلسلہ میں وہ یہ بھی کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ کے بعد کوئی شخص مردے زندہ کر سکتا تھا تو میرے خیال میں وہ عمر بن عبدالعزیز تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں اس راہب کو پسند نہیں کرتا جو دنیا کو چھوڑ کر کسی گرجا کے گوشہ میں بیٹھ کر عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ بلکہ میں اس راہب (حضرت عمر بن عبدالعزیز) کو دیکھ کر ہمیشہ حیران اور متعجب ہوتا ہوں کہ جو اپنے قدموں میں دنیا جہان رکھتا تھا اور پھر بھی راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ بادشاہ کی مثال ایک بازار کی ہے جس میں وہی چیزیں لائی جاتی ہیں جن کی مانگ ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ خود نیک ہوگا تو رعایا بھی نیک ہوگی اگر وہ نیک نہیں تو رعایا سے نیکی کی امید رکھنا فضول ہے۔

آپ نے کوشش کی کہ نظام حکومت ہر قسم کے مفاسد سے پاک صاف ہو جائے اور اس میں خلافت راشدہ کی رنگت پیدا ہو جائے مگر واسے ناکامی آپ کا عہد خلافت بہت ہی مختصر تھا۔





کوچک میں عرب رومیوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جاری کردہ اصلاحات ختم کر دی گئیں۔ خارجیوں نے بھی یزید بن عبدالملک کی مخالفت شروع کر دی۔

جب سلطنت کو چاروں طرف سے مشکلات کا سامنا تھا تو یزید بن عبدالملک اپنے حرم کی خواتین سلامہ اور جبابہ سے دل بہلا رہے تھا۔ جبابہ کی موت کا یزید کو اتنا صدمہ ہوا کہ جلد ہی اس دنیا سے چل بسا۔ یزید بن عبدالملک نے مدینہ کے اس حاکم کو برطرف کر دیا جو اہل بیت پر سختیاں کر رہا تھا۔

یزید بن عبدالملک ہی کے عہد میں عباسیوں نے مشرق میں اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں۔ عباسی داعیوں نے سوڈانگروں کے بھیس میں اپنا کام شروع کر دیا۔ امویوں نے عباسیوں کی اس تبلیغ کو نچلنا چاہا۔ لیکن وہ آہستہ آہستہ لوگوں میں عام ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ایران میں امویوں کے خلاف خفیہ تحریکوں کا جال بچھ گیا۔ چند سال بعد اسی تحریک نے امویوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس کے بیٹے عبداللہ کی وفات پر ان کے صاحبزادے علی اپنے خاندان کے امیر بنے، آپ کے بعد یہ مرتبہ محمد بن علی بن عبداللہ کو ملا۔ سب سے پہلے محمد بن علی بن عبداللہ نے اپنی موت پر اپنے بیٹے ابراہیم، عبداللہ ابوالعباس (السفاح) اور عبداللہ ابو جعفر (المنصور) کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین مقرر کیا۔

(۱) سلامہ اور جبابہ یزید بن عبدالملک کی محبوب ترین کنیزیں تھیں۔ عیش پسند اور آرام طلب یزید ہر وقت ان کی محبت میں گرفتار رہتا تھا۔ یہ عشق اس درجہ تک پہنچ چکا تھا کہ جب جبابہ کا انتقال ہوا تو یزید نے تین روز تک اس کی نعش کو بے گورد کفن اپنے پاس رکھا اور بار بار اس کی نعش کو چومتا، پیار کرتا اور بچوں کی طرح دھاڑھیں مار مار کر روتا تھا۔

## چودھواں باب

### ہشام بن عبد الملک

یزید بن عبد الملک کے وفات کے بعد اس کا بھائی ہشام اس سلطنت کا وارث بنا جس میں قبائل کی رقابتوں نے رخنہ پیدا کر دیا تھا۔ داخلی اور خارجی لحاظ سے اس سلطنت کو مشکلات کا سامنا ہوا۔ مشرق میں ترکمانوں، خارجیوں اور عباسی داعیوں نے اموی سلطنت کی بنیاد ہلا دی، قوم کے بہادر سپوت خانہ جنگی میں مرچکے تھے، یا پھر دربار دمشق کی سازشوں کا شکار ہو چکے تھے، یزید ابن عبد الملک نے سلطنت کا سارا کام کاج نااہل افسروں کے سپرد کر دیا تھا۔ اس تاریکی میں بھی نظم و نسق کے آسمان پر کہیں کہیں چمکتے ہوئے ستارے دکھائی دے جاتے تھے، ذمہ دار افسروں کی اکثریت اسلامی جوش و خروش سے عاری ہو چکی تھی۔ اس موقع پر سلطنت کی ناؤ کھینے کے لئے بہادر اور قابل ملاح کی ضرورت تھی۔ ہشام بن عبد الملک اس کے لئے موزوں نہ تھا لیکن اس کے باوجود اس نے دربار دمشق میں اصلاح کی، لیکن شکی مزاج ہونے کی حیثیت میں وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا تھا، وہ جاسوسی اور سازش کے ذریعہ اپنے مخالفوں کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ جھوٹی رپورٹوں کی بناء پر اس نے بارہا اپنی سلطنت کے بہترین افراد کو قربان کر دیا۔ وہ گورنروں کو اس تیزی سے بدلتا چلا گیا کہ اس کا نتیجہ تباہ کن صورت میں رونما ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں صرف خالد بن عبد اللہ قسری طویل مدت تک عراق کی گورنری پر قائم رہا۔ اس نے اپنی ذہانت سے بنو مضر اور بنو حمیر میں توازن قائم رکھا۔ اس کے عہد میں ان دونوں قبیلوں میں مشکل سے کوئی فساد ہوا۔ یہودیوں اور عیسائیوں سے اس کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اس نے دونوں قوموں کے لوگوں پر بڑے بڑے عہدوں کے دروازے کھول دیئے۔ اس کے عروج کی طرح اس کا زوال بھی اچانک تھا۔

ہشام کے تخت نشین ہوتے ہی خراسان میں بنو مضر اور بنو حمیر میں فساد شروع ہو گیا۔ اس فساد کو بڑی مشکل سے دبایا گیا۔ اسکے بعد سعدیوں نے بغاوت کر دی۔ اس بغاوت میں بعض عربوں اور ترکمانوں نے بھی باغیوں کا ساتھ دیا اس بغاوت کو دبانے کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔ یہاں تک کے عراق کے والی خالد بن عبد اللہ نے اپنے بھائی اسد کو بغاوت

فرو کرنے کے لئے بھیجا۔ باغیوں کو فرعانہ سے باہر نکال دیا گیا۔ باغیوں نے خاقان کی مملکت میں پناہ لی۔ اسد ان باغیوں کی سرکوبی کے لئے خاقان کی مملکت میں داخل ہو گیا، ایک لڑائی میں خاقان نے شکست کھائی۔ لڑائی کے بعد اس کے ایک سپاہی نے اسے قتل کر دیا۔ خاقان کی موت کے تھوڑی مدت بعد اسد بھی چل بسا۔ اس کے بعد نصر بن سیار حاکم خراسان مقرر ہوا۔ اس کا عہد پُر امن تھا۔ اس نے سعدیوں کو ان کے شہروں میں آباد ہونے کے لئے دوبارہ بلا لیا۔

جب وسط ایشیا میں یہ واقعات ہو رہے تھے تو اس وقت شمالی ایران اور آرمینیا پر کاکیشیا میں رہنے والے قبائل حملہ کر رہے تھے۔ اس وقت آرمینیا کا گورنر ہشام کا بھائی مسلمہ تھا۔ ۶۷۷ء میں ترکوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے ایران پر حملہ کر دیا لیکن شکست کھائی۔ اس شکست کے بعد ترک قبائل ایران پر حملہ کرتے رہے۔ ان حملوں نے اتنی شدید صورت اختیار کر لی تھی کہ ہشام کو ایک مرتبہ پھر مسلمہ کو آرمینیا کا گورنر بنانا پڑا، لیکن ایک سال بعد یہ عہدہ مروان کو دیا گیا۔ مروان نے ان قبیلوں کو ان کے علاقوں میں جا کر شکست دی۔ عربوں نے گرجستان کو بھی فتح کیا۔ جنوبی عرب میں بھی بغاوتوں کو فرو کرنا پڑا۔ اسی عہد میں خارجیوں نے بھی کئی دفعہ سراٹھایا۔

افریقہ اور ہسپانیہ میں تھوڑے وقت تک حالات بہتر رہے۔ عربوں نے اس مدت میں اپنے مقبوضات میں اضافہ کیا۔ فرانس میں بھی بہت سے علاقے فتح کئے گئے۔ مغرب میں ہشام کو کامیابی ہو رہی تھی کہ ایک سال بعد شمالی افریقہ میں بربریوں اور خارجیوں نے بغاوت کر دی۔ سسلی میں لڑنے والے جرئیل کو قیروان جانا پڑا، غزوہ الاشراف میں عربوں کے بڑے بڑے آدمی مارے گئے۔ اس شکست کا ہسپانیہ پر یہ اثر ہوا کہ وہاں بھی بغاوت ہو گئی۔ شمالی افریقہ کے نئے دائرے حنظلہ نے بربریوں کو شکست دے کر ان کی قوت توڑ دی۔ حنظلہ کے نرم اور پُر امن عہد حکومت میں شمالی افریقہ ایک مرتبہ پھر خوش حال ہو گیا۔

ہسپانیہ کا مقبوضہ علاقہ اموی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ دوسرے ملکوں کی طرح اس ملک کے لوگوں نے بھی عربوں کا انداز زندگی اختیار کر لیا تھا، دمشق سے بہت دور ہونے کی وجہ سے ہسپانیہ پر مرکزی حکومت کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی تھی۔ طورس کی دیواروں کے تلے سح کی وفات کے بعد عرب فوج نے عبدالرحمن کو اپنا کمانڈر چن لیا۔ چند ماہ بعد قیروان کے دائرے غلبہ نے فرانس کو فتح کرنے کی مہم شروع کی، اس نے جنوبی فرانس کے کئی ایک اہم شہروں پر قبضہ کر لیا۔ غلبہ کی موت نے فرانس کی مہم کو ایک مرتبہ پھر روک دیا۔ پانچ

سال میں ہسپانیہ کے پانچ گورنر مقرر کئے گئے اس مدت میں نظم و نسق کو کافی نقصان پہنچا۔ عبدالرحمن کے گورنر مقرر ہونے کے بعد ہسپانیہ کے عرب قبائل ایک مرتبہ پھر متحد ہو گئے۔ اس نے ہسپانیہ کے نظم و نسق کو بہتر بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ نظم و نسق پر پوری طرح سے قابو پانے کے بعد اس نے فرانس کو فتح کرنے کے لئے ایک فوج تیار کی اسی اثنا میں سردانی کے عرب گورنر نے ڈیوک آف ایگوی تیسن سے مل کر عبدالرحمن کے خلاف بغاوت کر دی۔ عبدالرحمن نے اس باغی سردار کو شکست دی۔

ارغون اور نادرے نبرہ کی راہ سے عبدالرحمن ۷۳۲ء میں فرانس میں داخل ہوا۔ آرمیز پر قبضہ کرنے کے بعد عبدالرحمن بورڈو کی جانب ہٹا۔ اس پر بھی عبدالرحمن نے نہایت آسانی سے قبضہ کر لیا۔ ڈیوک آف ایگوی تیسن کو پھر شکست ہوئی۔ اس شکست کے بعد اسلام کا پھریرا لائیز، بین کون اور سن کی دیواروں پر لہرانے لگا۔ ان شہروں میں تھوڑی تھوڑی فوج رکھنے کے بعد عبدالرحمن فرانس کی راجدھانی کی طرف بڑھا۔ اب ڈیوک نے مارے خوف کے چارلس سے امداد کی اپیل کی۔ چارلس نے ڈینیوب اور ایلب کے کناروں پر آباد وحشی قبائل میں سے ایک فوج بھرتی کر کے جنوب کی راہ لی۔ اسی اثنا میں عربوں نے طورس کو فتح کر لیا تھا۔ جب عربوں کا کمانڈر عبدالرحمن دریائے لواڈ کو عبور کرنا چاہتا تھا کہ اسے چارلس کی فوجوں کے آنے کی اطلاع ملی۔ عبدالرحمن نے پیچھے ہٹ کر طورس اور پو ایک نیز کے درمیان صف بندی کر لی۔ مال غنیمت سے لدے ہوئے بربری سپاہیوں نے واپس جانے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ چارلس کی فوج نے دریائے لواڈ عبور کر کے عرب فوج کے قریب ہی ڈیرے ڈال دیئے۔ آٹھ دن تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ اگلے دن لڑائی ہوئی یہاں تک کہ تاریکی نے دونوں فوجوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ اگلے دن پھر رن پڑا۔ عرب فوج میدان مار چکی تھی کہ اچانک یہ شور اٹھا کہ مال غنیمت کے خزانے خطرے میں ہیں۔ اس پر سپاہی اپنی صفوں سے نکل کر مال غنیمت بچانے کے لئے چل دیئے۔ عبدالرحمن نے ضبط قائم رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود، اسی اثنا میں دشمن کے ایک نیزے نے اس کا کام تمام کر دیا۔ کمانڈر کی موت نے ساری فوج میں ابتری پیدا کر دی۔ دشمن نے اس ابتری سے فائدے اٹھاتے ہوئے اپنے حملے کو تیز کر دیا۔ رات کی تاریکی نے پھر دونوں فوجوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

وقت کے وقت عبدالرحمن کے تابوں میں اختلاف بڑھ گیا۔ فرائقوں پر فتح حاصل کرنا خارج از بحث تھا۔ اب صرف ایک ہی مسئلہ تھا کہ فوج کو سلامتی کے ساتھ کس طرح واپس

پہنچایا جائے۔ تاریکی کی آڑ میں عرب جرنیلوں نے اپنی فوج سمیت سپتی مینیا کی راہ لی۔ دن چڑھے مخالف خمیوں کو خاموش پا کر چارلس اور ڈیوک نے اسے کسی جنگی چال پر محمول کیا۔ وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھے۔ عرب خمیوں میں سوائے زخمیوں کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ چارلس کے سپاہیوں نے ان زخمیوں پر تلوار اٹھائی۔ چارلس نے عرب فوج کے تعاقب کی جرأت کی۔ وہ فوراً ہی شمال کی طرف چل پڑا۔ طورس کے میدان میں عربوں نے اس عالمگیر سلطنت کو کھوریا جو تقریباً ان کی مٹھی میں آچکی تھی۔ مسلمانوں کی تفرقہ بازی انہیں لے ڈوبی۔ عربوں کی تاریخ میں طورس کا میدان بلاط الشهداء کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس جنگ میں عبدالرحمن کے ساتھ کئی بڑے بڑے مسلمان شہید ہوئے تھے۔

عیسائی مورخوں نے لکھا ہے کہ اس لڑائی میں عرب فوج کے تین لاکھ ساٹھ ہزار سپاہی کام آئے۔ حالانکہ عبدالرحمن اس سے ایک چوتھائی فوج لے کر فرانس میں داخل ہوا تھا۔ اس مبالغہ آمیزی کا اس حقیقت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ باوجود باہمی اختلاف اور فساد کے تھوڑی مدت بعد پھر عربوں نے فرانس پر بلہ بول دیا تھا۔ اگرچہ یہ نئی فوج عبدالرحمن کی فوج کی طرح کیل کانٹے سے پوری طرح لیس نہیں تھی۔ اپنے سردار کی موت سے جوش میں آکر لیوسن کے گرجا کو عربوں نے تباہ کر دیا۔

عبدالرحمن کے نائب نے بہت جلد عرب فوج کی تباہی کی خبر قیروان اور دمشق میں بھجوا دی ہشام نے فوراً ہسپانیہ میں عبدالملک بن قسطن کو گورنر بنا کر بھیج دیا۔ ہشام نے عبدالملک کو ہدایت کی کہ وہ عربوں کے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرے۔ ہسپانیہ کے شمالی علاقے کے لوگوں نے عبدالرحمن کی موت سے فائدہ اٹھانے کے لئے بغاوت کر دی۔ نئے گورنر نے سب سے پہلے ارغون اور نبرہ کی طرف توجہ کی۔ باغیوں نے کئی لڑائیوں میں شکست کھانے کے بعد آخر کار صلح کی درخواست کی اب عبدالملک نے لاجبئی روک میں داخل ہو کر وہاں کی قلعہ بندیوں کو مضبوط کیا۔ ۶۷۳ء میں فاربون کے نائب حاکم یوسف نے مارسیلز کے ڈیوک کو اپنے ساتھ ملا کر دریائے دین کو عبور کر لیا۔ سین ریمی پر قبضہ کرنے کے بعد وہ لوگ ٹون کی طرف بڑھے۔ عربوں نے معمولی محاصرہ کے بعد اس شہر پر قبضہ کر لیا اس کے بعد عبدالملک جنوب کی طرف بڑھا لیکن نومبر ۶۷۳ء میں اسے برطرف کر دیا گیا۔ عرب مورخ اس کی برطرفی کے مختلف اسباب بیان کرتے ہیں۔ اپنے پانچ سالہ عہد حکومت میں وہ کئی مرتبہ فرانس میں داخل ہوا۔ وہ مسلم فوج کو پرانی سرحدوں سے بہت آگے لے گیا تھا۔ اس کے عہد میں لاجبئی روک کے عربوں نے اپنی حفاظت کے لئے قلعے بندیوں کو مضبوط

کیا۔

۱۷۳۶ء میں اس نے ڈانٹی میں داخل ہو کر سینی پال، تراپوشاٹے، دون، زیرے وانے اور نیولائیز پر قبضہ کر لیا۔ پدمون پر ایک سال پہلے حملہ ہو چکا تھا ضروری مقامات پر چھاؤنیاں قائم کی جا چکی تھیں، چارلس نے جس نے اب مارٹل کا لقب اختیار کر لیا تھا عربوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر لومباردوں کے بادشاہ سے امداد طلب کی۔ اس پر بادشاہ کا بھائی شلدربراں بہت سی فوج لے کر چارلس کی فوج سے آملہ دونوں فوجوں نے عرب مقبوضات پر حملہ شروع کئے۔ اسی اثناء میں چارلس نے پہاڑی قبیلوں کو اکسایا کہ وہ عربوں پر پائیری نیز کے درے بند کر دیں۔ اس طرح عربوں پر ہر طرف سے حملے شروع کر دیئے گئے لوگ نون پر چارلس کا قبضہ ہو جانے کے بعد وہاں کی ساری مسلم آبادی کو قتل کر دیا گیا۔ چارلس نے ناریوں کا محاصرہ کر لیا لیکن عربوں کی شدید مزاحمت دیکھ کر اس نے محاصرہ اٹھالیا۔ چارلس نے عربوں کی کسی مزید پیشقدمی کو روکنے کے لئے دریائے لواژ کے جنوبی علاقے کو ویرانے میں بدل دیا۔ بریزاگدی اور دوسرے شہر جنہیں عربوں نے خوبصورت بنایا تھا زمین کے ساتھ ہموار کر دیئے۔ نیز جو پرانے وقتوں کی عمارتوں کے لئے مشہور تھا جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیا گیا، ایک فرانسیسی مورخ اس حرکت کو بہت ہی افسوس ناک بیان کرتا ہے۔ میکی لون جس نے عربوں کی موجودگی میں بڑی ترقی کر لی تھی پوری طرح سے تباہ کر دیا گیا۔ جب فرانس میں یہ صورت حالات تھی تو اس وقت جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے شمالی افریقہ میں بربروں نے بغاوت کر دی تھی۔

افریقہ ہی کی بد امنی نے ہسپانیہ میں مشکلات پیدا کیں۔ ۱۷۴۰ء میں عبد الملک نے ابن قطن عقبہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ عبد الملک نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ بلج کے زیر کمان ایک شامی فوج نے ہسپانیہ میں پہنچ کر حالات کو اور زیادہ نازک کر دیا۔ ایک لڑائی میں عبد الملک مارا گیا۔ اس کی نعش کو صلیب پر لٹکایا گیا۔ بلج بھی ان زخموں سے بچ نہ سکا اور مر گیا۔ عرب شاہوں نے ثعلبہ کو اندلس کا گورنر بنا کر خانہ جنگی کو جاری رکھا۔ ہسپانوی مسلمانوں نے عبد الملک کے بیٹے کا ساتھ دیا۔ شامی ثعلبہ کے طرفدار تھے اور بربری اپنے مقاصد کے لئے لڑ رہے تھے۔ ہسپانیہ کا نظم و نسق ملکی طور پر تباہ ہو چکا تھا۔ فرانس کی چھاؤنیوں کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ ناریوں کے عرب کمانڈر نے شہر خالی کر دیا۔ اسی طرح عربوں نے ہسپانیہ کے کئی ایک دوسرے شہروں کو بھی خالی کر دیا۔ اگر اس وقت چارلس کا بیٹا پیپین عربوں پر حملہ کرتا تو وہ انہیں مزاحمت سے خالی پاتا۔ لیکن فرانسسوں کو ابھی تک

پچھلی لڑائیاں یاد تھیں۔ اس لئے انہوں نے حملہ کی اتنی تاخیر کی کہ عرب باہمی لڑائیوں سے بہت کمزور ہو گئے۔ جب ہسپانیہ کے مسلمان خانہ جنگی میں مصروف تھے تو داخلی حالات پہلے سے زیادہ خراب ہوتے جا رہے تھے۔

ہشام کے تحت نشین ہوتے ہی عراق کی حکومت خالد کے سپرد تھی اس نے حکومت کے کاروبار کو اچھی طرح سے چلایا۔ اس کے نظم و نسق کی وجہ سے بہت سے لوگ اس کے دشمن ہو گئے اور انہوں نے خالد کے خلاف ہشام کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ ہشام نے اسے عراق کی حکومت سے علیحدہ کر دیا۔ خالد کی جگہ یوسف بن عمر کو عراق کا گورنر مقرر کیا گیا۔ وہ مضری تھا۔ اسے خالد سے نفرت تھی۔ یوسف بن عمر نے خالد کو گرفتار کر لیا لیکن ہشام کے حکم سے رہا کر دیا گیا۔

خالد کے خلاف سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ وہ بنو ہاشم سے اچھا سلوک کرتا تھا۔ یوسف بن عمر نے بنو ہاشم پر سختیاں شروع کر دیں ہشام نے یوسف بن عمر کے کام میں کوئی مداخلت نہ کی۔ امام حسینؑ کے پوتے حضرت زید نے ہاشم سے اس بد سلوکی کی شکایت کی لیکن ہشام نے ان کے ساتھ بھی ناروا سلوک کیا۔ اس پر آپ نے کوفہ پہنچ کر ایک جمعیت کو امویوں کے خلاف کھڑا کر دیا حضرت زید شہید ہوئے۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کی نعش کو ایک خفیہ مقام میں سپرد خاک کیا لیکن امویوں نے آپ کی آخری آرام گاہ کا پتہ کر کے آپ کی نعش کو وہاں سے نکال کر جلادیا۔ راکھ کو فرات میں پھینک دیا گیا۔ حضرت زید کا نوجوان بیٹا یحییٰ خراسان کی طرف بھاگ گیا۔ اسی اثنا میں ابو مسلم خراسانی نے خراسان میں عباسیوں کے حق میں اشاعت شروع کر دی۔ ہشام کی موت نے ابو مسلم کے کام کو اور زیادہ آسان کر دیا۔ ہشام نے فروری ۷۴۳ء میں وفات پائی اس کا بھتیجا ولید دوم اس کا جانشین ہوا۔

امام محمد باقر نے ہشام کے عہد میں وفات پائی۔ آپ کے بیٹے امام جعفر صادق آپ کے جانشین ہوئے۔

ہشام اپنی فراست تدبیر اور سیاست کی بنا پر بنو امیہ کے بہترین خلفاء میں شمار ہوتا ہے۔ اسے امیر معاویہ عبد الملک کے پہلو میں جگہ دی جاسکتی ہے، وہ روپیہ خرچ کرنے میں بے حد محتاط تھا۔ عمال کے متعلق اس کا مسلک حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ملتا جلتا تھا۔ ٹیکس اور خراج وصول کرنے اور انہیں تقسیم کرنے کا جتنا اعلیٰ انتظام ہشام نے کیا دیکھا انتظام کسی اور عہد میں نظر نہیں آتا۔ تعمیری کارناموں کے لحاظ سے اس کا دو بہت مشہور ہے۔ فتوحات کے اعتبار سے ہشام کا زمانہ

بنو امیہ کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

اس نے باطل عقائد کو دبایا اور مفسدین کو باطل خیالات کی اشاعت سے روکا۔ خلق قرآن کا فتنہ سب سے پہلے اس کے عہد میں پیدا ہوا۔ ہشام کو علم ہوا تو اس نے اس فتنہ کے بانی جعد بن دریم کو گرفتار کیا اور عراق کے گورنر خالد بن عبداللہ کے پاس بھیج دیا کہ وہ اسے قتل کر دے۔ اس نے تساہل سے کام لیا تو اس کی سرزنش کی اور سختی سے حکم دیا کہ وہ اسے قتل کرے چنانچہ عین عید قربان کے روز اسے قتل کر دیا گیا۔

غیلان بن یونس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایام میں قدریہ عقائد کا اظہار کیا آپ نے اسے بلایا۔ بحث سے قائل کیا۔ اس نے توبہ کر لی، مگر ہشام کے زمانے میں اس نے پھر اپنے عقائد کی اشاعت کی۔ ہشام نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔

ہشام بنو امیہ کا آخری خلیفہ ہے جس نے اپنے زبردست ہاتھوں سے اسلام کی سیاسی مرکزیت کو تھامے رکھا اور اس میں کسی قسم کا ضعف پیدا نہ ہونے دیا۔



## پندرہواں باب

### ولید دوم

جب ۶۷۲۳ میں ہشام نے وفات پائی تو اس وقت عربوں کی سلطنت اپنی انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ یورپ میں جنوبی فرانس، ہسپانیہ اور پرتگال پر قبضہ ہو چکا تھا۔ بحیرہ روم کے جزیروں میں سے مجور کا، مینور کا، اویکا، کارسیکا، سارونیا، کریٹ، روڈیس، قبرص اور سسلی کا ایک حصہ عربوں کے قبضہ میں تھا، ان کے علاوہ یونانی ٹاپومنڈل کے کئی ایک جزیرے بھی ان کے قبضہ میں آچکے تھے۔ شمالی افریقہ میں آبنائے جبل الطارق سے خاکنائے سویز تک اور ایشیا میں صحرائے سینا سے منگولیا کے میدانوں تک سارے علاقے پر قابض ہو چکے تھے لیکن مشرق اور مغرب دونوں میں نا اتفاقی کی وجہ سے یہ عالی شان سلطنت کمزور ہو رہی تھی۔ اس نازک گھڑی میں ہشام کی وفات نے حالات کو اور نازک بنا دیا۔ اس کا بیٹا ولید دوم اپنے باپ کی سی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ عام لوگ اس کی زندگی سے متنفر تھے۔ ہشام چاہتا تھا کہ اپنے جانشین کو بدل دے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

اپنے چچا کی موت کی خبر سن کر ولید اردن سے دمشق پہنچ گیا۔ اس نے اپنی حکومت کا آغاز ہشام کے خاندان کو محلات میں نکالنے سے کیا۔ ہشام کی تدفین تک بھی کئی ایک ناخوش گوار حالات رونما ہو چکے تھے۔

شروع شروع میں ولید نے سپاہیوں کی تنخواہ بڑھادی اور محتاجوں کے وظائف میں اضافہ کیا لیکن یہ اچھے کام بہت جلد ولید کی فطرت تلے دب گئے۔ عراق کا سابق گورنر خالد اس وقت دمشق ہی میں رہتا تھا۔ ولید نے اسے یوسف کے حوالے کر دیا۔ یوسف نے اسے مروادیا۔ اسی طرح یحییٰ کو بھی قتل کر کے اس کے سر کو دمشق میں صلیب پر لٹکا دیا گیا۔ یحییٰ کے قتل نے خراسان میں ہیجان پیدا کر دیا۔ اس نے اموی اقتدار کو قریب تر کر دیا۔ لوگوں نے بہت زیادہ غم کا اظہار کیا۔ یحییٰ کے قتل کے دن جس قدر لڑکے پیدا ہوئے ان سب کا نام یحییٰ رکھا گیا۔ جب ابو مسلم نے لوگوں کو اپنے گرد بلایا تو وہ جوق درجوق انتقام لینے کے لئے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے جمع ہو گئے۔ زان بعد سیاہ رنگ عباسیوں کا نشان بن گیا جن امویوں

نے یحییٰ کے قتل میں حصہ لیا تھا انہیں چن چن کر قتل کر دیا گیا۔  
 ہشام نے ثعلبہ کو ہسپانیہ کے گورنر بنائے جانے کی تصدیق کر دی تھی۔ اس نے  
 ہسپانیوں کی اتنی حمایت کی کہ مصری اور بلاویوں (ہسپانوی مسلمان) اس کے خلاف متحد  
 ہو گئے۔ اس نے اتحادیوں کو ماروہ کی دیواروں تلے شکست دی۔ ثعلبہ نے دس ہزار باغیوں کو  
 گرفتار کر لیا تھا۔ وہ ان سب کو دوسرے دن قتل کرنا چاہتا تھا کہ ہشام کی طرف سے مقرر  
 کردہ گورنر وہاں پہنچ گیا۔ قرطبہ کے قریب ایک لڑائی میں یہ نیا گورنر مارا گیا۔ سولہ ماہ تک  
 ہسپانیہ ایک عارضی گورنر کے ماتحت رہا یہاں تک کہ دسمبر ۷۴۶ء میں یوسف ہسپانیہ کا گورنر  
 مقرر کیا۔ یوسف کے تقرر نے دونوں پارٹیوں کے اختلاف کو ختم کر دیا دس سال تک یوسف  
 ہسپانیہ کا گورنر رہا۔ اس مدت میں دمشق کی طرف سے ہسپانیہ کے معاملات میں کسی قسم کا  
 دخل نہ دیا گیا۔ اگر ۷۵۵ء میں ہشام کا پوتا عبدالرحمن عباسیوں کے انتقام سے بچ کر ہسپانیہ  
 نہ پہنچ سکتا تو عین ممکن تھا کہ ہسپانیہ میں یوسف اپنی خاندانی حکومت قائم کر لیتا۔ عبدالرحمن  
 کے وہاں پہنچ جانے سے تمام حالات بدل گئے۔ اس اموی شہزادے نے اپنی قابلیت، صلاحیت  
 اور جرات سے تمام حالات پر قابو پانے کے بعد ہسپانیہ میں اپنے خاندان کی حکومت قائم  
 کر لی۔ اب ہسپانیہ کی تاریخ مرکزی خلافت کی تاریخ سے ہٹ کر علیحدہ طور پر بیان کی جائے  
 گی۔

جب یوسف اپنے مخالفوں سے لڑ رہا تھا تو سپین نے حملہ کر دیا اور فرانس کے شہروں پر  
 دوبارہ قبضہ کر لیا۔ جن شہروں کی رونق کو عربوں نے دوبالا کیا تھا انہی سپین کی فوج نے  
 ویرانوں میں بدل دیا۔ اس تباہی سے ان علاقوں میں قحط پڑا جس میں لوگ بھوکوں مر گئے۔  
 ۷۵۵ء میں عربوں کے پاس صرف نارجون رہ گیا تھا۔ سپین نے تین سال تک اس شہر کا  
 محاصرہ کئے رکھا۔ آخر کار فرانکوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو چن چن کر قتل کر دیا گیا۔  
 جنوبی فرانس کے چھن جانے کے بعد بسکے کے کئی ایک ساحلی شہروں سے عربوں کا قبضہ اٹھ  
 گیا۔

شمالی افریقہ میں بربریوں اور خارجیوں نے حنظلہ کے اقتدار کو تسلیم کر لیا تھا۔ تجارت اور  
 صنعت نے ایک مرتبہ پھر ترقی کی۔ ۷۴۸ء میں عبدالرحمن بن حبیب نے بغاوت کی۔ چونکہ  
 حنظلہ خون ریزی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے وہ ایشیا کی طرف چل دیا۔ عبدالرحمن بن حبیب  
 نے قیروان پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے وائسرائے ہونے کا اعلان کر دیا۔ دس سال تک  
 عبدالرحمن بن حبیب کا اقتدار رہا۔

دمشق کے اموی اکابر میں ولید دوم کے عہد میں پہلی مرتبہ شدید اختلاف پیدا ہوا، ولید دوم کی عشرت پسندی سے بڑے بڑے اموی سردار نالاں تھے ان میں سے کئی ایک نے تنگ آکر اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ خالد کے قتل سے شام کے بنو حمیر جوش میں آگئے تھے۔ انہوں نے ولید کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس بغاوت کی رہ نمائی ولید اول کے بیٹے اور عبد الملک کے پوتے یزید نے کی۔ دمشق کے عوام نے بھی یزید کا ساتھ دیا۔ ولید دوم ایک قلعہ میں محصور کر لیا گیا۔ اس نے باغیوں سے صلح کی بات چیت کرنا چاہی لیکن باغیوں نے انکار کر دیا۔ قلعہ کا دروازہ توڑ دیا گیا باغیوں نے اس کے سر کو نیزے پر رکھ کر دمشق کے بازاروں میں مظاہرہ کیا۔

ولید دوم کی موت کے بعد باغیوں نے اپنے لیڈر یزید سوم کو تخت پر بٹھایا یزید سوم بہت زیادہ پارسا تھا۔ مذہب کا بہت بڑا پابند تھا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی ایک خطبہ میں اپنی بغاوت کے اسباب بیان کئے اسی خطبہ میں اس نے قیام امن کا یقین دلایا۔ اگر وہ زیادہ دیر تک جیتا رہتا تو وہ ایک بہت ہی قابل حکمران ثابت ہوتا لیکن اس کا عہد حکومت بہت ہی مختصر تھا۔ حمص اور فلسطین میں بغاوتوں کو دبا دیا گیا۔ چھ ماہ کی مختصر حکومت کے بعد وہ اس دنیا سے چل بسا۔

یزید سوم کے بعد اس کا بھائی تخت نشین ہوا، اس کا اثر دمشق تک ہی محدود تھا۔ اس نے دو ماہ اور دس دن حکومت کی، ابراہیم کا شمار خلفاء کی فہرست میں نہیں ہوتا۔ یزید سوم نے ولید دوم کے بیٹوں کو قید کر لیا تھا مروان نے آرمینیا سے دمشق پر چڑھائی کر دی تاکہ ولید دوم کے بیٹوں کو قید سے نکالے۔ ابراہیم اور مروان کی فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ مروان جیت گیا۔ جونہی مروان دمشق میں داخل ہوا۔ ابراہیم ولید کے بیٹوں کو قتل کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے بھاگ نکلا۔ ولید دوم کے خاندان کے لوگوں نے ابراہیم کے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ انہوں نے یزید سوم کی قبر کھود کر اس کی نعش کو شہر کے دروازے پر لٹکادیا۔

دمشق میں بد امنی پھیل چکی تھی۔ شہر کے بڑے بڑے لوگوں نے مروان کا خیر مقدم کیا۔ مروان کے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا، بہت جلد لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی کیونکہ انہیں توقع تھی کہ ایک بہادر سپاہی بد امنی میں گھرے ہوئے ملک کو پھر سے با امن بنادے گا۔

## سولھواں باب

### امویوں کا زوال

مروان دوم اپنی گورنری کے زمانہ میں آرمینیا میں بڑی قابلیت اور شجاعت کا ثبوت دے چکا تھا۔ وہ خانہ بدوش قبائل کے حملوں کو کئی مرتبہ پسپا کر چکا تھا۔ وہ اپنی جسمانی طاقت اور قوت کے سبب بہت مشہور ہو چکا تھا۔ وہ ہسپانیہ زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ وہ اپنی سادگی میں بھی عام سپاہیوں سے ملتا جلتا تھا۔ اس نے محل کی زندگی میں بھی اپنی سادگی کو قائم رکھا تھا، حالانکہ اس زمانہ میں اس کے خاندان کے حکمرانوں میں عیش و عشرت گھر کر چکی تھی اسے قدیم تاریخ کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ وہ قدیم تاریخ کے بعض اہم واقعات کے متعلق اپنے مشیروں اور مصاحبوں سے بحث کرتا تھا۔ تخت نشینی کے وقت مروان کی عمر ساٹھ سال تھی۔ لیکن اس کی سرگرمیوں نے ثابت کر دیا تھا کہ سن و سال کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اموی خاندان کے بچانے کے لئے بہادری سے زیادہ اس کی قابلیت کی ضرورت تھی جو قبائلی رقابتوں کو مٹا سکتی تھی۔ اپنے خاندان کے دوسرے افراد کی طرح مروان بھی اس صلاحیت سے محروم تھا۔ اگر مروان کے قلب و نظر میں وسعت ہوتی تو ایشیا کی تاریخ یکسر بدل جاتی۔ مروان نے قبائلی تنازعات کو ختم کرنے کی جگہ انہیں تیز کر دیا۔ اس نے۔ مینیوں کی مخالف جماعت کا اس حد تک ساتھ دیا کہ شاعروں تک نے ان کی مظلومی کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ ان نظموں نے شہریوں اور بدویوں دونوں کے سینوں میں آگ لگا دی۔ اب ہر جگہ بنو مضر اور بنو حمیر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔

ایشیائے عرب میں حالات نے نازک صورت اختیار کر لی تھی۔ پارسا اور فضلاء و سیاست سے الگ ہو گئے۔ سیاست کی باگ ڈور اب خود غرض لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ کسی بہت بڑے حادثے کا انتظار ہو رہا تھا۔ مروان کے تخت نشین ہوتے ہی حمص اور فلسطین میں بغاوت ہو گئی۔ خارجیوں نے صحرا سے نکل کر امویوں کی مخالفت شروع کر دی۔ انہوں نے تھوڑی مدت کے لئے یمن حجاز اور عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ مروان نے خارجیوں کا مقابلہ کرنے میں سپاہیانہ جرات علاقانہ رہنمائی کا ثبوت دیا، حمص اور فلسطین میں بغاوتوں کو فرد کرنے

کے بعد وہ عراق کی طرف بڑھا۔ اس نے خارجیوں کو دجلہ کے پار بھاگا دیا۔ مروان کے ایک جرنیل نے حجاز اور یمن سے بھی خارجیوں کو نکال دیا۔ عراق سے بھاگے ہوئے خارجیوں نے ایران میں پناہ لے کر وہاں کی بے چینی میں مزید اضافہ کیا۔ حجاز اور یمن سے بھاگے ہوئے خارجیوں نے حضرموت میں پناہ لی۔ ان بغاوتوں کے فرو کرنے کے بعد مروان نے یزید بن عمر کو مشرقی مقبوضات کا وائسرائے مقرر کیا۔ اس نے سلطنت کے کام کاج کو اپنے دو بیٹوں عبدالملک اور عبداللہ کے سپرد کر دیا۔ اب مروان نے آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔ وہ اپنی آرام گاہ سے اس وقت نکلا جب اسے ایک ایسی مہم پر جانا پڑا جس نے اس کی زندگی اور اس کے خاندان کی حکومت کو یکسر ختم کر دیا۔

جب مروان شام، عراق اور عرب میں بغاوتیں فرو کر رہا تھا تو اس وقت بنو مضر اور بنو حمیر کی باہمی لڑائی اموی اقتدار کو ایشیا میں ختم کر رہی تھی۔ خراسان کا گورنر نصر چونکہ مضری تھا۔ اس لئے وہاں تمام حمیری عناصر اس کی مخالفت پر صف آرا ہو چکے تھے۔ عرب قوم کے ان دو بڑے قبیلوں کی باہمی لڑائی سے عباسی تحریک کے لیڈروں نے فائدہ اٹھانا چاہا اس موقع پر ابو مسلم خراسانی نے بغاوت کا پھر برا بلند کر دیا۔ ابو مسلم خراسانی کے متعلق ایک پرانا مورخ لکھتا ہے کہ ”شدید ترین ناکامی بھی اس کے مزاج میں برہمی پیدا نہیں کر سکتی تھی“ وہ بڑی سے بڑی کامیابی کی خبر پا کر بھی اپنے چہرے پر کسی قسم کی مسرت کے آثار نمایاں نہ ہونے دیتا۔ دونوں قبیلوں کی باہمی رقابت سے اس نے فائدہ اٹھایا۔ ابو مسلم نے خراسان کو عباسیوں کی تحریک کا مرکز بنایا۔

خراسان کا گورنر نصر ایک قابل اور ذہین انسان تھا۔ اچھے حالات میں وہ اپنی کوئی مفید یادگار چھوڑ سکتا تھا۔ جب مروان خارجیوں سے لڑ رہا تھا تو اس وقت نصر ایک ایسے شخص سے لڑ رہا تھا جس نے تمام یمنی عناصر کو متحد کر رکھا تھا۔ ان حالات میں ابو مسلم خراسانی نے اہل بیت کے نام پر ایک اعلان جاری کیا امویوں کے مخالف عناصر نے متحد ہو کر ہرات اور دوسرے مشرقی مقامات سے عرب دستوں کو نکال دیا۔ کرنانی اور ابو مسلم کی فوجوں نے نصر کو مرہ سے نکال دیا ان حالات نے شامیوں کو چونکا کر دیا لیکن اب وقت گزر چکا تھا معمولی سرکشی نے اب بغاوت کی صورت اختیار کر لی تھی جس میں حجاز اور عراق کے کئی ایک عرب قبائل شریک تھے۔ نصر نے مروان سے امداد طلب کی، لیکن مروان اسی وقت خارجیوں کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا نصر نے مروان کو ایک نازک صورت حالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ اب بنو امیہ کے بیدار ہونے کا وقت ہے اس پر مروان نے عراق کے گورنر کو لکھا کہ وہ

نصر کی مدد کرے، لیکن کمک پہنچنے سے پہلے ہی فرغانہ اور خراسان پر ابو مسلم کا قبضہ ہو چکا تھا، نصر نے جس کی عمر اس وقت پچاس سال تھی ابو مسلم کا مقابلہ کیا نصر نے شکست کھائی وہ بھاگ کر فارس جا رہا تھا کہ راہ میں مر گیا۔

جب مشرق میں حالات کی رفتار یہ تھی تو مروان نے بنو ہاشم کی تلاش کی جن کے نام پر بغاوت ہو رہی تھی اسے پتہ چلا کہ بنو ہاشم جنوبی فلسطین کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقیم ہیں۔ اس نے ابراہیم کو عباسی تحریک کا امام سمجھتے ہوئے گرفتار کر لیا اس گرفتاری کا ابو مسلم کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہ پڑا۔ مروان کا بیٹا عبداللہ بہت بڑی فوج لے کر روانہ ہوا، کریلا کے میدان میں لڑائی ہوئی جس میں عبداللہ کو شکست ہوئی۔ جب مروان کو معلوم ہوا کہ ابراہیم اور ابو مسلم میں خط و کتابت ہو رہی ہے تو اس نے ابراہیم کو قتل کروا دیا، ابراہیم کی زندگی ہی میں ابو العباس نے امویوں سے انتقام لینے کا عہد کر لیا۔ وہ اپنے عہد میں اس سختی سے پورا اترا کہ وہ السفلح کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اسی اثنا میں ایران میں امویوں کا اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ ۲۵ نومبر ۷۵۰ء کو کوفہ کی جامع مسجد میں ابو العباس کی خلافت کا اعلان کروا گیا۔ اس طرح عباسیوں نے خلافت پر قبضہ کر لیا۔

مروان اپنا آرام اور آسائش چھوڑ کر ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں سمیت میدان میں نکلا اور دجلہ کو عبور کر کے فرات کے کنارے پر ڈیرے ڈال دیئے۔ ابو العباس کی فوج کے سپاہ لباس نے شامیوں کو حیران کروا دیا، ۲۵ جنوری ۷۵۰ء کو ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی اور مروان نے شکست کھائی۔ مروان بھاگ کر دمشق پہنچا۔ یہاں اپنے آپ کو غیر محفوظ پا کر وہ فلسطین کی طرف چل دیا۔ اسی اثنا میں عباسیوں نے موصل، حمص اور دمشق پر قبضہ کر لیا۔ دمشق پہنچ کر عباسی فوجوں نے نہ صرف زندوں کا قتل عام کیا بلکہ قبریں کھود کر نعشوں کو سزائیں دیں۔ مروان کا تعاقب بدستور جاری تھا۔ مروان مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں یوسیر کے ایک گرجا میں اترا ہوا تھا کہ اسے عباسیوں کی آمد کی اطلاع ملی، وہ تلوار لے کر باہر نکل آیا وہ بڑی بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا، اس کی موت کے ساتھ ہی دمشق میں اموی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

سفلح کے حکم کے مطابق امویوں کو چن چن کر قتل کیا گیا، عبداللہ بن علی نے بنو امیہ کی اسی افراد کو ایک ضیافت پر بلوا کر انہیں قتل کروا دیا، اس قتل عام سے ہشام کا ایک پوتا عبدالرحمن بچ کر ہسپانیہ پہنچ گیا۔

مروان کی موت کے بعد مشرق میں بنو امیہ کی حکومت ختم ہو گئی اس خاندان کے بعض

حکمران بلاشبہ بہت بڑے تھے اور کئی ایک اپنے زمانے کے یورپی بادشاہوں سے زیادہ بڑے نہیں تھے۔ اموی خاندان نے اکانوے سال کی حکومت کی۔ بنو عباس اور بنو امیہ کی ذاتی لڑائیوں نے عربوں کے ذہنی ارتقاء میں نمایاں حصہ لیا۔ اس تصادم سے کئی ایک بڑے آدمی پیدا ہوئے۔

## سترھواں باب

### اموی دور پر ایک نظر

خلافتِ راشدہ کے دور میں مدینہ کی ساری آبادی خلیفہ کو منتخب کیا کرتی تھی۔ اس انتخاب کو سارے عرب تسلیم کر لیتے تھے اور اس کے ہاتھ پر مسجد نبوی میں بیعت کرتے تھے۔ حضرت معاویہ کے زمانے سے ہر حکمران اپنا جانشین مقرر کرتا تھا۔ سیاسی لحاظ سے اموی حکومت جمہوریت اور بادشاہت کا ایسا مرکب تھی جس میں نہ جمہوریت کے فوائد تھے، نہ بادشاہت کے، خلافتِ راشدہ میں بیت المال عوام کی ملکیت ہوتا تھا اور اسلامی مملکت کے ہر فرد کو مملکت کی اس آمدنی سے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اموی دور میں بیت المال حکمرانوں کی ملکیت بن گیا۔ اموی دور میں مالیہ کے وہی ذرائع تھے جو خلافتِ راشدہ میں تھے۔ ہر صوبے کے محاصل کو صوبائی خزانے میں جمع کیا جاتا تھا۔ صوبائی اخراجات (جس میں رفاہ عامہ کے کام بھی شامل تھے) وضع کرنے کے بعد بقایا رقم دمشق کے مرکزی خزانے میں جمع کرادی جاتی تھی۔ ٹیکس وصول کرنے کا کام عالموں کے سپرد تھا۔ عام طور پر ٹیکسوں کی رقم وہی ہوتی تھی جو خلافتِ راشدہ کے زمانے میں مقرر ہو چکی تھی، لیکن جب کبھی ان ٹیکسوں کو بڑھانے کی کوشش کی گئی تو اس کا نتیجہ بغاوتوں کی صورتوں میں رونما ہوا۔

اموی سلطنت کو پانچ بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر حصہ کا ایک وائسرائے ہوتا تھا۔ ہر وائسرائے کے ماتحت مختلف صوبوں کے گورنر ہوتے تھے ہر حصہ کا سیاسی اور انتظامی کاروبار وائسرائے کے سپرد ہوتا تھا۔ ہر صوبے کے گورنر کو بھی انتظامی اختیارات



حاصل تھے۔ لیکن محاصل وصول کرنے والا افسر گورنر کے ماتحت نہیں ہوتا تھا۔ بڑے بڑے شہر کے ججوں کو اختیار تھا کہ وہ اپنے نائب خود مقرر کریں۔ غیر مسلموں کے مقدمات کی سماعت غیر مسلم مجسٹریٹوں کے سپرد تھی۔ جمعہ کی نماز کبھی گورنر پڑھاتا، اور کبھی قاضی پولیس کا اعلیٰ افسر گورنر کے ماتحت ہوتا تھا۔ ہشام کے عہد میں ایک ملیشیا تیار کیا گیا جس کے فرائض پولیس اور فوج کے فرائض کے بین بین تھے۔ گورنروں کو احکام پہنچانے کے لئے دیوان خاتم کے نام سے ایک علیحدہ محکمہ قائم تھا۔ ہر فرمان کو پہلے ایک رجسٹر میں نقل کیا جاتا اور اس کے بعد اسے متعلقہ گورنر کے پاس سربراہ بھیج دیا جاتا۔ امویوں کے عہد میں ڈاک کا محکمہ بھی جاری تھا۔ اسی پوسٹل سسٹم نے عباسیوں کے عہد میں بہت ترقی کی۔ عبدالملک کے عہد میں حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدوں کو عربوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ عراق میں اس کے نائب حجاج نے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں سے نہ صرف غیر مسلموں کو الگ کیا بلکہ اس نے غیر عرب مسلمانوں کو بھی حکومت کے بڑے بڑے عہدوں سے الگ کر دیا۔ حجاج اپنے اس اقدام میں اتنا آگے نکل گیا تھا کہ اس نے غیر عرب مسلمانوں پر وہ ٹیکس لگایا جو ذمیوں پر عائد ہوتا تھا۔ عبدالملک کی یہ پالیسی زیادہ دیر تک نہ چل سکی۔ کیونکہ بہت جلد ایرانیوں اور عیسائیوں کو حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا گیا۔ لیکن اس پالیسی نے بے چینی کے لئے ایسے بیج بو دیئے تھے کہ آخر کار اس سے اموی سلطنت ختم ہو گئی۔ عبدالملک پہلا مسلمان حکمران ہے، جس نے اپنا آزادانہ سکہ جاری کیا۔ صوبائی گورنر اپنی مقامی ضرورتوں کے مطابق سکے جاری کرتے تھے۔ عبدالملک سے پہلے سرکاری حسابات ایرانی، یونانی، اور سریانی زبانوں میں رکھے جاتے تھے۔ عبدالملک کے حکم سے سرکاری حسابات عربی زبان میں رکھے جانے لگے۔

سلطنت کے ہر عرب باشندے کے لئے فوجی خدمت لازمی تھی۔ ریزرو فوج میں رہنے کی نسبت جنگی خدمت میں شرکت کے وقت زیادہ تنخواہ دی جاتی تھی۔ ہر اس شخص کو جو فوجی خدمت کے قابل سمجھا جاتا تھا، حکومت کی طرف سے وظیفہ ملتا تھا۔ امویوں کے سمندری بیڑے کی کمان ایک افسر کے سپرد تھی جسے امیر البحر کہا جاتا تھا۔

حفاظتی تدابیر کے ماتحت ہر شہر کے گرد فصیل ہوتی تھی۔ مخصوص مصنوعات کے لئے مخصوص بازار ہوتے تھے۔ عرب جہاں کہیں آباد ہوتے وہاں وہ قبائلی تقسیم ملحوظ رکھتے۔ ہر قبیلہ کے لئے ایک خاص محلہ، بازار، مسجد، مدرسہ اور قبرستان ہوتا تھا۔ اس قسم کے ہر محلے کا اپنا دروازہ اور دربان ہوتا تھا۔

جب مسلمانوں نے دمشق کو فتح کیا تھا تو اس وقت دمشق ایک بارونق شہر اور رومی گورنر کا صدر مقام تھا۔ امویوں کے عہد میں دمشق دنیا کے خوبصورت ترین شہروں میں شمار ہونے لگا۔ امویوں نے اس شہر کی رونق کو عالی شان عمارتوں، فواروں اور باغوں سے بڑھایا۔ ولید اول نے دمشق کو خوبصورت بنانے میں بہت روپیہ صرف کیا۔ اس نے دمشق میں ایک جامع مسجد بنوائی۔ شہروں کی رونق بڑھانے میں عرب امیر ایک دوسرے سے سہقت لے جانا چاہتے تھے۔ دمشق کے علاوہ اور بھی کئی ایک شہروں کی خوبصورتی میں اضافہ کیا گیا۔ دمشق میں اب رسانی کا انتظام حیرت انگیز طور پر بہتر تھا۔ بے شمار تلابوں کے علاوہ دمشق میں سات نہریں بہتی تھیں۔ حسن و آرائش میں بادشاہ کا محل اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

خلیفہ کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ جمعہ کی نماز پڑھائے۔ امیر معاویہ، عبدالملک اور حضرت عمرو بن عبدالعزیز اس فریضہ کو پوری طرح سے ادا کرتے رہے۔ دوسرے اموی خلفاء اس ادائیگی میں باقاعدگی نہیں برتتے تھے۔ اموی خاندان کے پہلے چند حکمرانوں کو فارغ اوقات میں اسلام سے پہلے کے عرب بہادروں کے کارنامے سننے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ وہ شعر و شاعری سے بھی اپنا دل بہلاتے تھے۔ امویوں کے عہد میں دمشق موسیقی کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ گانے والے دور دراز مقامات چھوڑ کر دمشق میں آباد ہو جاتے تھے۔ لوگوں میں گھوڑ دوڑ کا بہت شوق تھا۔ ہشام نے گھوڑوں کی نسل بہتر بنانے کے لئے گھوڑ دوڑ کو عام کر دیا تھا۔ اس کے اصطبل میں چار ہزار گھوڑے تھے۔ بعض اموی شہزادیاں بھی گھوڑے دوڑانے میں بہت مشاق تھیں۔ ہشام کے عہد میں موسیقی کا رواج عام ہو گیا تھا۔ نچلے طبقے کی گانے والیوں کی دمشق میں اتنی تعداد ہو گئی تھی کہ بڑے طبقوں کی خواتین نے اپنے آپ کو گھروں میں مقید کر لیا تھا۔

اموی دربار نے بزنطینی دربار کی بہت سی رسمیں اختیار کر لی تھیں۔ ولید سوم کے عہد میں مرد اور عورتیں الگ الگ ہو گئی تھیں لیکن اس علیحدگی کے باوجود سوسائٹی میں عورتوں کو بہت سے حقوق حاصل تھے۔ اموی عہد میں بعض مشہور خواتین گزری ہیں۔ اموی دور میں مردوں کے لباس میں کوئی نمایاں فرق نہیں آیا تھا۔ ہر شخص اپنے ذرائع کے مطابق کپڑا پہنتا تھا۔ مختلف پیشوں کے لئے مختلف قطع کا لباس مخصوص ہو چکا تھا۔ اموی عہد کے حسین اور دل کش دمشق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کیتا پارونق اور کیتا خوب صورت شہر ہوگا۔ اموی عہد کا سب سے بڑا عالم خالد بن یزید تھا۔ اس عہد میں علم اور ادب نے بھی

ترقی کی۔ کئی ایک فلسفیانہ اسکول قائم ہوئے۔ معتزلہ تحریک کا آغاز اسی دور میں ہوا تھا۔ یزید سوم اور مروان دونوں معتزلی تھے۔

## اٹھارھواں باب

### سفاح اور منصور

عباسیوں کے عروج کے ساتھ ہی مغربی ایشیا کی تاریخ اپنا پہلو بدلتی ہے۔ دارالحکومت شام سے عراق میں منتقل ہو گیا۔ امور سلطنت میں شامیوں نے جو اہمیت حاصل کی تھی وہ ختم ہو گئی، ترقی کی لہر مغرب سے مشرق کی طرف دوڑنے لگی، خلافت کی وحدت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ ہسپانیہ نے شروع ہی سے عباسیوں کے اقتدار کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ عبدالرحمن نے بہت جلد ہسپانیہ پر قابو پانے کے بعد ایک ایسے خاندان کی بناء ڈالی جو شروع میں عباسیوں کے ماتحت تھا۔ لیکن ایک مدت کے بعد وہاں عباسیوں کا اقتدار برائے نام رہ گیا، سلطنت کی حدود کا کم ہو جانا فائدے سے خالی نہیں تھا، کیونکہ اس سے عباسی خلافت کو اپنی قوت کے مرکوز کرنے اور اپنے ذرائع کو منظم کرنے کا موقع مل گیا، اس کے ساتھ ہی خلافت عباسیہ کو اپنی رعایا کی مادی اور ذہنی ترقیوں کے لئے بھی وقت مل گیا۔ اس خاندان کے پہلے نو حکمران (ایک کے علاوہ) غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے اور اعلیٰ درجہ کے مدبر تھے جنہوں نے رفاہ عامہ کے لئے بہت کچھ کیا اگرچہ ان میں سے بعض کے عہد میں چند ایک جابرانہ افعال بھی سرزد ہوئے لیکن وہ اپنے زمانہ کے دستور کے مطابق خاندانی پالیسی کے نتائج تھے۔

ایک فرانسیسی عالم اور مورخ کے الفاظ میں ”خلافتِ عباسیہ کا پہلا دور مشرقی عربوں کی شان و شوکت کا زمانہ تھا، فتوحات کا زمانہ گزر چکا تھا تہذیب و تمدن کا دور شروع ہو گیا تھا۔“ ابو العباس کی خونریزی کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی خونریزی کے سبب اسے سفاح کہا گیا۔ لیکن اپنی ستم رانیوں کے باوجود سفاح ایک فیاض حکمران خیال کیا جاتا ہے۔ جسے اپنے فرائض کے ادا کرنے کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ اسے عیش و عشرت کی زندگی سے کوئی لگاؤ نہ تھا، اپنے زمانہ کی مروجہ رسم کے برعکس اس نے ایک ہی بیوی پر قناعت کی۔ سفاح پر اس کی بیوی ام سلمیٰ کا بہت زیادہ اثر تھا، لیکن سفاح کے دل میں امویوں کی مخالفت کے جذبات کو کرنے میں ام سلمیٰ کا اثر و رسوخ بھی کسی کام نہیں آتا تھا۔

بنو امیہ کے ساتھ سفاح کی اس بدسلوکی نے قدرتی نتائج پیدا کئے۔ ملک کے مختلف حصوں میں امویوں کے حامیوں نے سر اٹھایا۔ دمشق، حمص، قنسرين، فلسطین اور عراق میں امویوں کے امی کافی مدت تک لڑتے رہے لیکن آخر کار ان کے سردار نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اب سفاح نے اپنے خاندان کے افراد یا اپنے حامیوں کو صوبوں کا حاکم مقرر کیا۔ عراق، آرمینیا اور آذربائیجان کا حاکم ابو جعفر مقرر کیا گیا، خالد برکی وزیر خزانہ مقرر کیا گیا۔ وزارت کے فرائض ابو مسلم خراسانی کے سپرد ہوئے۔ ام سلمیٰ کے اثر و رسوخ سے جل کر ابو مسلم خراسانی نے اسے قتل کروا کر اس کے قتل کو خارجیوں کی جانب منسوب کر دیا۔ نئے حکمران کے نظم و نسق کے باوجود امور سلطنت میں ابھی کافی خامیاں تھیں، بازنطین نے موقعہ پر عباسی سلطنت کے شمالی علاقوں پر حملے شروع کر دیئے، بازنطینی فوج نے شہریوں کا قتل عام کرنے کے بعد تمام علاقے کو ویران کر دیا۔ سفاح (۷۴۹-۷۵۴) نے اپنی موت سے پہلے اپنے بھائی ابو جعفر کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ سفاح اگرچہ بنو عباس کا پہلا حکمران ہے لیکن اس خاندان کا حقیقی بانی ابو جعفر منصور ہی کو تصور کرنا چاہئے۔ منصور ہی کی دوراندیشی کا نتیجہ تھا کہ عباسی خاندان اپنا سیاسی اقتدار کھودینے کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہا۔ منصور کے ساتھ ہی ان شاندار خلیفوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو ایشیا کے طول و عرض میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنے اقتدار کو اپنی قوم کی بہتری کے لئے صرف کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو نئے شہروں نئی سڑکوں نئی سڑاؤں، نئی نہروں اور نئے اداروں کے قیام میں مصروف کر دیا۔ ان کے عہد میں تجارت نے ترقی کی اور مختلف فنون نے فروغ پایا۔ ابو جعفر کا کردار خوبیوں اور کامیوں کا عجیب و غریب مجموعہ ہے۔ ایک سیاست دان، مدبر اور حکمران کی حیثیت میں اس کا کوئی جواب نہیں۔ دوراندیشانہ دانائی اور رفاہی سرگرمی میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں۔ منصور ہر اس شخص کے خلاف تلوار اٹھاتا جسے وہ اپنے یا اپنے خاندان کے لئے خطرناک خیال کرتا۔ سیوطی کے الفاظ میں ”منصور سے پہلے بنو عباس اور آل علی متحد تھے۔ لیکن اس نے ان میں نااتفاق کا بیج بویا۔“

سفاح کی موت کی خبر سن کر ابو جعفر مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ مشکل سے تخت پر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے چچا عبداللہ بن علی نے جو سفاح کے عہد میں شام کا گورنر تھا بغاوت کر دی۔ منصور نے ابو مسلم کو بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا۔ ابو مسلم نے عبداللہ بن علی کو شکست دی۔ عبداللہ اور اس کے دو بیٹوں کو منصور نے ہاشمیہ کے ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ لیکن بغداد کے قریب ہی عبداللہ بن علی کا قید رہنا بارخلافت کو خطرات سے خالی

دکھائی نہ دیا۔ چنانچہ اس کے لئے نمک کی بنیادوں پر ایک مکان بنوایا گیا جس میں اسے تکلیف سے رکھا گیا، پہلی بارش نے مکان کو سطح زمین کے ساتھ ہموار کر دیا، بدبخت قیدی لمبے کے نیچے دب گیا، اس نے امویوں پر جو مظالم کئے تھے، اس کے پیش نظر اس کی یہی تقدیر ہونی چاہئے تھی۔

عبداللہ بن علی کو شکست دینے کے بعد ابو مسلم خراسان جانا چاہتا تھا۔ اس نے عملی طور پر اپنی بادشاہت قائم کر رکھی تھی، خراسان میں اس کا بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا، خراسان میں اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہاں کئی ایک گروہ اسے پیغمبر مانتے تھے۔ وہ انگلی کے ایک اشارے سے عباسی خاندان کو تباہ کر سکتا تھا۔ جس کے ہاتھ وہ سلطنت کی باگ ڈور دے چکا تھا، اس کا طرز عمل بھی اب ناقابل برواشت ہو چکا تھا۔ منصور اب ابو مسلم سے رہائی پانا چاہتا تھا، اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ منصور اسے خراسان نہ پہنچنے دے۔ چنانچہ منصور نے اسے شام کی حکومت پیش کی لیکن ابو مسلم اس چال سے بچ نکلا۔ وہ اپنی فوج سمیت خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔ منصور کے لئے اس کی مخالفت کرنا ناممکن تھا۔ وہ لوگ جو دوسروں کے خلاف سازش کرتے ہیں، عام طور پر خود بھی کسی سازش کا شکار ہو جاتے ہیں۔ منصور کی طرف سے بہت سے وعدوں نے ابو مسلم کے سفر کا رخ بدل دیا، دربار خلافت میں اس کا شاندار خیر مقدم کیا گیا، اس کے ساتھ شاہانہ سلوک ہوتا رہا، یہاں تک کہ ایک دن منصور کی موجودگی میں ہی اسے محل کے اندر قتل کر دیا گیا۔

جب تک ابو مسلم زندہ تھا منصور اپنے آپ کو محفوظ خیال نہیں کرتا تھا، اب اس نے اپنی پوزیشن کو محفوظ خیال کرتے ہوئے اپنے لئے کسی موزوں دارالسلطنت کی تلاش شروع کی، دمشق میں بنو عباس کے لئے خطرہ تھا۔ بصرہ اور کوفہ کے لوگوں کی سیمابی طبیعت ان میں سے کسی ایک کو بھی راجدھانی بنانے کی راہ میں حائل تھی، بہت تلاش کے بعد اس نے اس مقام کو منتخب کیا، جہاں اب بغداد ہے، جو اس زمانہ میں بصرہ سے چھ دن کا دریائی سفر تھا۔

کہا جاتا ہے کہ بغداد نو شیرواں کی گرمائی راجدھانی تھی، اور اس کے عدل و انصاف ہی کے سبب اسی مقام کا نام باغ داؤد پڑ گیا تھا، ایرانی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہی یہ مشہور باغ بھی مٹ گیا، اسی مقام پر خلیفہ منصور کا دارالخلافہ اس قدر تیزی کے ساتھ تعمیر ہوا گویا وہ کسی جادوگر کا کام تھا، منصور کا دارالخلافہ دریائے وجلہ کے مغربی کنارے پر آباد کیا گیا، بہت جلد وجلہ کے مشرقی کنارے پر بھی ایک نیا بغداد بس گیا، مغربی کنارے کا شہر منصور کے جانشین کے نام پر مہدیہ کہلاتا تھا، زیبائش اور آرائش میں مہدیہ کسی طرح بھی منصور سے کم نہیں

تھا، چنگیزی فوجوں کی تباہ کاریوں تک بغداد تہذیب و تمدن کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اس شہر کے بہت سے دروازے تھے۔ ہر دروازے کے اوپر ایک مینار ہوتا تھا، جہاں دن تک سپاہیوں کا پہرہ رہتا تھا۔

ابو مسلم کے قتل کے بعد اس کے ساتھیوں نے خراسان میں بغاوت کردی، لیکن انہیں شکست دے کر منتشر کر دیا گیا، اسی اثنا میں باز نطین کے شہنشاہ کے حملے کو روکا گیا۔ بز نطینی شہنشاہ نے منصور کے ساتھ صلح کر لی۔ اب منصور نے ان شہروں کو آباد کرنے پر وقت صرف کیا، جنہیں باز نطینی حملوں نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کی سرحدوں کے استحکام کے لئے دورہ کیا، اہم سرحدی مقامات پر چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ طبرستان کے پہاڑی لوگوں نے اچانک بغاوت کردی تھی۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد طبرستان اور جیلان کو مستقل طور پر عباسی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ طبرستان کے باغیوں پر مشکل سے قابو پایا ہی تھا کہ وہیلیموں نے عباسی سلطنت پر حملے شروع کر دیئے۔ انہیں شکست دے کر پہاڑوں کی طرف بھاگا دیا گیا۔

اب منصور نے اپنی سلطنت کے صوبوں کی نئی تقسیم کی، ہر صوبے میں وقائع نگار مقرر کئے گئے، تاکہ وہ مرکزی حکومت کو تمام ضروری اطلاعات سے باخبر رکھیں۔

اب ہم اس شاندار اور پر شکوہ حکمران کی تاریخ کا ایک ایسا ورق اٹھتے ہیں جو رحمِ دلی سے خالی ہے۔ اس زمانہ میں بنو حسنؓ اور بنو حسینؓ مدینہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ زیادہ تر علمی اور دینی سرگرمیوں میں مصروف تھے، مدینہ میں بنو حسنؓ اور بنو حسینؓ (بنو ہاشم) کے اثر و رسوخ سے خائف ہو کر منصور نے محمد بن عبداللہ (بن حسنؓ بن حسینؓ بن علی) اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کو گرفتار کرنا چاہا لیکن وہ بچ کر نکل گئے، منصور نے بنو حسن کے خاندان کے بہت سے افراد کے ساتھ محمد عثمانی کو بھی گرفتار کر لیا اور سب کو کوفہ کے ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ منصور کی فوج محمد اور ابراہیم کی تلاش میں نکلی، محمد بن عبداللہ نے مدینہ پہنچ کر منصور کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا۔ ابراہیم نے بصرہ میں پہنچ کر اسی قسم کا اعلان کر دیا، مدینے کے حاکم کو قید کر لیا گیا۔ چند دنوں کے اندر اندر حجاز اور یمن نے محمد بن عبداللہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ منصور کی فوج نے محمد بن عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو ایک لڑائی میں ختم کر دیا۔ اسی اثنا میں ابراہیم بن عبداللہ نے کافی فوج اکٹھی کر لی تھی، اسی فوج نے کئی مرتبہ منصور کی فوج کو شکست دی لیکن ایک لڑائی میں اس فوج کے بہت سے سپاہی اپنے سردار سمیت مارے گئے، اب منصور نے مدینہ اور بصرہ سے انتقام

لیا۔ بصرہ کے جن لوگوں نے ابراہیم بن عبداللہ کا ساتھ دیا تھا انہیں قتل کر دیا گیا، ان کے گھر مسمار کر دیے گئے۔ مدینہ میں بنو حسنؓ اور بنو حسینؓ کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ منصور نے امام جعفر صادقؓ کو قتل کی دھمکی دی۔ امام ابو حنیفہؒ کو قید کر دیا اور امام مالکؒ کو کوڑے لگوائے جب اس کے سامنے ابراہیم بن عبداللہ کا سر لایا گیا تو اس کو ابراہیم کے باپ عبداللہ کے پاس مدینہ بھجوادیا۔ بوڑھے باپ نے اپنے بیٹے کا سر لانے والے قاصد کے ہاتھ منصور کو یہ پیغام بھجوایا۔ ”اپنے آقا سے کہنا کہ ہماری مصیبت اور اس کی راحت کے دن بڑی تیزی سے گزر رہے ہیں۔ ہم بہت جلد اس عادل مطلق کے سامنے پیش ہونے والے ہیں جو اس کے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا۔“

اب منصور کا اقتدار مغربی ایشیا اور افریقہ پر مسلم تھا۔ ہسپانیہ اگرچہ اس کے سیاسی اقتدار میں نہیں تھا، پھر بھی اس ملک میں خطبہ منصور ہی کے نام سے پڑھا جاتا تھا، کیونکہ وہ حرمین شریفین کا امین اور محافظ تھا۔

منصور نے اپنے بیٹے جعفر کو موصل کا گورنر مقرر کیا۔ حرب بن عبداللہ اس کا نائب تھا۔ موصل کے مضافات میں حرب بن عبداللہ کا ایک خوبصورت قلعہ تھا، جعفر نے اسی قلعہ میں رہائش اختیار کی۔ جعفر کی بیٹی زبیدہ اسی قلعہ میں پیدا ہوئی تھی۔ منصور کے عہد حکومت میں شمالی افریقہ کے حاکم نے ہسپانیہ کو فتح کرنے کی کوشش کی لیکن حملہ آور فوج کو عبدالرحمن اموی نے شکست دی۔ جب منصور نے مکے میں اپنا دربار لگایا ہوا تھا تو عبدالرحمن کے ایک خفیہ ایچی نے عباسی کمانڈر کے سر کو دربار میں پھینک دیا۔ کسی شخص کو بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس نے پھینکا ہے منصور اس واقعہ سے اس قدر خوف زدہ ہوا کہ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ”شاہین قریش“ اور اس کے درمیان ایک سمندر حائل ہے، بحیرہ خزر کے ساحلی خانہ بدوشوں نے جارجیا پر قبضہ بول دیا لیکن منصور کی فوج نے ان خانہ بدوشوں کو بھگا دیا، اسی اثنا میں کردوں نے تکلیف دہ روٹیہ اختیار کر لیا تھا۔ منصور نے انکی سرکوبی کے لئے اپنے وزیر خزانہ خالد بن برمک کو عراق کا گورنر مقرر کیا۔ خالد نے آئین شکن کردوں کی سرکوبی کی۔

اب منصور نے اپنے بھتیجے عیسیٰ کو مجبور کرنا شروع کیا کہ وہ اس کی جانشینی سے مستعفی ہو جائے۔ اس نے تشدد آمیز رویہ سے عیسیٰ کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور اپنے بیٹے محمد کو اہمدی خطاب دے کر اپنا جانشین مقرر کیا۔

۶۷۵ء میں امام جعفر صادقؓ کا مدینے میں انتقال ہوا۔ آپ نے مدینے میں جس علمی



ادارہ کو قائم کیا تھا اسے آپ کے فرزند امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے جاری رکھا۔

۷۶۸ء میں خراسان میں ایک ہولناک بغاوت پھوٹ نکلی، اس بغاوت کا سرغنہ استاد سلیس تھا۔ منصور نے اس بغاوت پر قابو پایا۔ باغیوں کے سرغنہ کو اس کے خاندان سمیت بغداد پہنچا دیا گیا جہاں ان کے ساتھ مہرانی کا برتاؤ کیا گیا۔

منصور کے لئے افریقہ ایک مستقل خطرہ بنا ہوا تھا۔ اغلب نے دو سال تک نہایت کامیابی سے افریقہ پر حکومت کی لیکن وہ خارجیوں کی ایک بغاوت فرو کرتے ہوئے تونس کے قریب مارا گیا۔ خارجیوں نے پھر بغاوت کی۔ انہوں نے قیروان کے لئے بہت بڑا خطرہ پیدا کر دیا۔ محاصرہ کے دوران میں عمر مارا گیا۔ قیروان پر باغیوں نے قبضہ کر لیا۔ منصور نے غصہ کھا کر باغیوں کی سرکوبی کے لئے ایک اور فوج بھیج دی۔ جس کی کمان یزید مہلبی کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے خارجیوں کو شکست دی۔ ان کے گروہوں کا تعاقب کیا۔ وہ پندرہ سال تک شمالی افریقہ کا گورنر رہا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا داؤد اس کا جانشین بنا۔

منصور نے کوفہ اور بصرہ کے گرد چار دیواری کھینچی، اور اس کے حکم سے مردم شماری کی گئی۔

باز نطنی شہنشاہ نے اپنے معاہدے کے برعکس مسلم مملکت پر حملہ کر دیا لیکن اسے شکست کھانی پڑی۔ ایک نئے معاہدے کی رو سے باز نطنی شہنشاہ نے خراج دینا قبول کر لیا۔ منصور نے جب صوبوں کے نئے گورنر مقرر کئے تو مدینہ کا گورنر بنو حسن علیہ السلام میں سے لیا گیا۔ اس نے اپنی سلطنت کے فروغ کے لئے جو تک و دو کی تھی اس نے اس کی صحت کو خراب کر دیا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اب وہ اس دنیا میں بہت تھوڑی مدت زندہ رہے گا۔ اس نے اپنے جانشین کو بلا کر اسے چند ہدایات کیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ جس کام کو تم آج کرنا چاہتے ہو اسے کسی حالت میں بھی کل پر نہ چھوڑو۔

۲۔ سزا دیتے وقت حدِ اعتدال سے کبھی تجاوز نہ کرو۔

۳۔ عوام اور فوج کو ہمیشہ مطمئن رکھو۔

۴۔ اپنا خزانہ کبھی خالی نہ ہونے دو۔

۵۔ اپنا سارا دھیان اپنے کام پر صرف کرو۔ اور صرف ان لوگوں سے مجلس رکھو جن

کے مشورے سے تمہیں فائدہ پہنچ سکے۔

۶۔ اپنے دوستوں اور غریبوں کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔

۷۔ سرحدوں کی حفاظت مذہباً تمہارے ذمہ ہے۔

۸۔ خلیفہ کی نیک نامی کا انحصار اس کے تقویٰ پر ہے۔

۹۔ لوگوں کی اصلاح کا سب سے اعلیٰ طریقہ عدل ہے۔

۱۰۔ جب تم طاقتور ہو تو نرمی برتو۔

۱۱۔ جب لوگ تمہاری اطاعت کریں تم ان سے محبت کرو۔

باپ بیٹے کی اس ملاقات کے بعد باپ بغداد سے نکلے روانہ ہو گیا تاکہ اپنی زندگی کے آخری دن وہاں گزارے لیکن مکہ پہنچنے سے پہلے ہی اس دنیا سے چل بسا۔ اس کی تدفین کے لئے ایک سو قبریں کھودی گئیں۔ اور خفیہ طور پر ایک قبر میں دفن کروایا گیا تاکہ کسی شخص کو اس کی آخری آرام گاہ کا پتہ نہ چل سکے۔

منصور نے تقریباً "باہین سال حکومت کی۔ وہ دراز قامت اور خوب رو تھا۔ وہ دن کے ابتدائی حصے میں زیادہ وقت احکام جاری کرنے میں صرف کرتا۔ اور سہ پہر کا وقت اپنے بال بچوں میں گزارتا۔ شام کی نماز کے بعد وہ مراسلات سنتا اور اپنے وزیروں سے بات چیت کرتا۔ ایک تہائی رات تک کام کرنے کے بعد سو جاتا۔ وہ بہت کم خواب تھا۔ صبح کی نماز کے لئے وہ صبح سویرے اٹھتا۔ وہ اپنی فوجوں کا معائنہ کرتا، اور اپنی فوجوں کو نئی قسم کے ہتھیاروں سے مسلح رکھنے کی فکر میں رہتا، حساب کتاب کی پڑتال کرتے وقت ایک ایک پائی تک کا خیال رکھتا تھا۔

ایک مقدمے کے دوران میں چند اونٹ والوں کے کہنے پر مدینہ کے قاضی نے جب منصور کو اپنی عدالت میں طلب کیا تو وہ صرف اپنے حاجب کے ہمراہ مدینہ پہنچا اور عدالت میں جا کر کھڑا رہا، جب منصور عدالت کے کمرہ میں داخل ہوا تو قاضی اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ منصور نے اتنا خزانہ چھوڑا تھا کہ دس سال کے اخراجات کے لئے کافی تھا۔

## انیسواں باب

### مہدی اور ہادی

منصور کی موت پر اس کا بیٹا محمد المعروف مہدی اس کا جانشین بنا مہدی کی ماں یمن کے پرانے خاندان حمیری کی نسل سے تھی۔ مہدی کی پالیسی اپنے باپ سے مختلف تھی۔ اس نے تخت نشینی کے بعد اپنے باپ کی سخت گیری کی تلافی کرنا چاہی، اس نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جنہیں اس کے باپ کے عہد میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اس نے حسن بن ابراہیم کو رہا کر کے ان کے لئے وظیفہ مقرر کیا۔ اس نے حرمین الشریفین کو پرانی مراعات دے دیں۔ اب مکے اور مدینے کو اجازت تھی کہ وہ مصر سے تحائف وصول کر سکیں، اس نے آل اہل بیت کی وہ جائدادیں واپس کر دیں جنہیں اس کے باپ منصور نے ضبط کر لیا تھا۔ وہ جرمانے واپس کر دیئے گئے جو منصور نے مختلف افراد سے وصول کئے تھے۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر اس نے تین کروڑ درہم حجازیوں میں تقسیم کرنے کے علاوہ صرف اہل مکہ میں ایک لاکھ پچاس ہزار بلوسات بانٹے تھے۔ اس کے حکم سے مسجد نبوی کی مرمت اور توسیع کی گئی، اس کے عہد میں بڑے بڑے شہروں کی مسجدوں اور مدرسوں کی عمارتوں میں توسیع کی گئی۔ جن شہروں میں مدرسے نہیں تھے وہاں مدرسے جاری کئے گئے۔ اس نے اپنے حفاظتی دستے میں پانسو انصار کو مقرر کیا۔ کوڑھیوں کے لئے پنشن مقرر کی۔ اس نے قادسیہ اور مکے کی درمیانی سڑک کو پختہ بنوایا۔ اس سڑک کے کناروں پر مسافروں کے لئے آرام گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ مسافروں اور زائروں کی حفاظت کے لئے چوکیاں قائم کی گئیں تھیں۔

مروان دوم کے ایک بیٹے نے شام میں بغاوت کا قصد کیا، لیکن شکست کھائی اور قید ہوا۔ مہدی نے اسے تھوڑی مدت کے لئے قید میں رکھا اور پھر رہا کر دیا۔ مروان کی بیوہ کے لئے شاہی محلات میں رہائش کا پورا پورا انتظام تھا۔

مہدی کے عہد حکومت میں خراسان میں القح نے خروج کیا۔ خراسان بدلتوں سے نئے نئے فرقوں کے لئے مشہور چلا آتا تھا۔ مہدی کے عہد حکومت میں خراسان میں بہت زیادہ بیجان تھا۔ ہاشم بن حکیم چونکہ اپنی بد صورتی کو چھپانے کے لئے نقاب اوڑھے رکھتا تھا اس

لئے وہ المقتنع کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے اپنے چیلوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ وہ خدا کا اوتار ہے۔ مذہب کا تعلق عمل سے نہیں بلکہ عقیدہ سے ہے۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ وہ ایک مدت تک خلیفہ کی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا لیکن آخر کار اس نے شکست کھائی اور مارا گیا۔

مقتنع کے ماننے والے سفید لباس پہنتے تھے اس لئے وہ سفید پوش کہلاتے تھے۔ مقتنع کی موت کے بعد جرجان میں ایک نیا فرقہ پیدا ہوا جو سرخپوش کہلاتا تھا۔ عقائد اور سیاسی پروگرام کے پیش نظر ان دونوں جماعتوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سفید پوشوں کی طرح سرخپوشوں کو بھی دبا دیا گیا۔ اس زمانے میں مزوک اور مانی کی عدی کیونزیم عوام میں بہت مقبول ہو چکی تھی، مزوک نے چوتھی صدی عیسوی میں نوشیرواں کے عہد میں انارکزم کی تعلیم دی تھی۔ ایرانی شہنشاہ نے آگ اور تلوار سے اس جماعت کو ختم کر دیا۔ رسی جل چکی تھی بل باقی تھے۔ مزوک کی عدییت اور مانوی فلسفہ کی آمیزش نے خراسان میں جگہ حاصل کر لی تھی۔ یہ تحریک بہت جلد مغربی ایران اور عراق میں پھیل گئی اس جماعت کے ارکان زندیق کہلاتے تھے۔ مہدی نے بڑی سختی کے ساتھ اس تحریک کو بچل دیا۔

بازنطین نے ۶۸۸۰ء میں عباسی مملکت کے بعض حصوں پر حملہ کیا۔ بازنطین فوج نے کئی ایک سرحدی شہروں پر قبضہ کر کے ان شہروں کو ویران کر دیا۔ عربوں نے بازنطینی فوج کو شکست دی اور جوائی کارروائی میں رومیوں کے کئی ایک شہروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ بازنطین کے نئے حملے نے مہدی کو میدان جنگ میں اتار دیا۔ مہدی نے اپنے بیٹے موسیٰ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود موصل کی راہ سے جنگ میں پہنچا، حلب کو ہیڈ کوارٹر بنا کر ہارون کی کمان میں فوج کو رومیوں سے لڑنے کے لئے بھیجا گیا۔ بازنطین کی فوج کو شکست دینے کے بعد مہدی نے بیت المقدس کی راہ لی، ہارون کو مملکت کے غربی علاقہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ آرمینیا اور آذربائیجان بھی اس علاقہ میں شامل تھے۔ بازنطینوں نے اپنی شکست کا انتقام لینے کے لئے پھر بہ بول دیا۔ ہارون نے اس فوج کو شکست دینے کے بعد قسطنطنیہ کا رخ کیا۔ عربوں نے باسفورس کے ساحل پر کیمپ لگا دیئے بلکہ ایران سے صلح کی درخواست کی۔ بغداد اور بازنطین میں صلح ہو گئی۔

دوسرے سال جب کہ مہدی اپنی مملکت کے مشرقی حصوں کا دورہ کر رہا تھا کہ شکار کھیلتے ہوئے زخمی ہو کر مر گیا۔ ہارون اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ ہارون نے شاہی مہر اپنے بھائی ہادی کے پاس بھیج دی۔ تخت نشینی کے وقت ہادی کی عمر چوبیس سال تھی۔ اس نے دو سال سے

بھی کم حکومت کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت ضدی اور ظالم تھا۔ اسے اوبیات سے بہت لگاؤ تھا۔

ہادی نے اپنے بھائی ہارون کی وفاداری کی قدر نہ کی اور سخت کوشش کی کہ وہ ہارون کی جگہ اپنے بیٹے جعفر کو اپنا جانشین مقرر کر لے۔ اس مقصد کے لئے اس نے ہارون کے مشیر یحییٰ بن خالد برکی کو قید میں ڈال دیا ہادی اور اس کی ماں میں بھی ناچاقی پیدا ہو گئی تھی۔ یحییٰ کے مشورے سے ہارون اپنی جان بچانے کے لئے بغداد سے باہر چلا گیا۔

ہادی کے عہد حکومت میں مدینے کے حاکم نے بنو حسن کے الزام لگا کر ان سے بد سلوکی کی جس پر امام حسن کے پڑپوتے حسین نے بغاوت کر دی۔ لڑائی میں بنو حسن کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ بنو حسن کے ایک فرد اور یس نے شمالی امریکہ میں پہنچ کر اورسی خاندان کی بنیاد ڈالی۔

مہدی نے مرتے وقت (۶۷۸۶ء) میں اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

## بیسواں باب

### ہارون الرشید

اپنے بھائی کی وفات کے بعد (۷۸۶-۸۰۹) تخت نشین ہوا، ہادی کا چھوٹا بیٹا جانشینی کے دعوے سے دستبردار ہو گیا۔ ایشیا میں عربوں کے دورِ حکومت میں ہارون کا عہد بہت شاندار تھا۔ اس شاندار خلیفہ کے نام کے ساتھ الف لیلے کی کہانیوں نے ایک خاص قسم کی جاذبیت اور کشش پیدا کر دی ہے۔ خلیفہ ہارون مظلوموں کی حمایت کے لئے رات کے وقت بھیس بدل کر بغداد کے بازاروں میں چکر کاٹتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہارون کا شمار دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں میں ہوتا ہے، مذہبی فرائض کی ادائیگی میں ہارون نے کبھی کوتاہی نہیں کی، وہ ایک پاکباز اور مخیر انسان تھا، لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس نے اپنے گرد و پیش ایک پر شکوہ ماحول قائم کیا اور اس کے کردار کا سوسائٹی پر گہرا اثر پڑا۔ اس کی شخصیت میں بڑی کشش تھی۔ وہ فطری طور پر ایک سپاہی تھا۔ اس نے کئی بار اپنی فوجوں کی کمان کی۔ اس نے قیام امن کے لئے بارہا اپنی مملکت کا دورہ کیا۔ حالات سے آگاہ ہونے کے لئے سرحدی مقامات کو کئی بار دیکھا۔ نظم و نسق کے کام کاج میں اس نے کبھی تھکاوٹ محسوس نہ کی۔ تاجر، طلبہ اور زائر جس آزادی کے ساتھ اس کی مملکت میں سفر کر سکتے تھے، اس سے اس کے عہدِ حکومت کے پر امن ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس نے مسجدوں، اسکولوں، کالجوں، سڑکوں، پلوں اور نہروں پر بہت زیادہ روپیہ صرف کیا۔ اس کی یہ تعمیرات اس کے عہد امن کی بہترین ضامن ہیں۔ آرٹ اور ادب کی سرپرستی میں وہ اپنے ذہین اور لائق بیٹے مامون سے آگے نہیں تھا، لیکن کردار کی مضبوطی اور اوراک کی بلندی کے پیش نظر عباسیوں میں اس کا کوئی جواب نہیں، ہارون کی حکومت اگرچہ شخصی تھی لیکن اس کے عہد کی خوشحالی اور تہذیبی ترقی شخصی حکومت کی بہت سی خامیوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

ہارون الرشید کے عہدِ حکومت کا راز ان لوگوں کی فہم و فراست میں مضمر ہے جن کے سپرد اس نے اپنے عہدِ حکومت کے ابتدائی سترہ سالوں میں عزان حکومت کر رکھی تھی، خالد ابن بربک کو سفاح اور منصور کے عہد میں جو پوزیشن حاصل تھی، اس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

اس کے بیٹے یحییٰ کو جو ایک زمانہ میں آرمینیا کا حاکم تھا ہارون کا اتالیق مقرر کیا گیا تھا۔ جب ہارون بالغ ہوا تو اسے خلیفہ کا جانشین مقرر کیا گیا۔ اب ہارون نے یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنا مشیر مقرر کیا، ہارون اسے ہمیشہ ابا کہہ کر پکارتا اور ہمیشہ اس کے مشوروں پر عمل کرتا، یحییٰ ابن خالد کے مشورے ہارون اور اس کی رعایا دونوں کے لئے بہت مفید ہوتے تھے۔ جونہی ہارون تخت نشین ہوا، اس نے یحییٰ ابن خالد کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ یحییٰ ابن خالد کے اختیارات بہت وسیع تھے۔ اس کا نظم و نسق رعایا کے لئے بہت مفید تھا۔ یحییٰ ابن خالد کے بیٹے فضل، جعفر، موسیٰ اور محمد علم و فضل میں بہت مشہور تھے۔ ان سب میں نظم و نسق کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔ فضل کئی سال تک خراسان اور مصر کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ یہی جعفر کئی صوبوں کا حاکم رہ چکا تھا۔ جب شام میں یمن کے دو قبیلوں میں لڑائی چھڑ گئی، تو جعفر نے ان میں سمجھوتہ کروا دیا تھا۔ جب پیری کے سبب یحییٰ بن خالد وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہوا تو جعفر کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ اس نے اپنے فرائض کو نہایت کامیابی سے نبھایا۔ سترہ سال تک یہ ذہین اور شاندار خاندان ہارون کی سلطنت پر وفاداری کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ ہارون نے مغربی افریقہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے بہت کوشش کی لیکن اسے کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ چنانچہ اس وقت سے شمالی افریقہ ایک خود مختار ملک بن گیا۔ مشرق میں ہارون الرشید کی سلطنت کی حدیں ہندو کش تک پھیلی ہوئی تھیں۔

۷۹۱ء میں ہارون نے ملکہ زبیدہ اور اس کے بھائی عیسیٰ بن جعفر کے اصرار پر اپنے بیٹے محمد کو "الامین" کا لقب دے کر اسے اپنا جانشین نامزد کیا۔ سات سال بعد ہارون نے اپنے دوسرے بیٹے عبداللہ کو امین کا جانشین مقرر کیا۔ عبداللہ کو مامون کا لقب دیا گیا۔ تیسرے بیٹے قاسم کو مامون کا جانشین مقرر کیا گیا۔ تینوں بیٹوں کو ان کی زندگی میں مملکت کے بڑے بڑے حصوں میں وائسرائے مقرر کیا گیا۔ مغربی علاقے قفقاز کو امین کے سپرد کیا گیا، مشرقی علاقہ مامون کے حوالے تھا، اور عراق قاسم کے اقتدار میں تھا۔ ہارون نے مامون کو یہ اختیار دیا تھا کہ اگر وہ مناسب خیال کرے تو قاسم کو اپنی جانشینی سے محروم کر دے، جعفر بن یحییٰ کے سپرد مامون کی تربیت تھی۔ عبدالملک ابن صالح کو قاسم کا اتالیق مقرر کروا گیا تھا۔ ۶۸۰۲ء میں ہارون امین اور مامون کے ہمراہ حج کے لئے گیا۔ ہارون نے خانہ کعبہ میں دونوں بھائیوں کی تصدیق شدہ دستاویزیں رکھ دیں تاکہ دونوں بھائی ہارون کی موت کے بعد اپنے باپ کی وصیت کی مطابق اپنے اپنے عہد پر قائم رہیں۔ اس سال ملکہ زبیدہ نے حج کیا، اس نے پچیس لاکھ دینار خرچ کر کے اہل مکہ کے لئے ایک نہر کھدوائی جو اب تک نہر زبیدہ کہلاتی ہے۔

۶۷۹ء میں چند خزری قبائل نے آرمینیا کے شمال پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے آبادیوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ ہارون نے بربروں کی بیخ کنی کے لئے اپنے دو جرنیلوں کو بھیجا، جنہوں نے انتہائی تشدد کے ساتھ خزری قبائل کو کچل دیا، اسی سال امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ آپ کے بیٹے امام رضا رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے۔

۶۸۰ء میں ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے خلیفہ ہارون الرشید کے شاندار عہد حکومت کو داغدار کر دیا۔ سترہ سال تک براکہ ہارون الرشید کی خدمت کرتے رہے۔ انہوں نے اس خدمت کے دوران میں انتہائی درجہ قابلیت اور وفاداری کا ثبوت دیا، براکہ کے نظم و نسق نے لوگوں کو خوش حال بنا دیا تھا۔ سلطنت مالدار اور مضبوط ہو چکی تھی، قومی دولت میں نمایاں اضافہ ہو چکا تھا۔ مہذب زندگی سے متعلقہ فنون کو ہر جگہ فروغ حاصل ہو رہا تھا لیکن براکہ کی شان و شوکت اور سخاوت نے اس خاندان کے دشمن پیدا کر دیئے۔ ان دشمنوں کی انتہائی کوشش تھی کہ وہ براکہ کو تباہ کر دیں۔ براکہ کے زوال کے بہت سے اسباب بیان کئے گئے ہیں، ابن خلدون اس زمانہ کی متعلقہ داستانوں کا تجزیہ کرتا ہوا لکھتا ہے کہ ہارون کی بہن عباسیہ کی جعفر بن یحییٰ کے ساتھ شادی کا قصہ من گھڑت ہے۔ اس کے نزدیک براکہ کے زوال کے یہ اسباب تھے کہ انہوں نے اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ان کے اختیار کا یہ عالم تھا کہ ہارون رشید کے بار بار اصرار پر بھی اسے خزانے سے رقم لینا دشوار ہو جاتا تھا۔ ان کا اقتدار حد سے زیادہ تھا، ان کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی، ریاست کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر برکیوں کا قبضہ تھا، ان کے وفاداروں کا رعایا کی آنکھیں اس پر لگی رہتی تھیں ہر امیدوار ان کی نگہ کرم کا منتظر رہتا۔ براکہ اپنی سخاوت کے مظاہرے کرتے شہروں اور دیہات میں ان کی تعریف کے گن گائے جاتے تھے۔ وہ اپنے آقا سے بھی زیادہ مقبول اور ہر دل عزیز تھے، ان تمام باتوں نے درباریوں کو ان کا مخالف بنا دیا۔ ان کا سب سے بڑا دشمن فضل بن ربیع تھا، وہ ہارون کا حاحب تھا، اس نے ہارون کے دل میں براکہ کے خلاف نفرت پیدا کر دی۔ ہارون کے کانوں تک یہ بات پہنچائی گئی کہ براکہ بنو عباس کے خلاف ایک سازش کر رہے ہیں۔ شخصی ناخوشی اور شک و شبہ نے نسلوں کی وفادارانہ خدمات کو بھلا دیا، ایک رات ہارون کے حکم سے یحییٰ اور اس کے بیٹوں فضل، موسیٰ اور محمد کو گرفتار کر لیا گیا، اسی رات ہارون نے جعفر بن یحییٰ کے قتل کا حکم دیا۔ ہارون کے ملازم مسرور نے جعفر کو قتل کر دیا، ان کی جائداد ضبط کر لی گئی۔ قیدیوں کے ساتھ ایک سال تک اچھا سلوک ہوتا۔ یہاں تک کہ جب عبدالملک بن صالح کو ایک سازش کے الزام میں قید کر لیا گیا تو اس سازش



کے ڈانڈے مقید بر کیوں سے ملائے گئے۔ اس پر ہارون نے اسیر بر کیوں پر سختی شروع کر دی۔ بوڑھا یعنی ۶۸۰۶ء میں جیل میں چل بسا۔ تین سال بعد اس کا بیٹا فضل اس سے جا ملا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ کی موت کے بعد موسے اور محمد کو رہا کر دیا گیا تھا لیکن عبدالملک بن صلح امین کی تخت نشینی تک قید رہا۔ امین نے اسے رہا کر کے شام کا حاکم مقرر کیا، مامون نے تخت نشین ہوتے ہی بر کیوں کی جائداد کو واپس کر دیا۔

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد حکومت میں حسب معمول خارجیوں نے کئی مرتبہ بغاوت کی، لیکن ہر مرتبہ ان کی بغاوت فرو کر دی گئی ان بغاوتوں میں سے ایک بغاوت کی رہنمائی ایک جوان لڑکی لیلیٰ نے کی تھی، اپنے بھائی ولید کی موت کے بعد وہ ہارون کی فوجوں کا ڈٹ کا مقابلہ کرتی رہی، یہاں تک کہ اس نے اپنے ایک عزیز کے کہنے پر ہتھیار ڈال دیئے، عربوں کی یہ جون آف آرک اپنے حسن اور شاعری کی وجہ سے مشہور تھی۔

موصل کے لوگوں کے باغیانہ طرز عمل نے ہارون کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ موصل کی چار دیواری کو گرا دے، شام میں مصری اور حمیری قبائل نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ ابتداء میں ہارون نے ان دونوں قبیلوں کو لڑنے کی مہلت دی، تاکہ دونوں کمزور ہو جائیں۔ آخر کار ہارون نے مداخلت کر کے اس قبائلی لڑائی کو ختم کر دیا۔

خلیفہ مہدی کے عہد حکومت میں باز نطین کی ملکہ ایران سے جو معاہدہ ہوا تھا اسے باز نطین نے توڑ کر مسلمانوں کی مملکت پر حملہ کر دیا، ہارون کی فوجوں نے انہیں شکست دی، قبرص پر عربوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ کریت پر بھی عربوں نے دھاوا بول دیا تھا، آخر کار بغداد اور باز نطین میں پھر معاہدہ ہوا جس کی رو سے باز نطین سے سابقہ معاہدے کے مطابق خراج دینا منظور کر لیا، جنگی قیدیوں کا باہمی تبادلہ ہوا، پانچ سال بعد مینی فورس نے عہد شکنی کی اور ہارون کو ایک ذلت آمیز خط لکھا۔ اس خط کے جواب میں ہارون نے اپنی فوج کی کمان سنبھالتے ہوئے باز نطین کا رخ کیا، ہارون نے ہرقلہ میں پہنچ کر دم لیا، ادھر سے باز نطینی شہنشاہ بھی اپنی فوج لے کر نکل آیا، ہارون نے مینی فورس کو شکست دی۔ مینی فورس نے صلح کی درخواست کی اور پہلے سے زیادہ سالانہ اخراج دینا منظور کر لیا۔ خلیفہ ہارون نے مینی فورس کی صلح کی درخواست قبول کر کے بغداد کی راہ لی۔ خلیفہ ہارون مشکل سے بغداد پہنچا تھا کہ مینی فورس نے عہد شکنی کی، جب ہارون کو مینی فورس کی اطلاع ملی تو پھر واپس ہوا، ہارون نے مینی فورس کو شکست دی۔ شکست خورہ شہنشاہ نے پھر صلح کی درخواست کی جسے فاتح خلیفہ نے قبول کر لیا۔ مینی فورس کو جب کبھی موقعہ ملتا وہ عہد شکنی کرتا، ہر مرتبہ ہارون اسے شکست

رہتا۔

جب ہارون رشید رے کے حاکم کی سرکوبی کے لئے وہاں گیا ہوا تھا تو مینی فورس نے موقعہ پا کر عہد شکنی کی، اس مرتبہ ہارون کے بیٹے قاسم نے مینی فورس کو شکست دی۔ مینی فورس نے پھر صلح کر لی۔ ایک مرتبہ پھر مینی فورس نے عہد شکنی کرتے ہوئے مملکت عباسیہ پر حملہ کیا، اب ہارون نے جہاد کا اعلان کر دیا۔ ایک لاکھ پینتیس ہزار فوجیوں اور ہزاروں رضاکاروں نے ایشیائے کوچک پر یلغار کر دی، عرب جرنیلوں نے ایشیائے کوچک کے کئی شہروں کو فتح کر لیا۔

مسلمانوں نے بحیرہ اسود کی بندرگاہ پون تیکا پر قبضہ کر لیا، مینی فورس نے پھر صلح کی درخواست دی۔ خلیفہ نے حسب معمول اس درخواست کو پھر مان لیا، لیکن ۸۱۸ء میں بازنطین نے عہد شکنی کی اور مملکت عباسیہ پر حملہ کر دیا۔ اسی اثنا میں ہارون کو خراسان کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے جانا پڑا۔ جلوس پہنچ کر ہارون بیمار پڑ گیا، تین دن بعد ہارون اس دنیا سے چل بسا۔

تاریخی تنقید کے کسی معیار پر بھی ہارون کو پرکھیں، تو وہ دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کی صف میں دکھائی دے گا۔ حال کا ماضی سے مقابلہ کرنا غلطی ہے، انیسویں صدی کے حالات کا ایک ہزار سال پہلے کے حالات سے کیونکر مقابلہ ہو سکتا ہے ہارون کے کردار میں جہاں کہیں کوئی خامی تھی تو وہ شخصی حکومت کی پیدا کردہ تھی، اس قدر مطلق العنان اور باختیار ہونے کے باوجود اس نے اپنی رعایا کی فلاح کے لئے جو کچھ کیا وہ اس کی نیک نامی پر دلالت کرتا ہے۔ اس نے فرائض کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کی تھی، نظم و نسق کی برائیاں دور کرنے کے لئے وسیع مملکت میں کئی بار دورے کئے، نو مرتبہ حاجیوں کے کاروانوں کی رہنمائی کی، اس کا دربار اپنے عہد میں سب سے شاندار تھا جس میں دنیا بھر کے عالم فاضل لوگ موجود تھے، ہارون نے جی کھول کر علوم فنون کی سرپرستی کی۔ ہارون نے سائنس اور لٹریچر کی اعلیٰ ڈگریوں کی طرح موسیقی کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے شدید مقرر کیے۔

ہارون رشید ہی کے دور حکومت میں امام ابو یوسف نے حنفی فقہ کی تدوین شروع کی، امام ابو یوسف نے اس فقہ کو مکمل کیا، جسے امام ابو حنیفہ نے شروع کیا تھا۔ ہارون کے عہد میں دوسری زبانوں کی علمی کتابوں کے عربی تراجم کے شعبہ میں توسیع کی گئی، اس شعبہ نے آگے چل کر مامون کے عہد میں بہت زیادہ ترقی کی۔ ہارون کے عہد کے چند ممتاز فضلاء

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن ادریس، عیسیٰ بن یوسف، ابراہیم موصلی ہیں۔  
 ہارون چونکہ خود شاعر تھا اس لئے اس نے شاعروں کی سرپرستی میں بہت زیادہ فراخدلی کا  
 ثبوت دیا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں مشرق اور مغرب کو جانے والی سرڑکیں نکلتی تھیں۔  
 ہارون کے عہد میں پہلی مرتبہ بغداد میں شہنشاہ چین اور شارل مین سفیر آئے، ہارون نے  
 شارل مین کو جو تحائف بھیجے تھے ان کی فہرست اب تک محفوظ ہے۔ ان تحائف سے اندازہ  
 کیا جاسکتا ہے کہ خلافت عباسیہ کا تمدن کتنی بلندیوں پر تھا، ان تحائف میں سے ایک کلاک  
 بھی تھا جسے آرٹ کا نادر نمونہ بیان کیا جاتا ہے۔

## اکیسواں باب

### امین

جب ہارون اس دنیا سے رخصت ہوا تو اس وقت امین بغداد میں اور مامون مرو میں تھا۔ ہارون کی موت کی خبر صاحب البرید (پوسٹ ماسٹر جنرل) کے ذریعہ بغداد پہنچائی گئی۔ اگلے دن امین کے بھائی صلح نے شاہی مہر کو اس کے حوالے کیا، امین قصر الخلد کو چھوڑ کر قصر الخلفاء میں چلا گیا، اگلے دن اس نے نماز جمعہ پڑھائی، خطبہ دیا، اور بیعت کر لی، فوج کے افسروں، رئیسوں اور شہریوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مامون نے اپنے بھائی امین کو تحائف کے ساتھ مبارک باد کا پیغام بھیجا۔

اس موقع پر امین اور مامون کے کرداروں کا موازنہ موزوں رہے گا، دونوں بھائیوں نے اپنے وقت کے بہترین علماء سے تربیت حاصل کی تھی، امین کا اتالیق اس کا مامون عیسیٰ تھا۔ مامون کی تربیت بد نصیب وزیر جعفر نے کی۔ دونوں کو ایک ہی نصاب پڑھایا گیا، اس تعلیم نے امین کو سطحی طور پر آراستہ کر دیا، لیکن مامون کے ذہن کو اس تعلیم نے جلادی، جہاں تک خطابت کا تعلق ہے دونوں بھائیوں کا رتبہ برابر ہے لیکن مامون خطیب کے علاوہ متقن اور فلسفی بھی تھا۔ حافظ قرآن تھا۔ ہارون ان دونوں بھائیوں کے کردار کے اختلاف کو اچھی طرح جانتا تھا، مرنے سے پہلے اس نے وصیت کی تھی کہ وہ فوج جسے وہ خود اپنے ہمراہ خراسان لے جا رہا تھا اور اس کے ساتھ جتنا خزانہ ہے وہ سب کے سب مامون کو دیے جائیں۔ مشرقی صوبوں کے بچاؤ کے لئے یہ اقدام بہت ضروری تھا، بغداد میں ہارون نے دولت کے جو خزانے چھوڑے تھے وہ امین کے لئے کافی تھے، امین نے چند اپنی بیٹیجے تاکہ وہ مامون کی فوج کے ساتھ سازباز کریں۔ فضل بن ربیع جو جعفر برکلی کی موت کے بعد عملی طور پر وزیر حاکم تھا، مامون کو چھوڑ کر امین کے پاس چلا گیا، فضل بن ربیع امین کی کمزوریوں سے خوب واقف تھا اس لئے وہ جانتا تھا کہ امین کا ساتھ دے کر وہ عملی طور پر حکمران بن جائے گا، اس نے فوجیوں کو ترغیب دی کہ وہ ہارون کی وصیت کے برعکس امین کے ساتھ جائیں۔ فضل بن ربیع فوج اور خزانہ لے کر امین کے پاس پہنچ گیا، امین نے اسے اپنا وزیر بنا لیا اور فوج کے سپاہیوں کو دو سال کی تنخواہ پیشگی ادا کر دی۔

فضل بن ریح، فوج اور خزانے سے محروم ہو جانے کے بعد مامون نے اپنے آپ کو مشکل میں گھرا پایا، اس کے ساتھ ہی خراسان کے بعض مقامی امیروں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ لیکن مامون نے بڑی جرات سے ان امیروں کو مطیع کر لیا، اس مشکل کے زمانہ میں مامون کا مشیر کار فضل بن سهل ایک ایرانی تھا، مامون نے خراسان میں ٹیکسوں کو کم کیا۔ اس نے اہل خراسان کو مطمئن کرنے کے لئے کئی ایک طریقے اختیار کئے، اہل خراسان اپنے اس بھانجے کے علم تلے جمع ہو گئے، مامون کی ماں ایک ایرانی خاتون تھی اس وقت تک مامون کا رویہ اپنے بھائی امین کے متعلق وفادار نہ تھا۔

جب مامون خراسان میں بہتر نظم و نسق جاری کر رہا تھا تو امین اپنی سلطنت کو خراب کرنے میں مصروف تھا، امین کی فوج کے سپاہی لالچیوں کی طرح اپنا مطالبہ بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ انہیں مطمئن کرنے کے لئے امین نے خزانے عامرہ کو خالی کر دیا، امین کے دربار میں دور دور سے مداری جو توشی آکر مالا مال ہو جاتے، اس نے رقص و سرود کی محفلوں پر بے دریغ دولت بہانی شروع کر دی، امین نے باز نطین کی درباری تہذیب کی پیروی میں خواجہ سراؤں کو نہ صرف اپنے حرم میں جگہ دی بلکہ سیاسیات میں بھی ان کی مداخلت کو برداشت کیا، امین نے ایک سو رقاصہ کی ایک ٹولی بنائی، ان لڑکیوں کا لباس بہت قیمتی ہوتا تھا، یہ لڑکیاں اپنے ہاتھوں میں کھجور کی ٹہنیاں لے کر اس انداز میں آگے اور پیچھے حرکت کرتیں، گویا رنگ اور روشنی میں لپٹا ہوا کوئی پریشانہ متحرک ہے، اس نے اپنی محفلِ نشاط کے لئے دجلہ میں پانچ بڑی بڑی کشتیاں تیار کروائیں، غرض عیش و عشرت میں ڈوب کر امورِ سلطنت کو اپنے وزیر فضل بن ریح کے سپرد کر دیا تھا۔

جب لیو باز نطین کے تخت پر بیٹھا تو اس نے بغداد باز نطین معاہدے کی خلاف ورزی کی، اس نے مسلمانوں کے علاقے پر حملے شروع کر دیئے امین نے باز نطینی حملوں کی روک تھام کی جگہ اپنے بھائی مامون سے لڑنا شروع کر دیا، فضل بن ریح کو اس امر کا اندیشہ تھا کہ جب کبھی مامون تخت نشین ہوا تو وہ اسے اس کی غداری کی سزا ضرور دے گا چنانچہ اسی اندیشہ کے پیش نظر فضل بن ریح نے امین کو اکسانا شروع کر دیا کہ وہ مامون کو امین کی جانشینی کے حق سے محروم کر دے، شروع میں امین نے فضل بن ریح کے مشورے پر کان نہ دھرا، لیکن بعد میں ایک دوسرے مشیر کے دباؤ سے متاثر ہو کر امین نے مامون کے خلاف مسلک اقدام کیا، مامون کو بغداد میں بلایا گیا لیکن مامون نے اس بناء پر بغداد آنے سے انکار کر دیا کہ اس کی غیر حاضری میں خراسان میں بغاوت کا اندیشہ تھا، اس پر امین نے اسے خراسان کی ولایت

سے محروم کر دیا، اور خراسان کی مسجدوں میں جمعہ کے خطبہ میں مامون کا نام لیا جانا ممنوع قرار دے دیا، امین نے قاسم کو بھی اس کی ولایت سے اتار دیا۔

اب امین نے مامون کی جگہ اپنے بیٹے دودھ پیتے بیٹے موسیٰ کو اپنا جانشین نامزد کیا، تھوڑی مدت بعد امین نے اپنے دوسرے بیٹے کو موسیٰ کا جانشین نامزد کر دیا۔ مامون نے خراسان کی مغربی حد پر قلعہ ہندیاں قائم کر دیں، بغداد کی طرف سے کوئی شخص بغیر اجازت خراسان کی حدود میں داخل نہیں ہو سکتا تھا، دونوں میں دشمنی پیدا ہو چکی تھی، امین نے پچاس ہزار سپاہیوں کے ایک لشکر کو خراسان کی طرف بھیجا، اس فوج کی کمان علی بن عیسیٰ کے ہاتھ میں تھی، رے کے قریب دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی، مامون کے جرنیل طاہر بن حسین نے علی بن عیسیٰ کو شکست دی، امین کا جرنیل لڑائی میں مارا گیا، اس کی فوج منتشر ہو گئی۔ بہت سے سپاہی مامون کی فوج میں شامل ہو گئے جو لیس سیرز کی طرح طاہر بن حسین نے اس لڑائی کا نتیجہ ان الفاظ میں لکھ بھیجا۔ ”علی بن حسین کا سر میرے سامنے ہے۔ اس کی انگشتی میری انگلی میں ہے۔ اس کی فوج میرے قبضے میں ہے۔“

فضل بن ربیع نے بغداد میں مامون کی جائداد کو ضبط کر لیا۔ مامون کے دو بیٹے بغداد میں تربیت پا رہے تھے۔ امین کے مشیروں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ مامون کے بیٹوں کو یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھے اور اگر اس پر بھی مامون اطاعت پر آمادہ نہ ہو تو انہیں قتل کر دیا جائے، امین نے نہ صرف اس مشورے کو مسترد کر دیا بلکہ اس قسم کا مشورہ دینے والوں کو قید کر دیا۔

امین نے شکست کے بعد کئی ایک فوجیں بھیجیں لیکن ان سب کو طاہر بن حسین نے شکست دی۔ طاہر نے علاقے پر قابض ہونے کے بعد قزوین اور حلوان پر قبضہ کر لیا، اب مامون نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا، سارے ایران نے اس کو خلیفہ تسلیم کر لیا، فضل بن سہل کو تبت سے ہمدان اور بحرہند سے بحیرہ خزر تک سارے علاقے کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا، وہ بیک وقت امیر الحرب اور امیر الخراج تھا، علی بن ہشام کو وزیر جنگ مقرر کیا گیا۔ حسن بن سہل نائب وزیر مالیات تھا۔

جب مشرق میں یہ واقعات رونما ہو رہے تھے تو ایک اموی شہزادے نے شام میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا، اس شہزادے کے مقابلے پر ایک دوسرے شخص نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا، لیکن ان دونوں دعویٰ داروں کے حامیوں کو بہت جلد منتشر کر دیا گیا۔

اسی اثنا میں مامون کے جرنیل نے اہواز، یمامہ، بحرین، عمان اور واسط پر قبضہ کر لیا۔

عرب کے مشرقی ساحل پر مامون کے جرنیل کے قابض ہو جانے کا عباسی مملکت کے دوسرے صوبوں پر گہرا اثر پڑا، کوفہ کے حاکم عباس بن ہادی نے مامون کی خلافت تسلیم کر لی۔ بلوہ کے حاکم منصور بن مہدی اور حجاز کے والی نے بھی مامون کی خلافت تسلیم کر لی۔ مامون نے ان تینوں حکمرانوں کے ساتھ فراخ دلی کا سلوک کیا، اور انہیں ان کے عہدوں پر بحال رکھا اب مامون کے جرنیل طاہر بن حسین نے شمال کا رخ کیا، مدائن پر قبضہ کرنے کے بعد وہ بغداد کے مضافات میں پہنچ گیا، اسی اثنا میں مامون کے دو اور جرنیل بھی طاہر کی فوج سے آئے، اب ان تینوں جرنیلوں نے بغداد کا محاصرہ کر لیا، مامون کی فوج نے کئی مہینے تک بغداد کا محاصرہ کئے رکھا امین نے اپنے حامیوں میں زر و دولت بانٹنی شروع کر دی، محاصرے کے دوران میں بغداد کو شدید نقصان پہنچا، حملے اور دفاع میں جو محلات حائل تھے انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا گیا، آدھا شہر تباہ و برباد ہو گیا، آبادی کی مشکلات بہت بڑھ گئیں، امراء نے امین کا ساتھ چھوڑ دیا لیکن عوام امین کے لئے لڑتے رہے، آخر کار امین کو منصور کے بنائے ہوئے ایک قلعہ میں پناہ لینی پڑی، یہاں بھی اسے خطرات کا سامنا تھا، اس کے مشیروں نے اسے شام کی طرف بھاگ جانے کے لئے کہا لیکن اس نے ہتھیار ڈال کر مامون کے پاس پہنچ جانے کو بھاگ جانے پر ترجیح دی چنانچہ بات چیت شروع ہوئی، طاہر نے کہلا بھیجا کہ امین اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے لیکن امین اپنے تئیں اس کے حوالے کئے جانے پر رضامند نہیں ہوتا تھا۔

آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو ایک دوسرے جرنیل کے حوالے کر دے اور شاہی مہر اور اپنی تلوار طاہر کو دے دے چنانچہ امین اپنے بال بچوں سے رخصت ہو کر دوسری کرنیل کی کشتی میں پہنچا، اس جرنیل نے امین کا خیر مقدم کیا لیکن چند ایرانی سپاہیوں نے اس پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے، کشتی دجلے میں الٹ گئی، امین اور اس کے کئی ساتھی تیر کر دوسرے کنارے جا لگے، ایرانی سپاہیوں نے انہیں گرفتار کر کے قید کر دیا۔

امین سردی کے مارے کانپ رہا تھا، رات کے وقت چند ایرانی سپاہیوں نے قید خانہ میں داخل ہو کر امین کو قتل کر دیا، اگلے دن ان قاتلوں نے امین کے سر کو بغداد کی فسیل پر لٹکادیا۔

جب مامون کو اپنے بھائی کے اس افسوسناک انجام کا پتہ چلا تو اسے بہت رنج ہوا، مامون نے قاتلوں کو سزا دینے کے لئے فوری اقدام کیا، اور امین کے بیٹوں کو اپنی پناہ میں لے لیا، انہیں زبیدہ کے سپرد کر دیا گیا جب یہ بچے جوان ہوئے تو مامون نے اپنی بیٹیوں کی شادی ان

سے کر دی

چار سال آٹھ مہینے حکومت کرنے کے بعد امین اپنی عمر کے اٹھائیسویں سال میں اس  
دنیا سے چل بسا۔



## بائیسواں باب

### مامون

اگر مامون فوراً ہی بغداد پہنچ جاتا تو آئندہ چند سال کی یورشوں کا سامنا کرنے سے بچ جاتا لیکن اس نے اپنے وزیر فضل بن سهل پر اعتماد کیا اور خود اپنے دربار کے علماء اور فضلاء سے فلسفیانہ مباحث میں مصروف رہا۔ فضل بن سهل کی یہ خواہش تھی کہ مامون مروہی میں رہے کیونکہ یہاں رہتے ہوئے سلطنت کا سارا کام کاج اسی کی قبضے میں رہنا ضروری تھا۔ مامون تک مغربی علاقوں کی کوئی اطلاع نہیں پہنچائی جاتی تھی، عراق اور شام میں جو کچھ ہو رہا تھا اس سے مامون بے خبر تھا، امین کے قتل کے فوراً بعد امویوں کے حامی نصر نے عراق میں مامون کے خلاف بغاوت کردی، وہ پانچ سال تک شاہی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ عراق کے بعد قری قبائل نے بغاوت کردی، اسی اثنا میں کوفہ میں ابن طباطبائی نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ آل بیعت کے ہاتھ پر بیعت کریں، ابن طباطبائی نے حسن ابن سهل کو شکست دے کر جنوبی افریقہ پر قبضہ کر لیا۔ جب عراق میں یہ صورتِ حالات تھی تو حجاز میں امام جعفر صادق کے ایک بیٹے کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا اس طرح ایران کی سرحدوں سے یمن تک خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے لیکن مامون کو اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا جاتا تھا۔ جب عراق میں صورتِ حالات بہت نازک ہو گئی اور بغداد کے لوگوں نے حسن بن سهل یا فضل بن سهل کی اطاعت سے انکار کر دیا، تب کہیں جا کر مامون اصل حالات سے آگاہ ہوا۔

۶۸۱۵ میں مامون نے اپنی اس دیرینہ تجویز کو عملی جامہ پہنانا چاہا کہ خلافت کو بنو ہاشم کے حوالے کر دیا جائے، اس مقصد کے لئے اس نے امام موسیٰ کاظم کے بیٹے علی سوم کو مدینے سے بلوا کر انہیں امام رضا کا لقب دے کر اپنا جانشین نامزد کر لیا، چنانچہ امام رضا کے ہاتھ پر مامون کی جانشینی کی بیعت کی گئی، جب یہ خبر بغداد پہنچی تو عباسیوں کو بہت رنج ہوا۔ انہوں نے ابراہیم بن مہدی کو تخت پر بٹھا کر حسن بن سهل کے افسروں کو بغداد سے نکال دیا، بغداد اور آس پاس کے شہروں میں بد امنی پھیل گئی کوئی حکومت موجود نہیں تھی، دن دہاڑے قتل و غارتگری ہونے لگی۔ جب حالات بہت نازک ہو گئے تو اہل بغداد نے اپنے بچاؤ کے لئے

محلہ دار حفاظتی جماعتیں بنالیں، بغداد کا نظم و نسق اس وقت تک ان جماعتوں کے قبضہ میں رہا، یہاں تک کہ مامون بغداد پہنچ گیا۔

جنوبی عراق اور حجاز میں بھی حالات کی رفتار یہی تھی، ہر شہر میں بد امنی تھی، ہر طرف لوٹ کا بازار گرم تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایرانی وزیر کی بد نظمی کے سبب مامون کی سلطنت پارہ پارہ ہو جائے گی۔

اب امام علی رضا نے مامون کو تمام حالات سے آگاہ کیا، آپ نے مامون کو فضل بن سهل کی کوتاہی، اپنی نامزدگی کے نتائج، ابراہیم مہدی کی تخت نشینی اور امین کے قتل کے بعد کے سارے حالات بتائے۔ خلیفہ یہ باتیں سن کر حیران رہ گیا۔ ان امور کی تصدیق کے لئے چند فوجی افسروں کو بلایا گیا، انہوں نے امام رضا کی ہر بات کی تائید کی، مامون کی آنکھوں سے پردہ اٹھ چکا تھا، اس نے بغداد کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا فضل بن سهل نے ہر اس شخص کو تکلیف پہنچائی، جس نے مامون کو اصل بات سے آگاہ کرنے میں امداد دی، امام رضا نے مامون کو اس کے وزیر کی حرکات سے پھر آگاہ کیا جس پر مامون نے کہا کہ وہ فضل بن سهل کو ایک دم وزارت سے نہیں اتار سکتا، لیکن وہ آہستہ آہستہ اس کے اقتدار کو ختم کر دے گا۔ ایرانی وزیر کے دشمن مامون کے اس ارادے سے واقف ہو چکے تھے کہ وہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے۔ مرو سے چند میل دور اس کے دشمنوں نے اسے قتل کر دیا، مامون کے حکم سے قاتلوں کو موت کی سزا دی گئی۔

طوس میں ہارون اپنے باپ کی قبر کے پاس رک گیا، یہاں اگست ۸۱۸ء میں امام رضا کا اچانک انتقال ہو گیا، آپ کا بیٹا محمد تقی آپ کا جانشین ہوا مامون نے امام رضا کی موت پر بہت زیادہ افسوس کا اظہار کیا، مامون کے حکم سے امام رضا کا مزار تعمیر کرا دیا گیا۔

اب مامون نے بغداد کی راہ لی۔ وہ ہر بڑے شہر میں اس کی اہمیت کی مطابق قیام کرتا۔ شہر ان میں مامون نے آٹھ دن قیام کیا، اس مقام پر اس نے فوجی سرداروں، بغداد کے امیروں اور بنو عباس کے ارکان سے ملاقات کی۔

مامون ۸۰۹ء میں بغداد میں داخل ہوا۔ اس کا داخلہ فاتحانہ تھا، بازاروں اور گلیوں کو آراستہ کیا گیا، لوگوں نے زرق برق لباس پہنا، جب مامون کی سواری شہر میں داخل ہوئی تو لوگوں نے خوش آمدید کے نعرے بلند کئے بغداد میں داخل ہوتے ہی بد نظمی کا نور ہو گئی، شہر کی حفاظت کے لئے جو کیشیاں قائم ہو چکی تھیں وہ توڑی گئیں، مامون نے نظم و نسق کو بحال کرنے کے لئے جدوجہد کی، محاصرے کے دوران میں شہر کو جو نقصان پہنچا تھا اس کی

تلافی کی گئی۔

مامون اپنے حاجب احمد بن ابو خالد کے ہمراہ شہر کا معائنہ کر رہا تھا کہ احمد نے مامون سے بغداد کی تباہی کا تذکرہ کیا، مامون نے جواب میں کہا کہ بغداد میں تین طبقوں کے لوگ ہیں، مظلوم اور ظالم طبقوں کے علاوہ تیسرا طبقہ ایسا ہے جو نہ ظالم ہے اور نہ مظلوم، یہی طبقہ تمام تباہی کا سبب ہے ایک مورخ نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

حجاز کی ولایت ایک ہاشمی کے سپرد کی گئی، مامون کے بھائیوں کو کوفہ اور بصرہ کی حکومت دی گئی، طاہر کو نوجوانوں کا کمانڈر مقرر کیا گیا، اگلے سال طاہر کو مشرقی صوبے کا نائب بنا دیا گیا، دو سال بعد طاہر کی موت پر اس کا بیٹا طلحہ نائب مقرر ہوا۔ اس نے سات سال تک نیابت کی۔

طاہر کے ایک دوسرے بیٹے عبداللہ کو مصر اور شام کا والی مقرر کیا گیا۔ عبداللہ نے ایک شدید لڑائی کے بعد نصر عقیلی کو صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے قلعہ کو مسمار کر دیا گیا، مامون کے دربار میں پہنچایا گیا۔ مامون نے اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا۔ عراق میں امن قائم کرنے کے بعد عبداللہ بن طاہر نے مصر کا رخ کیا جہاں شورش پیدا ہو چکی تھی۔ عبداللہ بن طاہر نے ایک ہی لڑائی میں شورش کرنے والے کو تباہ کر دیا۔ اسی زمانہ میں ہسپانیہ کے بہت سے مسلمانوں کو وہاں کے اموی حکمران نے جلاوطن کر دیا تھا، یہ لوگ اپنے بال بچوں سمیت اسکندریہ پہنچ گئے تھے، ان لوگوں نے اسکندریہ میں فساد شروع کر رکھے تھے، عبداللہ نے جلاوطنوں سے کہا کہ تم غیر مسلح ہو جاؤ، نہیں تو مصر سے نکال دیئے جاؤ گے، انہوں نے کریٹ جانے کی اجازت چاہی جو انہیں مل گئی۔

ان لوگوں کو اس جزیرہ کی فتح کے لئے جس قسم کے سامان کی ضرورت تھی وہ انہیں مہیا کیا گیا، اس جماعت کے ساتھ بہت سے وائینٹیر بھی کریٹ کو فتح کرنے کی مہم میں شامل ہو گئے تھے، وہ نہایت آسانی کے ساتھ کریٹ کے ساحل پر اتر پڑے۔ معمولی سی لڑائی کے بعد اہل جزیرہ کی بیشتر آبادی نے اطاعت قبول کر لی۔ اس وقت سے اب تک جزیرہ کریٹ میں ان عربوں کی اولاد موجود ہے، دو سال پہلے کا ایک جرنیل سسلی کو فتح کر چکا تھا۔

یمن اور خراسان کی بغاوتوں کو نہایت آسانی سے فرو کیا گیا، دونوں مقامات کے باغیوں کے ساتھ مامون نے نرمی کا برتاؤ کیا۔

اسی زمانہ میں مامون کے قتل کی سازش کا انکشاف ہوا، اس سازش میں بنو عباس کے بڑے بڑے سردار شامل تھے، ان سرداروں کو قرار واقعی سزا دی گئی، لیکن اس سازش میں

شریک ہونے والے عام لوگوں کو معاف کر دیا گیا۔

۶۸۲۵ میں مامون نے اپنے وزیر حسن بن سہل کی بیٹی بوران سے شادی کی، اس شادی کے موقع پر دونوں طرف سے انتہائی درجہ شان و شوکت کے مظاہرے کئے گئے، سترہ دن تک حسن بن سہل نے براتیوں کی تواضع کی۔ عوام میں جواہر تقسیم کئے گئے، بوران کا شمار مسلمانوں کی بڑی بڑی خواتین میں ہوتا ہے، بوران نے بغداد میں عورتوں کے لئے کئی ایک شفاخانے کھولے، وہ مامون کی موت کے بعد تقریباً پچاس سال تک زندہ رہی۔ اس طرح اس نے نہ صرف عباسیوں کا دور عروج دیکھا بلکہ ان کے زوال کے آغاز کو بھی دیکھا۔

مامون کے عہد حکومت کے شروع میں بابک نے ماژندران کے کوہستانوں میں اپنی حکومت قائم کر لی، بابک کا تعلق مجوسیوں کے فرسہ فرقے سے تھا جو یہودیت عیسائیت اور اسلام کے کسی اخلاقی اصول کو نہیں مانتا تھا۔ بابک اپنے کوہستانوں سے اتر کر آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار مچاتا۔ اس کے ساتھی مردوں کو قتل کر دیتے اور عورتوں کو اٹھا کر لے جاتے اس کے ساتھی مسلمانوں اور عیسائیوں پر یکساں ظلم کرتے، اسے شکست دینے کے لئے کئی بار فوج بھیجی گئی لیکن وہ قابو نہیں آتا تھا، وہ کئی سال تک مامون کی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا، ایک مرتبہ جب مامون کی فوجوں نے اسے گھیرے میں لے لیا تو اس نے باز نطین سے معاہدہ کر کے باز نطینی فوجوں کو عباسیوں کی مملکت پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا۔ باز نطین کے شہنشاہ نے اس فناکار کا ساتھ دینے کے لئے مسلم علاقوں پر حملہ کر دیا۔ باز نطینی فوجوں نے مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد کو قتل کر دیا۔ باز نطینی حملے کی روک تھام کے لئے مامون نے اپنی فوجوں کی کمان سنبھال لی، مامون نے تین لڑائیوں میں بز نطیوں کو کچل دیا ان شکستوں کے بعد باز نطینی شہنشاہ نے صلح کی درخواست کی۔

اب مامون نے مصر کی راہ لی، ایک ترکی جرنیل افیشن نے الغریا پر قبضہ کیا۔ باز نطینیوں کے حملے کی روک تھام کے لئے مامون نے طرسوس سے ستر میل شمال میں تیانہ کے مقام پر ایک چھاؤنی قائم کی۔

یہ چھاؤنی مشکل سے تیار ہونے پائی تھی کہ مامون کی وفات ہو گئی، ایک دن مامون گرمی سے بچنے کے لئے کئی گھنٹوں تک دریا میں پاؤں ڈالے بیٹھا رہا۔ اسی رات اسے بخار ہو گیا۔ مامون کو طرطوس پہنچایا گیا۔ جہاں چند دن بعد اس نے انتقال کیا۔ مامون کا بھائی معتصم باللہ بھی چونکہ مامون کے ساتھ دریا پر گیا ہوا تھا۔ اس لئے اسے بھی بخار ہو گیا لیکن مامون کی موت سے پہلے معتصم کی حالت اچھی ہو گئی تھی۔ اس لئے اس نے اپنے بھائی کی وصیت کو

مامون نے مرتے وقت اپنے جانشین سے کہا کہ وہ ہمیشہ رعایا کی خوشحالی کا خیال رکھے! لوگوں کو ظلم و ستم سے بچائے۔ لوگوں سے عدل کرے سزا دیتے وقت قانون کی حد سے کبھی آگے نہ بڑھے۔

مامون اسی دن پیدا ہوا تھا جس دن ہارون تخت پر بیٹھا، اس نے بیس سال اور چھ مہینے حکومت کی، اس عہد حکومت میں وہ مدت شامل نہیں ہے جب مکہ اور مدینہ میں مامون کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، اور امین بغداد میں محصور ہو چکا تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ خوب رو اور پارعب تھا۔ ایک مورخ کے الفاظ میں وہ اپنی دانائی، اپنے عزم، اپنی رحمدلی، اپنے عدل، اپنی شان و شوکت اور فراخ دلی میں تمام عباسی حکمرانوں میں ممتاز تھا۔ وہ کئی ایک خوبیوں کا مالک تھا، اس کی خوبیوں کے تذکرے لکھے جا چکے ہیں، بنو عباس میں سے اس سے زیادہ دانا کوئی خلیفہ نہیں تھا۔

## تیسواں باب

### مامون کے عہد پر ایک نظر!

مامون کا دورِ خلافت عربوں کی تاریخ کا ایک شاندار زمانہ ہے۔ مامون کے ۲۰ سالہ عہدِ حکومت میں مسلمانوں نے غور و فکر کے ہر شعبے میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے، یہ کارنامے سائنس اور لٹریچر کی کسی خاص شاخ تک محدود نہیں۔ اس دور میں سائنس اور لٹریچر کے تمام شعبے ان کے مرہونِ منت ہیں۔ سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ انہوں نے فلسفہ اور ادب میں بھی حیرت انگیز کام کیا، ایشیا کی تہذیب کے اس دور میں ریاضیات، ہیئت اور طب نے بڑی ترقی کی، عربوں کا ہسپانیہ اور عیسائیوں کا قسطنطنیہ ان علوم کے وارث بنے، جہاں سے علوم جدید یورپ میں داخل ہوئے، مامون کے خیال میں عوام کی خوشی تعلیم اور تمدن پر مبنی تھی، مامون نے علومِ فنون کی سرپرستی کا انحصار انفرادی حکمرانوں اور جاگیرداروں کی نظر عنایت پر نہ رکھتے ہوئے ان کی ترقی کے لئے مستقل امدادی ادارے قائم کر دیئے تھے، سلطنت کے طول و عرض میں سکول اور کالج قائم کئے گئے، ایک مورخ کے الفاظ میں ”ہم تاریخ عالم میں شاید پہلی مرتبہ دیکھتے ہیں کہ ایک دینی اور شخصی حکومت فلسفہ کے ساتھ نہ صرف اپنا رشتہ جوڑتی ہے بلکہ اس کی کامیابی میں پوری طرح سے حصہ لیتی ہے بروہاری میں مامون نے کبھی نسلی یا مذہبی امتیاز روا نہیں رکھا تھا، رعایا کے ہر فرد کے لئے سرکاری عہدوں کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔“

مامون نے ایک باقاعدہ کونسل آف سٹیٹ (مجلس مشاورت) قائم کی جو سلطنت کی مختلف قومیتوں کے ارکان پر مشتمل تھی، مجلس مشاورت کے ارکان میں مسلمان، یہودی، عیسائی، صابئی اور زرتشتی سب شامل تھے، اسلامی عہدِ حکومت میں غیر مسلموں کو ہمیشہ مذہبی آزادی حاصل رہی ہے۔ اس میں اگر کبھی کوئی تبدیلی ہوتی تو اس کا سبب مقامی گورنروں کا طرز عمل ہوتا تھا۔ مامون کے عہد میں غیر مسلموں کے ساتھ حد سے زیادہ رواداری کی جاتی تھی، آٹشکدوں اور ہیٹلوں کے علاوہ اس کے عہدِ حکومت میں کلیسیوں کی تعداد گیارہ ہزار تھی، بیت المقدس اور الناکیہ کے بطریق کلیسیا کے سرور تھے۔

دوسری صدی ہجری کے دوسرے نصف میں واصل بن عطا کی تحریک اعتزال شروع ہو چکی تھی، واصل بن عطا اصل میں امام جعفر کا شاگرد تھا۔ اس نے خود سے انسانی عقل کی قدر معلوم کی تھی۔ بعد میں واصل نے حضرت حسن بصری کے لیکچروں میں شمولیت کی، لیکن ایک اختلافی مسئلہ کے سبب وہ حضرت حسن بصری کے حلقہ سے علیحدہ ہو گیا، اسی علیحدگی کے پیش نظر واصل بن عطا کے پیرو معتزلین کہلاتے تھے، معتزلین کے خیال میں ”انسان نیکی اور بدی کے اختیار کرنے میں آزاد ہے، انسانی آنکھ خدا کو نہیں دیکھ سکتی خدا کی صفات اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں نیز یہ کہ قرآن مخلوق ہے، انکا یہ خیال بھی تھا کہ انسانی افعال سے متعلقہ قوانین ماحول کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں، مامون نے معتزلین کے خیال قبول کر کے انہیں اپنی سلطنت میں نافذ کرنا چاہا کیونکہ اس کے خیال میں اسلام کے تحفظ اور ترقی کا یہی راستہ تھا مامون نے بغداد کے حاکم کو ایک فرمان کے ذریعہ حکم بھیجا کہ وہ بڑے بڑے علماء کو جمع کر کے ان خیالات کے متعلق ان کی رائے معلوم کرے، بغداد کے بیشتر علماء نے خلیفہ کے خیالات کے ساتھ اتفاق ظاہر کیا، چند ایک علماء کرام نے مامون کی مخالفت کی، ان سب میں نمایاں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں۔ مامون کے دو جانشینوں نے ان کی پیروی کی لیکن ان میں مامون کی سی قابلیت اور صلاحیت نہیں تھی، ان کے عہد حکومت میں عقلیت پسند تحریک نے اتنی زیادہ ترقی کر لی تھی، جس کی مثال جدید یورپ میں نہیں ملتی۔ معتزلین مسجدوں میں تقریریں کرتے اور مدرسوں میں درس دیتے، معتزلین کو خلفاء کا قرب حاصل تھا۔ انہوں نے اس قرب کا بڑی عقل مندی سے فائدہ اٹھایا انہوں نے پروفیسروں، مبلغوں،

ساخندانوں، طبیبوں، وزیروں اور گورنر کی حیثیت میں عربوں کی ترقی میں بڑی امداد کی۔“

مامون کا دربار سائنس اور ادب کے علماء سے بھرا ہوا تھا اس کے دربار میں مختلف ملکوں اور قوموں کے فلسفی، ادیب اور طبیب موجود تھے ان میں ہر ایک کی سرپرستی کی جاتی تھی، اس سرپرستی میں کسی قسم کا امتیاز روا نہیں رکھا جاتا تھا، مورخوں، محدثوں اور نجومیوں پر بے شمار دولت صرف کی جاتی تھی، مامون نے اس حکم کو ختم کیا جسے اس کے دادا منصور نے شروع کیا تھا۔ مامون نے اسکندریہ کے مدرسہ کی کتابیں حاصل کیں اور قسطنطنیہ کے شہنشاہ کے ذریعہ اس نے پرانے یونان کے فلسفیوں کی کتابوں کو حاصل کیا جو نئی یہ کتابیں بغداد میں پہنچیں، ان کا عربی میں ترجمہ کرا کر انہیں عوام تک پہنچا دیا گیا یونانی، سریانی، کلدانی کتابوں کے تراجم کا شعبہ دو زبان نامی برہمن کے سپرد تھا۔ تراجم کے علاوہ مختلف علوم و فنون میں اختراع و ایجاد پر حوصلہ افزائی کی اور تصنیف و تالیف کے کام کے لئے بہت سی آسانیاں مہیا کیں۔

مامون کے عہد میں جو صدر گاہیں بنائی گئی تھیں، ان کے نتائج نے علم و ہیئت میں نمایاں اضافہ کیا، ابوالحسن نے دور بین ایجنڈا کی ہندسہ، اقلیدس، فلسفہ ہیئت، بصریات، میکائکس، طب وغیرہم پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں طب کے مطالعہ کے لئے خاص توجہ دی جاتی تھی۔ عربوں کی فتوحات نے قدرتی طور پر پرانے ایران کی زبان اور ادب کو پس پشت ڈال دیا تھا، ایرانیوں نے عربی کی تحصیل میں اپنی مادری زبان کو ترک کر دیا۔ لیکن مامون کی سرپرستی نے فارسی کے احیاء کا موقعہ پیدا کیا، اس وقت تک فارسی زبان میں عربی کے ہزاروں الفاظ داخل ہو چکے تھے جدید فارسی شاعری کا بانی عباس مزوری مامون ہی کے عہد میں تھا۔

منگل کے دن خلیفہ کی موجودگی میں بڑے بڑے علماء اہل فلسفیانہ اور سائنسی موضوعات پر بحث کرتے، خلیفہ کی طرف سے علماء کے ناشتہ کا انتظام کیا جاتا۔ یہ بحث مباحثہ مغرب کی نماز تک جاری رہتا، نماز کے بعد علماء کو خلیفہ کی طرف سے رات کے کھانے پر مدعو کیا جاتا، ہفتے کے باقی ماندہ دنوں میں مامون اپنی سلطنت کے کام کاج میں مصروف رہتا، مامون تعزیر کے معاملہ میں بہت نرمی کا برتاؤ کرتا تھا۔

ایک خارجی بلاخوف و خطر خلیفہ کی طرف بڑھا، قالین کے سرے پر رکتے ہوئے اس نے مامون سے کہا۔

”مجھے بتائیے کہ آپ کو یہ جگہ کس نے دی ہے؟ کیا آپ یہاں رائے عامہ کی وجہ سے بیٹھے ہیں یا تشدد اور قوت کے بل پر؟“

مامون نے جواب دیا:۔ ”مجھے یہاں نہ رائے عامہ نے بٹھلایا ہے اور نہ تشدد نے بلکہ اس شخص نے جس نے مسلمانوں پر حکومت کی اور اپنی موت کے بعد مجھے میرے بھائی کا وارث بنایا اور جب مجھے اقتدار مل گیا تو میں نے محسوس کیا کہ مجھے رائے عامہ کی ضرورت ہے لیکن میں نے دیکھا کہ اگر حکومت کو ترک کرتا ہوں تو اس سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے، شاہرائیں ڈاکوؤں سے بھر جاتی ہیں امور عامہ میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے، بد امنی کے سبب حج کا راستہ بند ہو جاتا ہے تب میں لوگوں کے تحفظ کے لئے اٹھاتا کہ جب وہ متفقہ طور پر کسی ایک کو اپنا سردار مان لیں تو میں مستعفی ہو جاؤں۔ آج بھی اگر وہ کسی دوسرے شخص پر متفق ہو جائیں تو میں مستعفی ہونے کو تیار ہوں۔“

مامون کا یہ جواب سن کر خارجی یہ کہہ کر چلتا بنا:۔ ”آپ پر خدا کا سایہ اور اس کی عنایت ہو“

خارجی کے چلے جانے کے بعد مامون نے اپنا ایک ملازم اس کے پیچھے بھیجا۔ ملازم نے



اس کا پیچھا کیا اور واپس ہوا۔ واپسی پر اس نے مامون کو بتایا کہ جس شخص نے خلیفہ سے بے دھڑک بات چیت کی تھی وہ یورش پسندوں کی ایک جماعت کا سرور تھا، اس جماعت نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ مامون کے خلاف بغاوت کرے گی، لیکن آپ کا جواب سن کر اس جماعت نے بغاوت کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔

اپنی موت سے چند دن پہلے مامون نے اپنے بھائی معتصم باللہ (ابو اسحاق) کو اپنا جانشین نامزد کیا، نہیں کہا جاسکتا کہ مامون نے اپنے بیٹے عباس کو جسے فوج میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل تھی، اپنا جانشین کیوں مقرر نہ کیا۔ فوج نے شروع میں عباس کے حق میں مظاہرہ کیا لیکن عباس نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اپنے چچا معتصم باللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس پر فوج نے بھی اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔

ماجدید تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ وہ قصیدہ جو عباس مزوری کے نام پر مشہور ہے وہ جعلی ہے اور بہت بعد کی تصنیف ہے۔ فارسی شاعری کے کچھ قدیم ترین نمونے علامہ قزوینی نے جمع کئے ہیں اور ان پر ایک سیر حاصل مضمون بھی لکھا۔ دیکھو بہت مقالہ قزوینی۔

## چوبیسواں باب

### معتصم باللہ

مامون کی وصیت کے مطابق طرطوس میں معتصم باللہ کی خلافت کا اعلان کرویا گیا، اس نے تیانہ کی سرحدی چھاؤنی کو ادھورا چھوڑ دیا۔ تمام سامان کو فوج سمیت طرطوس پہنچا دیا گیا، سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس کام کو چھوڑ کر معتصم نے باقی تمام امور میں مامون کی پیروی کرنے کی کوشش کی، اس کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے ترکوں اور دوسرے غیر ملکیوں کی ایک باقاعدہ فوج مرتب کی، جو آگے چل کر عباسیوں کی سلطنت کے زوال کا سبب بنی، اس فوج کے افسر براہ راست خلیفہ کے ماتحت تھے، خلیفہ کی عرب اور ایرانی فوجوں کا اس فوج سے کوئی تعلق نہ تھا اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس ترک فوج نے بہت جلد رومی سلطنت کے ”پرتوڑی گارڈز“ کی صورت اختیار کر لی، جو اپنی مرضی کے مطابق حکمرانوں کو تخت پر بٹھاتے اور پھر اپنی مرضی سے انہیں اتار دیتے، اس ترک فوج کے سپاہی اعلیٰ قسم کا فوجی لباس پہن کر اپنے گھوڑوں کو بغداد کے بازاروں میں سرپٹ دوڑاتے اور ہر اس راہ گیر کو جو سامنے آتا وہ اسے بلا خوف منہ کے بل گراتے ہوئے آگے نکل جاتے، ترک سپاہیوں کے اس طرز عمل سے بغداد میں شور مچ گیا، بلوے کے خوف سے خلیفہ اپنی اس ترک فوج سمیت بغداد سے چند دن کے فاصلے پر سامرا میں چلا گیا۔ معتصم نے سامرا میں اپنے لئے ایک محل، ترک فوج کے لئے پارکیں اور گھوڑوں کے لئے اصطبل بنوائے۔ شہر میں ترکی سرداروں کے محل اپنی شان و شوکت میں خلیفہ کے محل سے کسی طرح کم نہیں تھے۔

اس عہد کا ایک نمایاں واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے جاٹوں کا ایک قبیلہ دجلہ کے کنارے پر نمودار ہوا۔ عرب مورخ اسے زط کہتے ہیں یہ جاٹ وہاں کیسے پہنچے اس کے متعلق عرب مورخ بھی کچھ نہیں بتاتے لیکن اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ گنتی میں سترہ ہزار تھے۔ جب انہوں نے دھاوے بولنے شروع کئے تو معتصم نے ان کے مقابلہ پر چھوٹی سی ایک فوج بھیجی، انہیں قید کر کے خلیفہ کے سامنے بغداد میں پیش کیا گیا، تاکہ خلیفہ انکی عورتوں

کا عجیب و غریب لباس دیکھ لے، جاٹوں کو سلیشیا کی سرحد پر آباد کر دیا گیا بغیر کسی سبب کے بزنطینیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں جاٹوں کی بہت بڑی تعداد ماری گئی جو زندہ بچے انہیں تھریس کے علاقوں میں بطور غلام آباد کر دیا۔

۵۳۵ء میں بغداد میں امام محمد تقی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، آپ کے بیٹے علی آپ کے جانشین ہوئے۔

بابک کے حملوں نے بہت سے علاقوں کو تباہ کر دیا تھا اس کی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لئے معتمد نے اپنے ترک جرنیل افیشن کو بھیجا، کئی ایک لڑائیوں کے بعد افیشن نے بابک کے قلعہ کو سر کیا، اس کے بیٹے اور کئی ایک دوسرے رشتہ داروں نے ہتھیار ڈال دیئے، ان سب کو بغداد بھیج دیا گیا جہاں معتمد نے ان کے ساتھ بہت زیادہ نرمی کا برتاؤ کیا، بابک اپنے بھائی سمیت آرمینیا بھاگ گیا، جہاں ایک آرمینی سردار نے انہیں پکڑ کر افیشن کے حوالے کر دیا، انہیں بغداد پہنچایا گیا، چونکہ ان کے جرائم ناقابلِ عفو تھے اس لئے انہیں پہلے بغداد کے بازاروں میں ایک ہاتھی پر سوار کر کے پھرایا گیا اس کے بعد انہیں قتل کرایا گیا۔ افیشن نے سات ہزار کے قریب عیسائی اور مسلمان عورتوں کو بابک کے بچے سے رہائی دلا کر انہیں اپنے اپنے گھروں میں پہنچایا۔ جب افیشن ماژندران میں بابک کی سرکوبی کر رہا تھا تو اس کے حلیف شہنشاہ بزنطین نے عباسی سلطنت کے سرحدی علاقوں پر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کے بہت سے شہروں کو جلا کر عورتوں اور بچوں کو ایک بڑی تعداد کو غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ زباطرہ جہاں معتمد پیدا ہوا تھا جلا کر راکھ کر دیا، اس شہر کے مردوں کو یا قتل کر دیا گیا، یا انہیں اندھا کر دیا گیا، جب معتمد کو ان واقعات کا پتہ چلا تو اس نے انتقام لینے کی قسم کھائی، وہ بڑی تیزی سے اپنی فوج سمیت بزنطینیوں سے انتقام لینے کے لئے روانہ ہوا، خلیفہ کی فوج کے ہراول دستوں نے بزنطین کی فوج کو شکست دی، خلیفہ نے اب شہنشاہ بزنطین تھیونی لس کے مقام پر پیدائش عموریہ کا محاصرہ کر لیا، پچاس دن کے بعد یہ شہر فتح ہوا، عربوں نے اس شہر کو سطح زمین سے ہموار کر دیا، تیس ہزار اشخاص کو قتل کیا گیا، باقی آبادی کو بزنطینی کمانڈر سمیت بغداد پہنچایا دیا گیا، اب معتمد باسفورس کی طرف بڑھا تاکہ بزنطین کو ایک فیصلہ کن شکست دے لیکن ایک سازش کے انکشاف سے وہ اس ارادے سے باز رہا۔ بعض عرب جرنیلوں نے جو ترک جرنیلوں کے اثر و رسوخ سے حسد کرتے تھے نوجوان عباس کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ معتمد کو قتل کر دیا جائے۔ اتفاق سے اس سازش کا انکشاف ہو گیا، معلوم ہوتا ہے کہ اس سازش نے خلیفہ کو اس قدر پریشان کیا ہو گا کہ وہ اپنا پروگرام

ملتی کرنے پر مجبور ہو گیا، عباس اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرویا گیا، اب معتصم باللہ نے تھیونی لس کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا، خلیفہ سامرا روانہ ہوا۔ ۸۳۹ء میں طبرستان کے ایک مجوسی شہزادے نے بغاوت کر دی، اس خیال کے پیش نظر کہ عبداللہ بن طاہر اس بغاوت کو فرو نہیں کر سکے گا اور اس طرح خلیفہ اسے (افیشن) مشرق کا گورنر مقرر کر دے گا، افیشن نے باغی شہزادے کو ڈٹ کر مقابلہ کرنے پر اکسایا، مجوسی شہزادہ کو شکست ہوئی اور اسے قتل کرویا گیا، افیشن کو پکڑ کر ایک زندان میں بھوک سے مرنے کے لئے بند کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے پھوڑی دیر بعد ۸۴۲ء کو معتصم باللہ اس دنیا سے چل بسا۔  
معتصم نے اپنی سلطنت کے زرعی امور میں بہت زیادہ دلچسپی لی۔ اس نے اپنی سلطنت کے طبعی ذرائع کو ملک کی ترقی پر صرف کیا۔ جب کبھی معتصم تشدد پر آمادہ ہوتا تو قاضی احمد بن داؤد اس کے غصے کو فرو کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ قاضی احمد بن داؤد معتزلین کا ایک بہت بڑا پیشوا تھا۔

## پچیسواں باب

### واثق باللہ

معتصم باللہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ اس کا جانشین ہوا۔ ابض مورخوں نے واثق کے کردار کو گھناؤنی صورت میں پیش کیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک اچھا حکمران تھا، وہ خوش باش رہنے والا ضرور تھا لیکن اس کے ذاتی کردار پر حرف گیری نہیں کی جاسکتی تھی، اس نے سائنس اور ادب کی سرپرستی کی، صنعت و تجارت کو فروغ دیا، وہ ادب کا بہت دل واہ تھا، اسے موسیقی میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے سو کے قریب راگنیاں ایجاد کی تھیں، وہ حد سے زیادہ سخی تھی۔ اس کے عہد حکومت میں اس کی سلطنت میں ایک بھی گداگر نہیں تھا۔ اس عہد میں یازدہ نطینیوں میں ایک وسیع پیمانے پر جنگی قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔

واثق نے بھی اپنے باپ کی طرح ترکوں کو عربوں اور ایرانیوں پر ترجیح دینے کی غلطی کی، اس نے ایک ترک سردار راتناس کو سلطنت کا نائب (سلطان) مقرر کیا، واثق نے عوام میں اعتزال کو پھیلانے کی کوشش کی، اس کی موت کے ساتھ ہی عباسیوں کی شان و شوکت بھی ختم ہو گئی۔

آئندہ دو سو سال میں عباسیوں کی تاریخ ایسے حکمرانوں کو پیش کرتی ہے جو بغیر اقتدار کے تخت پر بٹھادیئے جاتے تھے، اور بغیر کسی کے آنسو بہائے قبر میں اتار دیئے جاتے تھے۔ واثق نے سامرا میں وفات پائی۔

## پچھیسواں باب

### متوکل سے قائم تک

واثق کی موت کے بعد قاضی القضاہ، وزیر اور بعض درباریوں نے چاہا کہ اس کے نوجوان بیٹے کو تخت پر بٹھائیں، لیکن واصف ترک نے اعتراض کیا کیونکہ اس کے خیال میں شاہی لباس اس نوجوان پر پورا نہیں اترتا تھا۔ چنانچہ واثق کے بھائی متوکل کو اس کا جانشین مقرر کیا گیا، متوکل نے پندرہ سال تک حکومت کی۔ اس کے عہد حکومت میں عباسیوں کے زوال کا آغاز ہوا۔ اس نے عیش و عشرت میں ڈوب کر اپنی سلطنت کو تباہی کے غار میں دھکیل دیا۔ ان سب باتوں کے باوجود وہ بہت عقیدہ پرست تھا، اس کے ایک فرمان کے ذریعہ اعتزال کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا، اس نے پرانے عقائد کے نفاذ کا حکم دے دیا۔ معتزلین کو سرکاری عہدوں سے نکال دیا گیا سائنس اور فلسفہ کے متعلق لیکچر دینے ممنوع قرار دے دیئے گئے، قاضی ابوداؤد ان کے بیٹے اور کئی ایک معتزلین کو قید کر لیا گیا، اور ان کی جائداد کو ضبط کر لیا گیا۔ متوکل نے اپنی سختیوں کا دائرہ صرف معتزلین تک ہی محدود نہ رکھا اس نے غیر مسلموں پر بھی سختیاں کیں۔ انہیں سرکاری عہدوں سے برطرف کر دیا اور طرح طرح سے اذیتیں پہنچائیں۔

حضرت علی اور آل رسول کے ساتھ اتنی دشمنی تھی کہ اس نے امام حسین کے روضہ کو مٹا کر وہاں پانی چھوڑ دیا، واثق نے اپنے وزیر کو کم احترام کرنے کے جرم میں موت کی سزا دی، بزنطینیوں نے ان حالات سے فائدہ اٹھا کر عباسیوں کی مملکت پر حملے شروع کر دیئے، انہوں نے مصر میں دمیاط کو آگ لگا دی اور شلیشہ کو تباہ و برباد کر دیا، ملکہ تھیوڈورا نے دو لاکھ جنگی قیدیوں میں سے ایک لاکھ بیس ہزار کو قتل کر دیا۔ صرف ان لوگوں کی جان بخشی کی گئی جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ متوکل کا طرز عمل اس قدر تند اور غضبناک ہو گیا تھا کہ اس کے ترک محافظوں نے اسے قتل کر دینے کی سازش کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس سازش میں اس کا بیٹا مشنر بھی شامل تھا، چنانچہ ایک رات جب وہ عالم مدہوشی میں تھا تو اس کے ترک محافظوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

متوکل کی موت کے بعد منتفر کی خلافت کا اعلان ہو گیا، اسے ایک انصاف پسند اور نیک دل حکمران کہا جاتا ہے۔ اسے اپنی رعایا کی بھلائی کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ اس نے حضرت علیؓ اور امام حسین کے مزاروں کو از سر نو تعمیر کیا۔ اور اہل بیت کو وہ جائداد واپس کر دی جس کو متوکل نے ضبط کر لیا تھا، اس نے غیر مسلموں پر سے پابندیاں اٹھادیں، بد قسمتی سے وہ چھ مہینے حکومت کرنے کے بعد اس دنیا سے چل بسا۔

اب ترک سرداروں نے جن کے اختیارات بہت وسیع ہو چکے تھے معتمد کے ایک پوتے مستعین کو تخت پر بٹھایا۔ مستعین کو کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ تمام اختیارات ترک سرداروں کے ہاتھ میں تھے۔ منتفر کی موت کے بعد صوبائی گورنر بہت حد تک آزاد حکمرانوں کی حیثیت حاصل کر چکے تھے۔

عبداللہ بن طاہر کی موت کے بعد اس کا بیٹا طاہر اس کا جانشین ہوا تھا۔ اس کا نظم و نسق اپنے باپ کی طرح بہت اچھا تھا۔ بنو طاہر کا صدر مقام نیشاپور تھا جو خراسان کی راجدھانی تھی، ۸۶۳ء میں طاہر کی موت کے بعد اس کا بیٹا محمد اس کا جانشین ہوا۔ محمد نے ۸۷۳ء تک خراسان پر حکومت کی۔ بنو طاہر کے اقتدار کو دیکھتے ہوئے عباسیوں کے مشرقی صوبے ایک ایک کر کے مرکز سے کٹنے لگے۔

مستعین نے ترک سرداروں سے تنگ آکر بغداد میں پناہ لی۔ اسے خیال تھا کہ بغداد میں عرب اور ایرانی سپاہ اس کی امداد کریں گے، ترک سرداروں نے خلیفہ کو بغداد سے واپس لانے کی کوشش ناکام ہونے کے بعد متوکل کے دوسرے بیٹے معتز کی خلافت کا اعلان کر دیا، ترک سردار بغداد کا محاصرہ کرنے کے لئے بڑھے۔ مستعین کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اگر وہ تخت سے علیحدہ ہو جائے تو اسے مدینہ منورہ میں زندگی بسر کرنے کی اجازت دی جائے گی لیکن جب مستعین حجاز جاتے ہوئے واسط پہنچا تو اسے معتز کے بھیجے ہوئے ایک قاتل نے قتل کر دیا۔

اب ترک سرداروں میں باہمی جھگڑے شروع ہو گئے۔ واصف اور بغا کو ان کے مخالفوں نے قتل کر دیا۔ ایک ترک سردار بابکیال نے وزارت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے خلیفہ سے مصر کی نیابت حاصل کر کے مشہور و معروف احمد بن طولون کو اپنا نائب مقرر کیا۔ وزیر کے قتل کے بعد احمد بن طولون مصر کا آزاد حکمران بن گیا، وہ ایک بہت اچھا حکمران ثابت ہوا۔

امام نقی کا ۸۶۸ء میں انتقال ہوا۔ امام حسن عسکری ان کے جانشین ہوئے، معتز تقریباً تین سال تک حکمران رہا، اس کی فوجوں نے تنخواہ کا مطالبہ کیا، جسے وہ پورا نہ کر سکا، فوجوں

نے اسے محل سے گھسیٹ کر باہر نکالا اور اس کی بہت زیادہ بے عزتی کی اور اسے تخت سے دستبردار ہونے پر مجبور کیا۔ اسے قید کر دیا گیا، جہاں وہ تھوڑی مدت بعد قتل ہوا، یہ تھی منصور اور ہارون کے جانشینوں کی حالت زار!

معتز کی دست برداری کے بعد ترک سرداروں نے واثق کے ایک بیٹے مہدی کو تخت پر بٹھایا۔ وہ ایک مضبوط کردار کا انسان اور انصاف پسند حکمران تھا، اچھے حالات میں وہ اچھا حکمران ثابت ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنے محل سے گویوں اور ناپنے والیوں کو نکال دیا۔ اس نے قانون کے مطابق حکومت کرنے کی کوشش کی۔ اس بناء پر اس کا ترک سرداروں سے تصادم ہو گیا، اس نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ ان ترک سرداروں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، جب اس کے ساتھی اسے چھوڑ کر چلتے بنے تو ترک سرداروں نے اسے گرفتار کر کے تخت سے علیحدگی پر مجبور کر دیا، اسے قید کر لیا گیا، تھوڑی مدت بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب متوکل کے بیٹے معتمد کی خلافت کا اعلان کیا گیا، معتمد ایک کمزور حکمران اور عیش پسند انسان تھا۔ تاہم اس کا بھائی اپنی زندگی تک سلطنت کے کام کاج کو اچھی طرح سے چلاتا رہا۔ چونکہ معتمد بغداد میں رہتا تھا، اس لئے اس عہد میں ترک سرداروں کا اثر و رسوخ کچھ کم ہونے لگا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مامون کا دور حکومت پھر سے آنے لگا ہے۔

۶۸۶۳ء میں طبرستان مرکز سے کٹ چکا تھا، حسن بن زید (علوی) نے طبرستان کے لوگوں کو مسلمان کرنے کے بعد وہاں اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔ ۶۸۷۰ء میں یعقوب ابن یسٹ نے بنو طاہر سے سجستان چھین لیا۔ اس نے آہستہ آہستہ سارے شمالی ایران پر اپنا اقتدار قائم کر لیا، تین سال بعد اس نے طاہر کے پوتے کو خراسان سے نکال دیا اور تھوڑی مدت بعد طبرستان پر بھی قبضہ کر لیا، ان کامیابیوں سے مسرور ہو کر عراق پر بھی حملہ کر دیا لیکن واسط کے قریب معتمد کے بھائی نے اسے شکست دی۔ اب یعقوب بن یسٹ اپنی مملکت میں واپس آ گیا، اگلے سال وہ پھر عراق پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ مرگیا، اس کے جانشین اور بھائی عمرو بن یسٹ نے خلیفہ سے صلح کر لی، خلیفہ نے اسے اپنے علاقے کا آزاد حکمران تسلیم کر لیا۔

اسماعیل سامانی کے عہد میں ماورالنہر تقریباً "آزاد ہو گیا۔ سامان ایک سوداگر تھا جس کے خاندان کے افراد نے مامون کے عہد میں بہت ترقی کی، مامون نے سامان کے پوتے احمد کو قرغانے کا حاکم مقرر کیا، احمد کے بعد اس کا بیٹا نصر اس کا جانشین ہوا۔ اسماعیل فاضل اور مضبوط کردار کا آدمی تھا۔ اس نے اپنی ریاست کے استحکام میں بہت کوشش کی، ترکمان قبیلوں



کو جیوں کے پار لگادیا، اس نے رعایا پروری سے اپنے خاندان کی حکومت کو مضبوط کیا، خلیفہ نے اسے بھی فرغانہ کا آزاد حکمران مان لیا!

مصر اور شام پر احمد بن طولون کا قبضہ تھا، احمد بن طولون کی موت (۸۴۳) کے بعد اس کا بیٹا حمارویہ اس کا جانشین ہوا، اس نے دمشق میں رہائش اختیار کی۔

ان خاندانوں کی آزاد حکومتوں نے اگرچہ سلطنت کو کمزور کر دیا تھا لیکن ان کی آزادی سے ریاستوں کی رعایا کو بھی فائدہ پہنچا کیونکہ ان حکمرانوں نے سائنس اور آرٹ کی سرپرستی کی، ان کے عہد میں صنعت اور تجارت کو بہت فروغ ہوا۔

معتز کے عہد میں عراق میں حبشیوں نے جو بغاوت کی تھی، اس کے اثرات بہت تباہ کن ثابت ہوئے، اس بغاوت کا لیڈر ایک ایرانی تھا جس نے اپنے ماننے والوں کو ہر حرکت کی اجازت دے رکھی تھی۔ سلطنت کے مختلف حصوں سے حبشی غلام اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ اس نے بہت جلد عراق اور اہواز پر قبضہ کر لیا اور کئی سال تک خلیفہ کی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ ۸۸۲ء میں اسے شکست دی گئی، اس کا قلعہ تباہ کر دیا گیا، اس کے ساتھی بھاگ گئے اور وہ خود مارا گیا۔

۸۸۳ء میں خلیفہ کی مملکت میں عرب، بابل، عراق، آذربائیجان، آرمینیا اور بحیرہ ہند کے ساحلی علاقے شامل تھے، یہ سلطنت بھی بہت کافی تھی بشرطیکہ اس کا تحفظ کیا جاسکتا۔

بزنٹین نے ان شورشوں سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے علاقوں پر حملے شروع کر دیئے۔ شروع شروع میں انہیں بہت زیادہ کامیابی ہوئی لیکن احمد بن طولون نے ان کے حملوں کی پوری طرح سے روک تھام کی۔

امام حسن عسکری نے ۸۷۲ء میں معتز کے عہد حکومت میں وفات پائی۔ آپ کی وفات کے بعد امامت کا منصب آپ کے بیٹے محمد المہدی کو ملا، آپ شیخان علی چچو کے آخری امام ہیں۔

۸۹۲ء میں معتز کی موت پر معتز اس کا جانشین ہوا۔ معتز اور اس کے جانشین کے عہد میں سلطنت عباسیہ میں کسی قسم کا مزید انتشار پیدا نہ ہوا۔ اس کے برعکس بعض حالات نے خلافت کو مستحکم کر دیا جس سے خلیفہ نے بہت سے صوبوں کو از سر نو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا، معتز کو سفاح ثانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے عباسیوں کی کمزور سلطنت میں پھر سے جان ڈال دی تھی، وہ ایک قابل حکمران اور بہادر انسان تھا، وہ اپنے پیشرو سفاح کی طرح بے رحم ضرور تھا، اس کے خوف سے عباسی سلطنت مزید انتشار سے بچ گئی۔

اس نے باز نین کے خلاف کامیاب لڑائیاں لڑیں، ان لڑائیوں میں اس نے بہت سے شہروں کو باز نینوں سے چھین لیا تھا، اس نے کردوں کو عراق (جزیرہ) سے نکال دیا، موصل کے امیر ہمدان نے آزاد ہونے کی کوشش کی لیکن اسے سختی سے دبا دیا گیا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے پرامن طریق سے مصر کو دوبارہ خلافت عباسیہ سے ملحق کر لیا اور برضا و رغبت دس لاکھ دینار سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔ خلیفہ نے اس کی لڑکی قطر النداء سے شادی کر لی۔ جس سے تعلقات اور زیادہ استوار ہو گئے۔

معتضد کے طرز حکومت میں سخت گیری تھی لیکن اس کے بعض اقدام بلاشبہ بہت مفید تھے۔ اس نے بغداد کو بد معاشوں اور بد چلن اور شریروں سے خالی کیا، یہ لوگ دن کے وقت داستان گوئی یا نجومیوں کا کام کرتے اور رات کے وقت چوری چکاری کرتے۔ بلا وصیت جائداد کے متعلق اس نے نہایت قابل قدر اصلاح کی۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق متوفی کی بہن یا لڑکی وغیرہ کی اولاد ترکہ کے حصہ سے محروم کر دی جاتی تھی۔ یہ قاعدہ ابتدا میں سنی قانون میں رائج ہوا کہ اگر فرقہ ذکور کی جانب سے کوئی رشتہ دار نہ ہو تو جائداد سرکاری ملکیت ہو جایا کرتی تھی۔ معتضد نے لاوارث مال کا محکمہ توڑ دیا اور ہدایت کی کہ اگر ذکور کے حقدار نہ ہوں تو فرقہ اثنا کی طرف کے لواحقین کو متوفی کی جائداد دی جائے۔

اب تک شمسی سال کے آغاز پر اس طرح جشن کئے جاتے تھے جس طرح قدیم ایران کرتے تھے۔ نئے سال کے پہلے دن جسے نوروز خاصہ کہتے تھے خلیفہ دربار کرتا۔ نذرانے لیتا اور تحائف دیتا تھا۔ لوگ آپس میں ملاقاتیں کرتے رنگے ہوئے بیضے اور قسم قسم کی مٹھائیاں ایک دوسرے کو بھیجتے۔ آتشبازی چھوڑتے ایک دوسرے پر خوشبو دار عریقات یا رنگ دار پانی چھڑکتے۔ چونکہ پانی چھڑکنا حد اعتدال سے بڑھ گیا تھا اور آتشبازی خطرناک تھی، معتضد نے یہ دونوں رسمیں ممنوع قرار دیں۔ کتب فروشوں کو فلسفہ کی کتابیں فروخت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ نوروز کو مارچ سے ہٹا کر جون میں لے گیا، جو سریانی تقویم کا نیا سال ہے۔

اسی کے عہد حکومت میں افریقہ میں قائمیں کا زور ہوا اور اشتراکیت پسند قرامطہ نے عرب، شام اور عراق میں ایسی تباہی مچائی جس نے اسلامی دنیا کو بہت نقصان پہنچایا، قرامطہ نے سب سے پہلے کوفہ میں سر نکالا، بہت جلد ان کے عقائد بحرین تک جا پہنچے۔

بحرین مسلمان انقلاب پسندوں کی جائے پناہ رہا ہے۔ بحرین میں ابو سعید جنابی کی سرکردگی میں انہوں نے اتنی قوت حاصل کر لی تھی کہ انہوں نے عراق پر حملہ کر کے خلیفہ کی فوج کو شکست دی۔

دو سال بعد وہ شام میں داخل ہو گئے، انہوں نے سارے صوبے کو ویران کر دیا، ابو سعید کے قتل ہو جانے کے بعد اس کا بیٹا ابو طاہر قرامطہ کا لیڈر بنا، اس کی زیرِ کمان قرامطہ نے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور آس پاس کے علاقوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ وہ خلیفہ کی فوجوں کو ہر مقام پر شکست دیتے رہے، یہاں تک کہ معتضد کے عہد میں انہوں نے ایام حج میں مکے پر حملہ کر دیا حاجیوں کو قتل کیا۔ خانہ کعبہ کی بے حرمتی کرنے کے بعد وہ حجر اسود کو اٹھا کر لے گئے، اب مسلمانوں نے متفق ہو کر انہیں شکست دینے کے لیے اقدام کیا، پندرہ سال کی خونریز لڑائیوں کے بعد ان کا قلع قمع کیا گیا لیکن قرامطہ کی شورش کے تباہ کن اثرات نہ مٹائے جاسکے، عرب شام کا اہم حصہ اور عراق ویران کئے جا چکے تھے۔

ان حالات میں بازنطینیوں نے مسلمانوں کی مملکت پر حملہ کر دیا ۶۹۰۳ء میں معتضد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا کنتفی اس کا جانشین ہوا۔ وہ ایک عقلمند اور عادل حاکم تھا، اس نے بغداد پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے باپ کے بنوائے ہوئے زیر زمین قید خانے توڑ کر ان کی جگہ مسجدیں بنوادیں، معتضد نے اپنے محل کے باغ کے لئے لوگوں سے جو زمینیں چھین لی تھیں، اس نے ان زمینوں کو ان کے وارثوں کے سپرد کر دیا، اس نے اپنی رعایا کے دل میں محبت پیدا کر لی!

قرامطہ کی تباہ کاریوں نے خلافت کی فوجوں کو اگرچہ بہت زیادہ مصروف کر رکھا تھا، لیکن اس پر بھی کنتفی نے مصر کو براہ راست اپنے زیرِ نگیں کیا اور بازنطینیوں کو شکست دی، عربوں نے ان کے اہم شہر والیہ پر قبضہ کر لیا، پانچ سال کی مختصر حکومت کے بعد کنتفی دنیا سے چل بسا، اس کا بھائی مقتدر، جس کی عمر تیرہ سال تھی اس کا جانشین ہوا، اس کے عہدِ حکومت کے شروع میں اس کے وزیروں نے سلطنت کی شان و شوکت کو قائم رکھا لیکن اس کی بے پروائی نے اس کے آخری ایام حکومت میں سلطنت کو زوال کی طرف دھکیل دیا، فاطمی حکمران عبید اللہ المہدی نے سارے شمالی افریقہ کو فتح کر لیا، اس نے بنو اغلب کے آخری حکمران کو شمالی افریقہ سے باہر نکال دیا۔ یہ شہزادہ مصر کی راہ سے عراق بھاگ گیا۔

اسی زمانہ میں میڈیا کے شمالی علاقہ میں آباد ویلمیوں نے اسلام قبول کیا۔ انہی ایام میں بغداد میں بز لیبی سفارت پہنچی، بغداد نے اس سفارت کا شاندار خیر مقدم کیا، اسی سال بغداد میں مقتدریہ ہسپتال کا افتتاح کیا گیا، اس ہسپتال کے لئے سات ہزار وینار سالانہ منظور ہوئے۔ مقتدر کے آخری ایام حکومت میں حکومت کی باگ ڈور اس کی ماں کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے فرمان اور احکام جاری کرتی، جمعہ کے دن وہ قانسیوں اور درباریوں کی

موجودگی میں اپیلیں سنتی، مقتدر کے عہد حکومت میں حنبلیوں کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا تھا، حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے پبلک احتساب کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، وہ لوگوں کے گھروں میں داخل ہو کر ہر اس چیز کو ضائع کر دیتے جو ان کے ذاتی ذوق کو مجروح کرتی ہوئی دکھائی دیتی، وہ کتب فروشوں کی دوکانوں سے سائنس اور فلسفہ کی کتابوں کو اٹھا کر انہیں بازاروں میں جلا دیتے، مقتدر (۹۰۷-۹۳۲) اپنے ایک درباری کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا، اس کی موت کے بعد قاہرہ اس کا جانشین ہوا۔ وہ ظالم حکمران تھا، اس لئے جن ہاتھوں نے اسے تخت پر بٹھایا تھا، انہوں نے اسے ۹۳۲ء میں تخت سے اتار کر اندھا کر دیا، اس کے عہد حکومت میں مصر پھر آزاد ہو گیا۔

اب ترک سرداروں نے مقتدر کے ایک بیٹے۔ (راضی) کو تخت پر بٹھایا اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی خلفاء کی شان و شوکت اور قوت کا خاتمہ ہو گیا، اس کے تخت نشین ہوتے ہی واسطہ اور بصرہ کے گورنر نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ کمزور حکمران نے اسے امیر الامراء کا خطاب دیا۔ اب خلیفہ کے پاس بغداد اور اس کے مضافات کے علاوہ اور کچھ بھی باقی نہیں تھا، ہر صوبے کے گورنر نے آزادی اختیار کر لی تھی، اس وقت تک ہسپانیہ کے اموی حکمران خلیفہ یا امیر المومنین کے لقب سے گریز کرتے چلے آ رہے تھے، لیکن عباسی خلیفوں کی کمزوری نے عبدالرحمن کو خلیفہ کا لقب اختیار کرنے میں رہنمائی کی۔

۹۳۰ء میں راضی کی موت کے بعد مقتدر کا دوسرا بیٹا متقی اس کا جانشین ہوا۔ وہ ترک امیر الامراء کے قبضہ میں تھا، اس کے عہد حکومت میں ترک سرداروں کی آپس میں بہت سی لڑائیں ہوئیں، بازنطین نے بھی موقعہ پا کر اویسیہ پر حملہ کرنے سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔

۹۳۳ء میں امیر الامراء نے متقی کے بھائی مکتنفی کو اس کا جانشین مقرر کیا، اس نے ویلیجی شہزادوں کو بہت بڑے بڑے خطاب دیئے، ان میں سے ایک کو اس نے سلطان کا خطاب دیا، نماز جمعہ میں خلیفہ کے نام کے ساتھ ساتھ سلطان کا نام بھی لیا جانے لگا، سلطنت کے تمام اختیارات سلطان کے ہاتھ میں چلے گئے، سکوں پر بھی اس کا نام کندہ ہونے لگا۔

خلیفہ کو خزانہ عامرہ سے پانچ ہزار دینار سالانہ ملتے تھے، امیر الامراء معز الدولہ اگرچہ علوم و فنون کا سرپرست تھا، لیکن وہ طبیعت کا ظالم تھا۔ سب سے پہلے اسی نے محرم کی دسویں تاریخ کو امام حسین کی یادگار کے طور پر منایا۔

بازنطین کی طرف سے حملوں کی رفتار برابر جاری رہی، مسلمانوں کی کمزور اور بیٹی ہوئی

سلطنت ان حملوں کا مقابلہ نہ کر سکی۔

امیر الامراء نے سازش کے شبہ پر خلیفہ کو ۹۳۶ء میں تخت سے اتار کر اندھا کر دیا۔ اب مقتدر کے ایک دوسرے بیٹے مطیع کو تخت پر بٹھایا گیا۔ آل بویہ تقریباً ایک سو سال تک برسر اقتدار رہے۔ ترک فوجی سرداروں کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ ان میں سے اگرچہ کئی ایک ظالم تھے لیکن ان کے عہد امارت میں رعایا کو کافی خوش حالی نصیب ہوتی رہتی۔

معزالدولہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا بختیار امیر الامراء بنا، خلیفہ کی طرف سے عند الدولہ کا خطاب ملا، سات سال کے بعد غزالدولہ نے مطیع کو تخت سے اتار کر اس کے بیٹے طالع (۹۷۳ - ۹۹۱) کو تخت پر بٹھایا آل بویہ کی علمی سرپرستی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں بڑے بڑے نامور اہل قلم پیدا ہوئے، مسعودی فارابی، متینی، ابو الفرج اور وینادری سب کے سب مطیع کے ہم عصر تھے۔

معزالدولہ کو اس کے بیٹے غزالدولہ نے معزول کر دیا، خلیفہ نے مجبور ہو کر اسے تاج الملت کا خطاب کیا۔ غزالدولہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا مصمام الدولہ اس کا جانشین ہوا۔ خلیفہ نے اسے شمس الملت کا خطاب دیا۔ مصمام کو اس کے بھائی شرف الدولہ نے معزول کر دیا۔ اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے ابو نصر کو خلیفہ کی طرف سے بہاؤ الدولہ اور ضیاء الملت کا خطاب ملا۔

غزالدولہ اور شرف الدولہ نے بغداد کی علمی سرگرمیوں کو پھر سے تازہ کیا۔ اس عہد میں کئی ایک بلند مرتبہ سائنس دان پیدا ہوئے!

بہاء الدولہ نے طالع کو معزول کر کے اس کے بھائی قادر کو تخت پر بٹھایا طالع اپنے بھائی کے محل ہی میں رہنے لگا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قادر نے اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہوگا۔ قادر نے ۱۰۰۲ میں وفات پائی۔

قادر کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت نیک اور پارسا انسان تھا۔ وہ رات کا زیادہ وقت عبادت میں صرف کرتا اور اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ خیرات کرتا اس نے معتزلین کے خلاف کئی ایک رسائل لکھے جن میں اس نے اعتزال کو بدعت قرار دیا!

## ستائیسواں باب

### خاندانِ غزنویہ!

ماورالنہر اور خراسان پر سامانیوں نے ۸۷۳ سے ۹۹۹ تک حکومت کی۔ اس خاندان کے آخری ایام میں ایک ترک سپاہی نے جس کی زندگی کا آغاز غلام کی حیثیت سے ہوا تھا بہت ترقی کر لی لیکن بادشاہ اس سے ناراض ہوا اور اس غلام کو بخارا سے بھاگنا پڑا، اس سپاہی کا نام اپتگین تھا، اس نے افغانستان کے کوہستانوں میں اپنے لئے ایک چھوٹی سی ریاست کی طرح ڈالی، اس کی راجدھانی غزنی تھی، سامانی بادشاہ نے اپتگین کو مطیع کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ سولہ سال تک مقابلہ کرتا رہا۔ ۹۹۵ء میں اپتگین کی موت کے بعد اس کا داماد سبکتگین اس کا جانشین ہوا۔ اس نے بہتر نظم و نسق سے اپنی رعایا کے دل کو ہاتھ میں لے لیا، اور اپنے ہمسایہ لوگوں سے اپنی عزت کرائی۔ خلیفہ نے سبکتگین کو ناصرالدولہ کا خطاب دیا۔ اس طرح اس نے خاندانِ غزنویہ کی بنیاد رکھی۔ اس کی فوجوں نے ہندوکش کو پار کر کے پنجاب پر چڑھائی کی، چونکہ وہ سامانی بادشاہ کی فوج کا طرف دار تھا، اس لئے اس نے اس کی ریاست کو ترکمانوں کے حملے سے بچایا!

اس کی موت کے بعد اس کے دو بیٹوں محمد اور اسماعیل میں تخت نشینی کے لیے لڑائی ہوئی۔ محمد چاہتا تھا کہ دونوں بھائیوں میں باپ کی ریاست تقسیم کر لی جائے مگر اسماعیل نہ مانا۔ محمد لڑائی میں کامیاب ہوا۔ اسی زمانہ میں سامانیوں کی قوت پھوٹ گئی ۱۰۰۰ء میں محمود نے خراسان پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ نے اس کی حکومت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے یمین الدولہ اور امین الملک کا خطاب دیا۔

سلطان محمد کا عہد حکومت ایشیا کی تاریخ میں ایک شاندار دور ہے۔ اس نے غزنی کو خوبصورت بنایا، روم کے پہلے شہنشاہ کی طرح اس کے متعلق بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس نے غزنی کو جو جھونپڑوں کی ایک بستی تھی بڑے بڑے محلات کا شہر بنا دیا، وہ علوم و فنون کا سرپرست تھا، اگرچہ اس کی سخاوت میں کبھی کبھی تنگ نظری حائل ہو جاتی تھی لیکن اس پر بھی اس کا دربار عالموں اور فاضلوں کا مرکز تھا، البیرونی، فردوسی، دقیقی اور کئی دوسرے فلسفی اور شاعر اس کے عہد میں گزرے ہیں

سلطان محمود کئی مرتبہ ہندوستان میں داخل ہوا لیکن اس نے پنجاب کی سرحدوں کے باہر کوئی مستقل علاقہ اپنی سلطنت میں شامل نہیں کیا۔ جب محمد مشرق میں مصروف تھا تو ترکمانوں کی ایک جماعت میدانوں سے نکل کر ماورالنہر میں آباد ہو گئی، سلطان محمود نے ان سے اطاعت کا وعدہ لے کر ان سے معمولی خراج لینے پر اکتفا کی یہی سلطان کی غلطی تھی۔

اس جماعت کو کمزور کرنے کی غرض سے سلطان محمود نے ان میں سے ایک قبیلہ کو ان کے سردار سلجوق کی رہنمائی میں خراسان میں جلاوطن کر دیا، خراسان میں سلجوقیوں نے طاقت پکڑنی شروع کی، یہاں تک کہ وہ اپنے سابق آقاؤں کے خلاف لڑنے لگے۔ سلطان محمود نے ۱۰۳۰ء میں وفات پائی۔ وہ اپنے بیٹے اور جانشین مسعود کے لئے ایک بہت بڑی سلطنت چھوڑ گیا۔ مسعود نے سلجوقیوں کو خراسان سے نکلنے کی بہت کوشش کی، ہرات کے قریب سلجوقیوں اور غزنویوں میں لڑائی ہوئی جس میں مسعود کو شکست ہوئی۔ اب غزنی سلطنت کے کھنڈروں پر سلجوقیوں نے اپنی سلطنت کی عمارت کھڑی کی، سلطان مسعود کی سلطنت اب افغانستان اور پنجاب تک ہی محدود تھی۔

سلطان مسعود کی موت کے بعد جانشینی کے جھگڑے چلتے رہے یہاں تک کہ سلطان ابراہیم غزنی کے تخت پر بیٹھا سلطان ابراہیم مشہور فلسفی شاعر حکیم سنائی کا دوست اور مرہی تھا۔ سلطان ابراہیم نے خراسان کے سلجوقی شہزادے سے صلح کر کے اپنی تمام سرگرمیوں کو ہندوستان کی طرف مبذول کر دیا۔

## اٹھائیسواں باب

### آل سلجوق

سلطان مسعود کو شکست دینے کے بعد سلجوقیوں نے سلجوق کے پوتے طغرل بیگ کو اپنے قبیلہ کا سردار چن لیا۔ ابن الاثیر کے الفاظ میں ”طغرل بیگ ایک عقلمند حکمران، سخی، نیک اور سادہ دل انسان تھا۔ طغرل نے بہت جلد جرجان، عراق، عجم، خوارزم اور دوسرے مغربی صوبوں کو اپنے ماتحت کر لیا آل بویہ کے شہزادوں نے اس سلجوقی سردار کے اقتدار کو تسلیم کر لیا۔ طغرل جب کبھی کوئی شہر فتح کرتا تو وہاں اپنی فتح کی یادگار میں ایک مسجد بنواتا۔ اس کی پاکبازی کی شہرت نے اسے اپنے دشمنوں پر غلبہ پانے میں بہت مدد دی۔

جب ایران میں آل بویہ کا چراغ بجھ رہا تھا، تو اس وقت قادر (۹۹۱ - ۱۰۳۱ء) نے ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی، اس نے تقریباً ۳۱ سال حکومت کی۔ اس کے عہد حکومت میں کئی ایک ایسے فاضل اور عالم گزرے جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

قادر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا قائم تخت پر بیٹھا، وہ ایک پاکباز، نیک اور رحمدل انسان تھا، اس نے علوم و فنون کی سرپرستی میں خوب حصہ لیا، وہ تقریباً چوبیس سال تک بغیر کسی دنیوی ثروت کے ایک دینی پیشوا کی طرح کام کرتا رہا، وہ آل بویہ کے زیر اثر تھا، جب ایک ترک سردار ارسلان بھری نے ملک رحیم کو امارت کے عہدے سے برطرف کر دیا تو اس وقت قادر نے سلجوقی حکمران سے امداد طلب کی طغرل بڑی تیزی کے ساتھ بغداد کی طرف بڑھا۔ اس کے بغداد پہنچتے ہی ارسلان بھری بغداد سے بھاگ نکلا، لیکن جب طغرل کو ایک بغاوت فرو کرنے کے لئے ایران جانا پڑا تو ارسلان پھر بغداد میں آن دھمکا۔ اس نے قادر کو تخت سے ہٹا کر مستنصر کو خلیفہ بنا دیا۔

طغرل پھر بغداد کی طرف بڑھا۔ ایک لڑائی میں ارسلان مارا گیا۔ طغرل نے قائم کو پھر تخت پر بٹھا دیا۔ اب ممنون خلیفہ نے سلجوقی حکمران کو اس اسلامی سلطنت کا سب سے بڑا دنیوی حاکم بنا دیا جو عباسیوں کے روحانی اقتدار میں تھی۔

بغداد میں طغرل کی تاجپوشی کی رشم بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ خلیفہ نے اپنے ہاتھ



سے طغرل کے سر پر دو تاج رکھے، جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ طغرل کا اقتدار عربوں اور ایرانیوں دونوں پر ہے، منادی کرنے والوں نے طغرل کے مشرق و مغرب کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔

طغرل کی سرگردگی میں سلجوقی ایشیا میں غالب قوم بن گئے۔ سلجوقیوں کا قبیلہ ترکی نسل سے تھا۔ اگرچہ ترک اور مغل ایک ہی اصل سے ہیں لیکن دونوں میں بہت فرق تھا، مغل ایشیا کے انتہائی کناروں میں نیم بربریت کی زندگی گزارتے تھے۔ مغرب میں رہنے والے قبیلوں کا جب عربوں سے میل جول ہوا تو وہ کافی منذب ہو گئے، ان ترک قبیلوں میں سلجوقی سب سے زیادہ متمدن تھے، انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جب عرب پُر امن ایام میں فنون کو ترقی دے رہے تھے تو اس وقت سلجوقی اسلام کی مملکت پھیلانے میں مصروف ہو گئے، گیارہویں صدی کا پچھلا نصف ان کی تاریخ کا سب سے زیادہ شاندار زمانہ ہے۔

بزنطین نے خلافت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عباسیوں کی مملکت پر پھر سے حملے شروع کر دیئے تھے۔ دسویں صدی کے آخری بزنطین کی سلطنت ایک طرف انطاکیہ تک، دوسری طرف آرمینیا کی سرحد تک پھیل چکی تھی۔

۱۰۶۰ء میں طغرل نے بزنطین کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا، طغرل نے بزنطینیوں کو کیاوشینہ اور فرغندہ سے باہر نکال دیا، لیکن ان علاقوں کو اس کے جانشین الپ ارسلان نے مستقل طور پر فتح کیا، ۱۰۶۳ء میں طغرل کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا الپ ارسلان اس کا جانشین ہوا، ابن الاثیر کے الفاظ میں ”الپ ارسلان ایک عقلمند حکمران اور نیک دل انسان تھا۔ خلیفہ نے اسے سلطان کا خطاب دیا۔“

الپ ارسلان جارجیا اور آرمینیا کو فتح کرنے کے بعد آذربائیجان کا رخ کرنے والا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ بزنطینی شہنشاہ ارمانوس دو لاکھ سپاہی لے کر ایشیائے کوچک میں اس ارادے سے پہنچ چکا ہے کہ بغداد کو تباہ کرنے کے لئے آگے بڑھے، اس سے بہتر اور مسلح فوج اس وقت تک فتح کرنے یا لوٹ مار کے لیے قسطنطنیہ سے کبھی نہیں نکلی تھی، بزنطینیوں کے بڑھنے کے ساتھ ہی مسلمان پیچھے ہٹ کر ملازجرو میں رک گئے۔ یہ مقام موجود ارض روم اور وان کے درمیان واقع تھا، اسی مقام پر عرب فوج کی امداد کے لئے سلطان الپ ارسلان بھی پہنچ گیا۔ اس لڑائی میں ایشیاء میں بزنطین کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے بزنطینی فوج کو شکست دی۔ شہنشاہ کو پکڑ کر سلطان کے خیمہ میں پیش کیا گیا۔ سلطان نے اس کے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا!

ایک طویل بات چیت کے بعد سلطان اور شہنشاہ میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے شہنشاہ نے اپنی لڑکیوں کی شادی سلطان کے بیٹوں سے کرنی منظور کی۔ اس نے دس لاکھ اشرفی بطور تاوان جنگ اور تین لاکھ ساٹھ ہزار اشرفی سالانہ بطور خراج دینا منظور کیا۔ اس نے سارے جنگی قیدیوں کو رہا کرنے کا بھی اقرار کیا۔ اب شہنشاہ کو سلطان کی فوج کی حفاظت میں قسطنطنیہ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ لیکن اسے راستے میں معلوم ہوا کہ اس کی رعایا نے اسے معزول کر دیا ہے، اس موقع پر سلطان نے شہنشاہ کی فوجی امداد کرنا چاہی لیکن اس سے پہلے کہ سلطان شہنشاہ کی امداد کرنے پانا ارمانوس گرفتار ہو کر اندھا کر دیا گیا تھا۔

ملازجرو کی لڑائی کے بعد الپ ارسلان نے ایشیائے کوچک کی حکومت کو اپنے چچا زاد بھائی سلیمان کے سپرد کر دیا، سلیمان ایک عقلمند حکمران اور ایک بہادر سپاہی ثابت ہوا۔ اس نے اپنی فتوحات کو شمال میں بیس پونت مغرب میں بحیرہ روم تک پھیلا کر بزنشین کے حکمرانوں سے خراج وصول کیا۔ اس نے نیتھیہ کو اپنی راج دھانی بنایا۔ جب نیتھیہ پر سلیسوں نے قبضہ کیا تو اس وقت ایشیائے کوچک کی مسلم حکومت کا صدر مقام قونیہ کو بنایا گیا، ایشیائے کوچک پر سلیمان کی اولاد کا قبضہ رہا یہاں تک کہ تاتاریوں نے اس خاندان کی حکومت کو ختم کر دیا۔ عربوں کی تاریخ میں یہ حکمران سلاطین روم کہلاتے تھے۔ یہ بادشاہ اپنی قوت اور اپنی تہذیب کے بہت سے آثار چھوڑ گئے ہیں۔

الپ ارسلان کے عہد میں حکومت کے نظم و نسق کا سارا کام اس کے وزیر خواجہ حسن نظام الملک کے سپرد تھا۔ الپ ارسلان کی موت (۱۰۷۳ء) کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ اس کا جانشین ہوا!

تین سال بعد خلیفہ قائم بھی اس دنیا سے چل بسا۔ اس کا پوتا مقتدی اس کا جانشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت مقتدی کی عمر صرف انیس سال تھی۔ اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت نیک دل اور پارسا انسان تھا۔ اس نے امن عامہ کے لئے بغداد سے تمام بد چلن لوگوں کو نکال دیا۔ اس زمانہ میں حبشیوں اور حنفیوں میں جو فسادات ہوئے ان سے بہت زیادہ نقصان ہوا۔ اس زمانہ میں اسلامی دنیا کا مرکز خلیفہ کی جگہ سلطان ملک شاہ تھا۔

ملک شاہ کی حکومت کے شروع میں چند ایک بغاوتیں ہوئیں جنہیں اس نے فرد کر دیا۔ اپنے بھائی کی بغاوت فرو کرنے کے سلسلہ میں اس نے امام رضا کے مقبرہ پر جو دعائیں لگی اس سے اس کے اخلاق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس نے اپنی دعائیں یہ کہا تھا "اللہم! اگر میرا بھائی مسلمانوں پر حکومت کرنے میں مجھ سے زیادہ اہل ہے تو میرے بھائی کو فتح عنایت

کر بہتر حکمرانی میں بہت کم بادشاہ اس کے مرتبہ تک پہنچے ہیں۔ اس نے نظام الملک کو بدستور وزیر بنائے رکھا۔ یحییٰ برکی کے بعد نظام الملک ایشیا کا سب سے بڑا وزیر تھا۔ اس کی قابلیت اور صلاحیت کا ثبوت اس کی کتاب ”سیاست نامہ“ میں ملتا ہے۔

سلطان کی وسیع سلطنت میں امن و امان قائم تھا۔ یہ سلطنت چین سے بحیرہ روم اور جارجیا سے یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ ملک شاہ نے بارہ مرتبہ اپنی سلطنت کا دورہ کر کے ہر صوبے کی ضرورتوں اور تقاضوں پر غور کیا۔ تجارتی اور زیارتی سڑکوں پر اس نے ہارون اور مامون کی طرح آرام گاہیں بنوائیں اور سوداگروں اور مسافروں کی حفاظت کے لئے اس نے سڑکوں پر پولیس کی چوکیاں قائم کیں۔

ملک شاہ کا عہد حکومت بہت شاندار تھا۔ لوگ خوش حال تھے۔ کاروبار کو فروغ حاصل تھا۔ علم و ادب ترقی پر تھے۔ فارسی زبان نے اسی عہد میں نمایاں ترقی کی۔ ایشیاء کے شہروں میں بڑے بڑے کالج، مسجدیں، محل اور ہسپتال تھے۔ سلطنت کے طول و عرض میں نہروں اور سڑکوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ سلطان نے اپنے وزیر کے مشورہ سے تقویم (کیلنڈر) میں جو تبدیلی کی اس کی اہمیت کو ساری دنیا نے محسوس کیا۔ اس کام کے لیے عمر خیام کی صدارت میں بڑے بڑے سائنسدانوں کی ایک کانفرنس کی گئی ملک شاہ کے خطاب کی نسبت سے یہ اصلاح شدہ کیلنڈر تقویم جلالی کہلاتا ہے۔

روم کے سلطان سلیمان نے اپنی مملکت کی حدود کو کاریہ تک بڑھا کر کئی ایک جزیروں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بزنطین کے تین شہنشاہوں نے ایک دوسرے کے بعد شاہ کو خراج دیا۔ سلیمان نے بزنطینیوں کو انطاکیہ سے نکال دیا۔

۱۰۶۱ء میں نارمنوں نے سسلی پر حملہ کیا تھا، عربوں کے باہمی اختلافات سے نارمن لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا لیکن اس کے باوجود کئی سال تک سسلی میں لڑائی ہوتی رہی۔ تیس سال کی لڑائی کے بعد کاؤنٹ راجر نے ۱۰۹۱ء میں سسلی پر قبضہ کر لیا۔

## ایشیواں باب

### حسن بن صباح

ملک شاہ کے عہد حکومت کے آخری دنوں میں اسلامی تاریخ کے فنکار "حشیشین" حسن بن صباح کے پیرو "ماژنڈران کے کوہستانوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ یہی کوہستان ایک زمانہ میں بابک اور اس کے ساتھیوں کی آماجگاہ رہ چکے تھے۔ اخوت کی یہ تحریک جو بعد میں ایشیا اور یورپ دونوں میں رائج ہوئی حسن بن صباح کی قائم کردہ تھی۔ حسن بن صباح نظام الملک کا ہم مکتب تھا، جب حسن بن صباح سلجوقی سلطنت میں اعزاز حاصل کرنے میں مایوس ہو گیا تو پھر وہ زہر اور خنجر کے بے خوف استعمال سے اس سلطنت کو تباہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ وہ مصر کے فاطمی خلفاء کا پیرو بن کر مشرق میں ان کا داعی بن گیا۔ اسے یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو اسماعیلیہ حلقہ میں داخل کرے۔

اس وقت اسماعیلیہ تحریک میں صرف دو درجے تھے۔ داعی اور رفیق۔ جب داعی تحریک کے خفیہ عقائد تسلیم کر لیتا تو پھر اسے رفیق بنا کر خفیہ سوسائٹی میں شامل کر لیا جاتا تھا۔ حسن بن صباح نے اس بات کو محسوس کیا تھا کہ اسے اپنا کام چلانے کے لیے ایک تیسرے درجہ کی بھی ضرورت ہے۔ ایک ایسا درجہ جس کے ارکان اپنے حاکموں کا ہر حکم چون و چرا کئے بغیر مان لیں۔ اس درجہ کے لوگ فدائی کہلائے جانے لگے۔

اس برادری کا سب سے بڑا سردار "سیدنا" کہلاتا تھا اسے عام طور پر شیخ الجبلی بھی کہا جاتا تھا، فدائی اس کے باڈی گارڈ ہوتے تھے جو اس کے ہر حکم پر عمل کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوتے تھے۔ سردار کے بعد داعی الکبیر ہوتا تھا۔ اس تحریک کے تین بڑے مرکزوں جبل، کوہستان اور شام کے لئے ایک ایک داعی الکبیر مقرر تھا۔ ان کے ماتحت ایک اور جماعت تھی جو لوگوں کو اس تحریک میں شامل کرتی۔ یہ داعی کہلاتے تھے۔ ان فنکاروں کو ملاحظہ کا نام دیا گیا۔

حسن بن صباح نے اپنی طاقت کے زور پر ماژنڈان کا ایک قلعہ الموت اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس قلعہ میں بیٹھ کر اس نے سوسائٹی پر حملے شروع کئے۔ ملک شاہ نے حسن بن صباح کے خلاف دو مرتبہ فوج بھیجی لیکن وہ اس سوسائٹی کا قلعہ قمع کرنے سے پہلے اس دنیا

سے رخصت ہو گیا، ۱۰۹۱ء میں حسن بن صباح کے ایک فدائی نے نظام الملک طوسی کو قتل کر دیا۔ ابن الاثیر کے الفاظ میں ”نظام الملک کو عوام اور خواص دونوں میں مقبولیت حاصل تھی۔ اس کے تینوں بیٹے ملک شاہ کے جانشینوں کے وزیر بنے۔“

نظام الملک کی موت کے بعد ملک شاہ بغداد میں آیا تاکہ بزنطینی شہنشاہ کامپنیس کی بیٹی سے شادی کرے۔ لیکن موت نے یہ شادی نہ ہونے دی۔ اگر یہ شادی ہو جاتی تو اس کا مشرق اور مغرب دونوں پر گرا اثر پڑتا۔ ملک شاہ نے اکیس سال حکومت کرنے کے بعد اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

ملک شاہ کی وفات کے بعد سلجوقی سلطنت کی شان و شوکت ختم ہو گئی۔ ملکہ ترکان خاتون کی درخواست پر خلیفہ نے ملک شاہ کے چھوٹے بیٹے کو سلطان تسلیم کر لیا۔ خلیفہ نے اس بیٹے کو ”ناصر الدینا والدین“ کا خطاب دیا لیکن اس بیٹے کو بہت جلد اپنے بڑے بھائی برکیاروق کے لئے جگہ خالی کرنا پڑی۔ خلیفہ نے اسے ”رکن الدین“ کا خطاب دیا۔ بھائیوں کی خانہ جنگی کے دوران میں حسن بن صباح کی تحریک کو کامیابی کا اچھا خاصا موقع مل گیا۔ انہوں نے شمالی ایران، عراق اور شام کے مضبوط قلعوں پر قبضہ کر کے دنیائے اسلام کے بہترین افراد کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

۱۰۹۳ء میں مقتدی کی موت کے بعد اس کا بیٹا مستنصر اس کا جانشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر صرف انیس سال تھی، بہتر زمانے میں وہ بہتر حکمران ثابت ہو سکتا تھا اسی عہد میں صلیبی لڑائیاں شروع ہوئیں۔

## تیسواں باب

### پہلی صلیبی جنگ

خلیفہ مستنصر باللہ ہی کے عہد میں مغربی ایشیا پر تعصب اور جہالت کا وہ طوفان اٹھ آیا جو نصرانیت کی تاریخ میں مقدس لڑائیوں کے نام سے پکارا جاتا ہے، یورپی تاریخوں میں ان لڑائیوں کے گرد رومان کا ایک ہالہ کھینچ دیا گیا ہے، ہر اس سپاہی یا نائیٹ کو جس نے ان لڑائیوں میں حصہ لیا رستم زماں بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ صداقت کے پیش نظر میرا یہ فرض ہے کہ میں اس تصویر کا دوسرا رخ پیش کروں اور اختصار کے ساتھ ان لڑائیوں کے تباہ کن اثرات، تباہی مچانے والوں کے ظالمانہ کردار اور ان کی بربادیوں کی تصویر پیش کروں، جو ان لڑائیوں کی وجہ سے مغربی ایشیا پر نازل ہوئیں۔

ایک باخبر مورخ کے الفاظ میں ”صلیبی لڑائیاں تاریخ عالم میں دیوانگی کا ایک باب ہیں تین سو سال تک عیسائیوں نے یکے بعد دیگرے مسلمانوں پر حملے کئے، یہاں تک کہ ناکامی نے ان حملوں کو روک دیا اور توہم پرستی کی عمارت اپنے ہی بوجھ تلے دب گئی، یورپ میں انسانی آبادی اور دولت میں نمایاں کمی ہو گئی، یورپ اگرچہ مجلسی تباہی سے بچ گیا، لیکن پھر بھی اس کا مجلسی دیوالیہ نکل گیا، لڑائی، بھوک اور بیماری نے لاکھوں کو ختم کر دیا، ہر وہ ظلم جس کا تصور کیا جاسکتا ہے، اسے صلیبیوں نے بلا خوف روا رکھا۔“

اسلامی حکومت کے قائم ہوتے ہی عیسائیوں کے ساتھ بہت ہی رواداری کا سلوک کیا جاتا تھا۔ انہیں پوری پوری مذہبی آزادی حاصل تھی، ان کے شہری حقوق بھی سلامت تھے، وہ سلطنت کے طول و عرض میں آزادانہ حرکت کر سکتے تھے، انہیں غیر ملکی ہم مذہب حکمرانوں سے خط و کتابت کرنے کی پوری پوری اجازت تھی، جن قوانین کے ماتحت مسلمان جائداد خرید سکتے ہیں، انہی قوانین کے مطابق عیسائیوں کو بھی املاک خریدنے کی اجازت تھی، بڑے بڑے سرکاری عہدے (سوائے چند ظالم گورنروں کے عہد حکومت میں) ان پر کھلے ہوئے تھے، ان کے عبادت خانے ہر جگہ موجود تھے، دور دراز کے عیسائی بلا روک ٹوک فلسطین میں زیارت کے لئے داخل ہو سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب فتوحات نے ارض مقدس کی زیارت کے لئے بہتر مواقع پیدا کر دیئے تھے، اگر عرب عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے

درمیان امن و امان قائم نہ رکھتے تو ان مخالف فرقوں کے لوگ بیت المقدس ہی میں ایک دوسرے کا خون پی لیتے۔ بیت المقدس مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کے نزدیک متبرک تھا۔ اس شہر کا ایک حصہ بطریق اور دوسرا پادریوں کے لئے وقف کر دیا گیا تھا۔

جب ۹۶۹ء میں فلسطین اور شام پر فاطمیوں کا قبضہ ہوا تو اس سے عیسائیوں کو بہت زیادہ فائدہ ہوا کیونکہ مصر کے فاطمی حکمرانوں نے عیسائیوں کی تاجرانہ سرگرمیوں کی سرپرستی کی لیکن کسی نوعیت کی بربادی بھی عیسائیوں کو مطمئن نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ بیت المقدس میں مسلمانوں کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتے تھے، عیسائی زائرین عربوں کی حفاظت میں بیت المقدس پہنچائے جاتے وہ عربوں کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتے۔ لیکن ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے دلوں میں عربوں سے نفرت کا جذبہ لے کر واپس جاتے۔ لاطینی دنیا سے عیسائیوں کے انہوہ ارض مقدس میں داخل ہونے لگے۔ گیارہویں صدی میں ان کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

اسی زمانہ میں ترکمانوں کے ایک خاندان ارتوک نے فلسطین پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ خاندان سلجوقی حکمرانوں کی زیادہ اطاعت نہیں کرتا تھا، اجنبیوں کی کثرت سے فلسطین میں آمد اور ان کے جوش و خروش کو جاہل ترکمان سمجھنے سے قاصر رہے، زائرین کے قافلوں کو کبھی کبھی لوٹ لیا جاتا تھا، لوٹ مار کی ان داستانوں کو مبالغہ آمیز رنگ میں پیش کیا جانے لگا، ان داستانوں نے فرنگیوں کی اسلام دشمنی کو چمکایا۔ مارچ ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم نے ایک کونسل بلائی۔ دوسری کونسل اسی سال نومبر میں بلائی گئی۔ اس کونسل میں پوپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ”ان کافروں سے جہاد کرو جو حضرت مسیح کی خانقاہ پر قابض ہو گئے ہیں، تم میں سے جو بھی اس جہاد میں شریک ہوگا، اس کے سارے پچھلے گناہ معاف کر دوں گا۔ تم میں سے جو مارا جائے گا اسے بہشت میں جگہ دوں گا۔“

اس صلیبی لڑائی کا اولین محرک مذہبی تعصب تھا، لیکن اس میں ملک گیری اور لوٹ مار کے محرکات بھی شامل تھے، ان لڑائیوں میں شریک ہونے والوں کے سفلی جذبات کو یونان کی عورتوں کے سحرکارانہ حسن اور مشرق کی خوشبودار شرابوں کے تذکرے سے ابھارا گیا۔ لالچ، ہوس اور شہوت نے اس مذہبی یلغار کا ساتھ دیا۔

بیلیم کے الفاظ میں ”تعصب پر مبنی جوش کو ابھارنے کے لئے ہر امکانی ذریعہ استعمال کیا گیا“ جو نہی ایک صلیبی اپنے گلے میں صلیب لٹکا لیتا وہ قرض اور ٹیکس سے آزاد ہو جاتا، وہ کلیسا کی حفاظت میں چلا جاتا، ان دنیاوی فائدوں کے علاوہ ان کے گناہوں کی معافی اور ان

کے جنت میں داخل ہونے کا بھی انہیں یقین دلایا جاتا تھا۔ ”اس امر پر کسی کو بھی شبہ نہیں تھا، اس لڑائی میں جو بھی مارا جائے گا وہ شہید ہوگا۔“

پہلا انبوه جس نے والسز کی رہنمائی میں فلسطین کا قصد کیا تھا، بلغاریہ کے عیسائیوں کے ہاتھوں قتل ہوا، راہب پیٹر نے دوسرے گروہ کی رہنمائی کی، اس گروہ میں مختلف قوموں کے چالیس ہزار بچے، عورتیں اور مرد تھے، جب صلیبی فوج مالی ویلے پہنچی تو اس نے پہلے صلیبیوں کا انتقام لینے کے لئے اس شہر پر حملہ کر دیا۔ سات ہزار شہریوں کو قتل کر دیا۔ انہوں نے شہر میں ہر قسم کی بد تمیزی چھائی۔ راہب پیٹر کے لشکر نے ہنگری اور بلغاریہ کو ویران کر دیا، الکسی اس نے انہیں اپنے شہر میں داخل کئے بغیر پاسفوس پار کرنے کے لئے جہازوں پر بٹھادیا۔ ایشیاء کے ساحل پر اترتے ہی انہوں نے زیادتیاں شروع کیں۔ میثو کے الفاظ میں ”انہوں نے ایسے ایسے ظلم کئے جنہیں دیکھ کر قدرت بھی کانپ اٹھی۔ انہوں نے دودھ پیتے بچوں کو قتل کیا، ان کے جسم کے ٹکڑوں کو ہوا میں پھینک دیا۔“ اسی قسم کے ظلم کرتے ہوئے وہ نیقیہ کی دیواروں تک جا پہنچے، سلطان نے پندرہ ہزار سپاہیوں سے ان پر حملہ کیا، صلیبیوں کے لیڈر ریچی نڈ نے اپنے بعض ساتھیوں سمیت اسلام قبول کر لیا، باقی ماندہ کو مٹادیا گیا۔

ایک تیسرا گروہ جس میں سوسائٹی کے ”ذلیل اور پاجی لوگ“ شامل تھے ایک جرمن راہب گاؤش فل کی سرکردگی میں روانہ ہوا۔ وہ شرابی، زانی اور بدکار تھے میثور کے الفاظ میں ”وہ بد اخلاقی میں اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ قسطنطنیہ اور یروظلم کو بھول گئے۔ ہر گروہ جس راہ سے گزرتا، وہاں ویرانی، تباہی اور خرابی کے نشان چھوڑ جاتا۔“ اہل ہنگری ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، بلگریڈ کے میدان صلیبیوں کی ہڈیوں سے بھر گئے۔ گاؤش فل کے چند ساتھی اس تباہی کی کہانی بیان کرنے کے لئے بچ گئے۔ چوتھا گروہ انگلستان، فرانس، فلانڈرز اور لورین سے اٹھا تھا۔ ان کے نزدیک یہ وحشی انسانوں کا ایک اور جتھہ تھا چونکہ ترک بہت دور تھے، اس لئے انہوں نے یہودیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا، رائیں اور موزیل کے کناروں پر کئی شہروں میں کولون کی طرح ہزاروں یہودیوں کو قتل کر دیا گیا، ملز کے الفاظ میں ”یہ ملعون گروہ لوٹ مار مچاتا ہوا جنوب کی طرف بڑھا۔ لیکن ممرگ میں ہنگریوں نے انہیں تباہ کر دیا۔“

اگلے سال یورپ کے جاگیرداروں نے منظم حملے کی تیاری شروع کی۔ ان کے سفر مشرق کے ساتھ بہت سے مظالم وابستہ ہیں، گاؤفرے بونی لونی کی سرکردگی میں صلیبیوں کا یہ گروہ



قسطنطنیہ پہنچ گیا، اگلی اس نے بڑی ہوشیاری سے قسطنطنیہ کو ان کے حملے سے بچا کر صلیبیوں کو باسفورس کے پار بھیج دیا۔ مئی ۱۰۹۷ء میں صلیبی سپاہی نیس کے میدانوں میں جمع ہوئے۔ ان کی تعداد سات لاکھ تھی، یہ تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اس سے سلجوقیوں کی بڑی سے بڑی فوج کو شکست دی جاسکتی تھی۔

سلطان کی راجدھانی نیتھ کو صلیبیوں کی طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا، بزنطینی شہنشاہ اگلی اس نے سلجوقی حکمران کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ نیتھ کو اس کے حوالے کرے۔ اس کے علم کو نیتھ پر لہراتا دیکھ کر یہ جنونی لشکر دیوانہ ہو گیا، لیکن شہر کو بچالیا گیا۔ نیتھ سے صلیبی لشکر اٹاکیہ کی طرف بڑھے۔ ایشیا میں جس راہ سے وہ گزرتے وہ ویران کر دیا گیا، نو مہینے اٹاکیہ کا محاصرہ جاری رہا۔ صلیبیوں کے پاس خوراک کمیاب ہو گئی۔ انہوں نے انسانی گوشت کھانا شروع کر دیا۔

مردوں کی اعضاء تراشی ان کا مشغلہ تھا، دو ہزار ترک جنگی قیدیوں کے سر قلم کر دئے گئے، ان میں سے کئی سروں کی نمائش کی گئی۔ بعض کو انہوں نے اپنے خیموں کے باہر لٹکایا۔ انہوں نے کئی ایک سروں کو شہر میں پھینک دیا، سلجوقی امیر کا بیٹا اٹاکیہ میں لڑتا ہوا صلیبیوں کے ہاتھ آ گیا۔ صلیبیوں نے اس کے خاندان کو اس امر پر آمادہ کرنا چاہا کہ اگر شہر ان کے حوالے کر دیا جائے تو وہ اسے رہا کر دیں گے جب اس کے خاندان نے صلیبیوں کے اس مطالبہ کو ماننے سے انکار کر دیا تو انہوں نے نوجوان قیدی پر سختی شروع کر دی۔ ایک مہینہ تک ہر روز اس پر کوئی نہ کوئی سختی کی جاتی، آخر کار وہ اسے فصیل کے نیچے لے گئے اور وہاں اس کے ماں باپ اور دوستوں کے سامنے قتل کر دیا، اس وحشت اور بربریت کے ساتھ بد اخلاقی کا بھی اتنا ہی زور تھا۔ ایک مورخ کے الفاظ میں ”تاریخ میں اس سے زیادہ بد چلتی کی مثال مشکل سے ملے گی!“

میشو کے الفاظ میں ”اگر معاصرانہ یا دوواشتوں پر اعتماد کیا جائے تو پھر کہنا پڑتا ہے کہ بدنام باہل کی تمام برائیاں ان صلیبیوں میں موجود تھیں۔“

سلجوقی جرنیل قریوے کی نالائقی کے سبب شہر کو رہائی دلانے کی کوشش ناکام ثابت ہوئی۔ یہ نالائق جرنیل اپنے ماتحت افسروں سے بدسلوکی کرتا تھا۔ اس لئے وہ جان توڑ کر نہ لڑتے۔ آخر کار فریب دے کر حملہ آوروں نے شہر پر قبضہ کر لیا، ایک غدار ارمنی فیروز نے رات کے وقت فصیل کے نیچے سے لٹکادیئے جن کے ذریعے حملہ آور فصیل پر چڑھ گئے۔ انہوں نے کئی برج فتح کئے اور وہاں کے محافظوں کو قتل کر دیا، اس اثنا میں ایک پھانک کھلا اور

ساری فوج شہر میں داخل ہو گئی اب انہوں نے قتل اور لوٹ مار کا ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جس کے تذکرے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بوڑھوں کی ضعیفی، بچوں کی بے بسی اور عورتوں کی کمزوری ان لاطینی وحشیوں کے دل میں ذرہ بھر رحم پیدا نہ کر سکی، کوئی گھر ان کی دستبرد سے نہ بچ سکا۔ مسجد کو دیکھتے ہی وہ وحشی اور زیادہ غضب ناک ہو جاتے۔

مردم محل سے لے کر جھونپڑے تک سب تباہ برباد کر دیئے گئے کشادہ بازاروں اور تنگ گلیوں میں ہر جگہ انسانی خون بہنے لگا، انطاکیہ سے صلیبی سپاہی معرہ النعمان کی طرف بڑھے، یہ شہر شام کے بارونق شہروں میں سے تھا، صلیبیوں نے یہاں ایک لاکھ انسانوں کو قتل کیا، گلیوں میں خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ جوان اور خوبصورت لوگوں کو انطاکیہ کی غلاموں کی منڈی میں فروخت کرنے کے لئے الگ کر دیا، بوڑھوں اور بچوں کو قتل کر دیا گیا، لڑکے الفاظ میں معرہ النعمان میں صلیبی سپاہی نہ صرف مردم خوری کرتے تھے بلکہ ان کے کیمپوں میں انسانی گوشت کھلم کھلا بکتا تھا، اسی مقام سے صلیبی یروشلم کی طرف بڑھے۔ انہوں نے اس پر بھی قبضہ کر لیا۔

یروشلم میں جو قتل عام کیا گیا، اسے میثو ان الفاظ میں پیش کرتا تھا۔

”عربوں کو بازاروں اور گھروں میں قتل کیا گیا، مفتوح لوگوں کے لئے یروشلم میں کوئی جائے پناہ نہیں تھی، بعض لوگوں نے فصیلوں سے کود کر اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ کئی ایک لوگ اپنی جان بچانے کے لئے محل میں داخل ہو گئے میناروں پر چڑھ گئے۔ مسجدوں میں جا چھپے، لیکن صلیبیوں نے انہیں کہیں بھی نظر انداز نہ کیا۔ مسجد عمر میں صلیبیوں نے وہ ظلم کئے جن سے شمس بھی شرماتا ہے۔ پیادہ اور سوار سپاہی پناہ گزینوں کے ہجوم پر پل پڑے۔ اس ہنگامے میں مرنے والوں کی چیخوں کے علاوہ اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ انسانی نعشوں کو روندتے ہوئے صلیبی سپاہی ان کا پیچھا کرتے جو جان بچا کر بھاگنا چاہتے، ریمان جو ایک عینی شاہد ہے لکھتا ہے کہ ”مسجد کی ڈیوڑھی میں گھوڑوں کی باگ تک خون پہنچ گیا تھا۔“

قتل عام کا سلسلہ صرف اتنی دیر رکا رہا جب تک کہ صلیبی سپاہی نماز شکرانہ میں مصروف رہے، نماز شکرانہ کے بعد صلیبیوں نے قتل عام کا پھر سلسلہ شروع کر دیا۔ میثو کہتا ہے۔

”اب وہ تمام قیدی جو پہلے قتل عام سے بچ گئے تھے، قتل کر دیئے گئے ان لوگوں کو بھی قتل کر دیا گیا، جنہیں ژرفدیہ کے لالچ میں گرفتار کر رکھا تھا۔ عربوں کو فصیلوں، برجوں اور چھتوں پر سے سر کے بل زمین پر پھینکا جاتا۔ انہیں زندہ جلایا جاتا۔ تہہ خانوں سے نکال کر

قتل کر دیا جاتا۔ نہ عورتوں کی آہ و زاری، نہ بچوں کی چیخ پکار، نہ وہ منظر جہاں مسیح نے اپنے قاتلوں کو معاف کیا تھا، ان کے دل میں کسی قسم کا رحم پیدا نہ کر سکی!“

ملز کے الفاظ میں :-

”اس امر کا فیصلہ کیا گیا تھا کہ مسلمانوں پر کسی قسم کا رحم نہ کیا جائے، چنانچہ ان حکومتوں کو عام راستوں پر اکھٹا کر کے قتل کر دیا جاتا۔ دودھ پیتے بچوں کو ان کی ماؤں سمیت قتل کر دیا جاتا، لڑکوں اور لڑکیوں کو مار دیا جاتا، یروشلم کے بازاروں کے علاوہ مضافات میں انسانی نعشوں کے انبار لگ گئے تھے، کسی دل نے رحم نہ کھایا اور ستر ہزار لوگوں کو شہر میں قتل کیا گیا۔“

یہودیوں کے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا گیا، ان کے عبادت خانوں کو آگ لگا دی گئی، میثو کے الفاظ میں :-

”ہمعصر عیسائی مورخ ان ہولناک واقعات کو سلامت طبع اور سکون قلب سے بیان کرتے ہیں، نہات ہولناک مناظر پیش کرتے وقت بھی وہ خوف یا رحم کے جذبات کو پاس تک نہیں بھٹکنے دیتے۔“

گاڈ فری بولی یروشلم کا بادشاہ بنایا گیا۔ ایک سال بعد بالڈون اس کا جانشین ہوا۔ اس نے قیصریہ کا محاصرہ کر لیا۔ قیصریہ کے حفاظتی دستے نے بہادرانہ مدافعت کے بعد آبرو مندانه شرائط پر ہتھیار ڈال دیے۔ ان شرائط کے مطابق شہر کے دروازے کھول دئے گئے۔ لیکن فرنگیوں نے شہر میں داخل ہو کر معاہدے کی ذرا بھر پروا نہ کی اور نیتے لوگوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔“

طرابلس، صور اور عبیدا کا بھی یہی حشر ہوا، اس زمانہ میں شام کے ساحلی علاقہ میں بڑے بڑے بارونق شہر آباد تھے، ناصر خسرو طرابلس کے متعلق لکھتا ہے :-

”طرابلس ایک خوبصورت شہر ہے، اس کے مضافات لہلہاتے ہوئے سرسبز کھیتوں کا منظر پیش کرتے ہیں۔ انگوروں کی بلیں، کماؤ، نارنجی، کھجور اور دوسرے شہر دار درختوں کے باغ عجیب بہار دکھاتے ہیں۔ یہ شہر بہت بڑا اور بارونق ہے جس میں پانچ پانچ اور چھ چھ منزلہ مکان بنے ہوئے اور دکانیں اتنی شان دار ہیں کہ ان پر محلات کا گمان ہوتا ہے، منڈیاں کھانے پینے اور پہننے سے متعلقہ اشیاء سے بھری پڑی ہیں، چوکوں اور گلیوں میں فوارے جاری ہیں۔ اس شہر کی خوبصورت جامع مسجد سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اسی شہر میں ایک کتب خانہ کے علاوہ ایک کالج اور ایک کارخانہ کاغذ سازی ہے۔ جس میں سرقتدی کاغذ سے بھی بہتر

کاغذ تیار ہوتا ہے۔“

۱۱۰۹ء میں صلیبیوں نے تانسر کی زیر کمان اس شہر کا محاصرہ کر لیا کئی ماہ تک محاصرہ جاری رہا، آخر کار صلیبیوں نے اس پر قبضہ کر لیا، اہل شہر کو قتل کر دیا گیا۔ کتب خانہ کلج اور کارخانہ تباہ کر دیا گیا۔

اس طرح فلسطین اور شام کا کچھ حصہ فرنگیوں کے قبضہ میں چلا گیا، ان علاقوں میں انہوں نے اپنے ملک کے جاگیری نظام کو رائج کیا۔ مسلم آبادی کو غلام بنا لیا گیا، اس زمانہ کے یورپی دستور کے مطابق غلاموں کو زنجیروں میں باندھ کر نیلام کیا جانے لگا، امیر اسامہ نے چند سال بعد بیت المقدس کی زیارت کی اور اس قسم کے ہزاروں غلاموں کو خرید کر رہا کر لیا۔ اس نے جو حالات لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپلز کسی حد تک منہذب تھے، لیکن یہ نووارد صلیبی جاہل، اکھڑ اور ظالم تھے۔

## اکیسواں باب

### عماد الدین زنگی!

ارادۃ یا اتفاقاً ایشیا پر حملہ کرنے کے لئے عیسائیت کے پاس اس سے بہتر کوئی دوسرا موقع نہیں تھا، جاگیردارانہ نظام نے سلجوقی سلطنت کو اسی طرح کھوکھلا کر دیا جس طرح اس نے کار لوونجی سلطنت کو کھوکھلا کیا تھا، الپ ارسلان نے ایشیائے کوچک کی حکومت اپنے بھتیجے سلیمان کے سپرد کی تھی۔ ملک شاہ نے اپنے بھائی تمش کو شام دے دیا تھا، یہ دونوں شہزادے سلطان کے اقتدار کو تسلیم کرتے تھے۔ ایک دو حکومتوں کے علاوہ جزیرہ شام اور فلسطین کئی ایک جاگیرداروں میں بٹے ہوئے تھے، ان جاگیرداروں کا صرف ایک ہی فرض تھا، کہ وہ سلطان کو فوجی امداد دیں، جب تک نظام الملک اور ملک شاہ زندہ رہے، یہ شہزادے اور جاگیردار سلطان کی اطاعت کرتے رہے۔ لیکن ان کی موت کے بعد ہر طرف ناانقلابی چھا گئی۔ امن کی جگہ بد امنی قائم ہو گئی، شروع میں ترکان خاتون اور برکیاروق میں لڑائی ہوئی۔ لیکن ترکان کے بیٹے محمود کی وفات کے بعد خلیفہ مقتدی نے اسے سلطان کا خطاب دے دیا، اس کے بعد برکیاروق اور اس کے چچا تمش میں ٹھن گئی۔ تمش کی شکست اور موت سے بھی سلطنت میں امن اور خوشحالی پیدا نہ ہو سکی، کیونکہ برکیاروق اور اس کے بھائی محمد میں لڑائی چھڑ گئی۔ یہ لڑائی کئی سال تک رہی۔

صلیبیوں کی تباہ کاریوں سے ہراساں اور پریشاں ہو کر پناہ گزنیوں نے بغداد میں داخل ہونا شروع کر دیا، رمضان کا مہینہ تھا، جب بے یار و مددگار انسانوں نے صلیبی مظالم بیان کئے تو سارے شہر پر حزن و ملال طاری ہو گیا، لوگوں نے جامع مسجد میں جمع ہو کر رونا شروع کر دیا، خلیفہ نے اپنے تین اہلی برکیاروق اور محمد کے پاس بھیجے تاکہ وہ بہت جلد اپنے جھگڑے چکا کر مشترکہ دشمن کی طرف بڑھیں، خلیفہ کی اس اپیل کا کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ برکیاروق کے وزیر کے قتل کے ضمن میں دونوں بھائیوں نے پھر لڑنا شروع کیا، ایک مورخ افسوس ناک انداز میں لکھتا ہے۔

”کہ سلاطین کے باہمی اختلاف نے فرنگیوں کو موقع دے دیا کہ وہ اسلامی ممالک پر قابض ہو جائیں۔“

برکیاروق کی موت ۱۱۰۳ء کے بعد محمد کو سلطان بنایا گیا، وہ چودہ سال تک سلطانی کرتا رہا، اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ بہادر، نیک، مخیر اور عادل تھا۔ ہم عصر شاعر اس کی سخاوت کا عام تذکرہ کرتے تھے۔

سلطنت کی سیاسی حالت ایک مشترکہ دشمن کی موجودگی میں بھی اتحاد پیدا کرنے کے ناقابل تھی، شام اور عراق کے شہزادوں کا آپس میں اختلاف تھا، حلف کا حکمران غدار نکلا، دوسرے حکمران اگرچہ سلطان کی اطاعت کا دم بھرتے تھے، لیکن انہیں قومی بہبود کی نسبت ذاتی مفاد سے غرض تھی، فاطمی خلافت کے انتشار نے شام کے شہروں اور فلسطین کی بستیوں کو سلیبیوں کا مقابلہ کرنے کے ناقابل بنا رکھا تھا، فاطمی خلیفہ ان حالات سے غافل قاہرہ میں بیٹھا اپنے دشمنوں کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔

ایک دو مرتبہ سلطان محمد کے کہنے پر یہ حکمران اپنے اختلافات مٹا کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو گئے، ۱۱۱۲ء کے آغاز میں یروشلم کے حاکم بالڈون نے دمشق کے علاقہ پر حملہ کیا، دمشق کا حکمران چونکہ اکیلا بالڈون کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، اس لئے اس نے موصل کے حکمران مودود سے امداد طلب کی، چنانچہ جولائی ۱۱۱۳ء میں موصل و دمشق اور دوسری ریاستوں کے حکمران فلسطین کی طرف بڑھے، طبریہ کے قریب فرنگیوں کو شکست ہوئی۔ صلیبی فوج کے بہت سے سپاہی دریائے بیرون میں ڈوب مرے۔

اسی اثنا میں مصریوں کو بھی صلیبیوں کے مقابلہ میں ساحلی علاقے میں کامیابی ہوئی۔ لیکن صلیبیوں کی پشت پر سارا یورپ تھا، انہیں بدستور کمک مل رہی تھی، ادھر عرب سرداروں کی ناانفاق اور مودود کے قتل سے فرنگیوں کو اپنے نقصانات کی تلافی کا موقع مل گیا۔

اس طرح صلیبیوں کا اقتدار بڑھتا چلا گیا، وہ یکے بعد دیگرے شہروں پر قبضہ کرتے چلے گئے انہوں نے سارے علاقے کو ویران کر دیا۔

۱۱۱۸ء میں سلطان محمد نے وفات پائی، ایک سال بعد خلیفہ مستنصر بھی اس دنیا سے چل بسا، مستنصر نے ۲۵ سال حکومت کی، اس کا بیٹا آسرشد باللہ اس کا جانشین ہوا۔

سلطان محمد کی وفات کا عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کی تقدیر پر اثر پڑا۔ سلطان کی موت کے بعد اس کا بیٹا سخر امیر الامرا مقرر ہوا۔ سلطان کے بیٹے محمود نے اس کی جاگیر سنبھالی، سلطان محمود کے عہد حکومت میں اسلام کا وہ سپوت پیدا ہوا جس نے نہ صرف فرنگیوں کا مقابلہ کیا بلکہ انہیں ان کے مقبوضات کے آخری گوشہ زمین سے بھی محروم کر دیا۔ عماد الدین زنگی (عیسائی مورخوں کا زنگوین) سلطان ملک شاہ کے ایک امیر آق سنقر کا بیٹا تھا۔

اس امیر نے ملک شاہ کی وفات کے بعد پُر آشوب زمانہ میں بڑے شاندار کارنامے دکھائے تھے، جب وہ مرا تو زنگی چودہ سال کا تھا، اس نے اپنے باپ کی جاگیر سنبھالی۔ اس نے ریاست کے انتظام میں بہت زیادہ قابلیت کا ثبوت دیا۔

سلطان محمود نے اسے واسط کا شہر بھی دے دیا، چار سال بعد موصل اور بالائی عراق کا نظم و نسق بھی اس کے سپرد کر دیا گیا، خلیفہ کی طرف سے اسے اتابک کا خطاب دیا گیا، عماد الدین زنگی نے موصل کے اتابک خاندان کی بنیاد رکھی اس زمانہ میں صلیبیوں کی قوت اور مسلمانوں کی کمزوری کو ابن الاثیران الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

”صلیبیوں کی فوج بہت بڑی تھی، ان کی لوٹ کھسوٹ میں ہر روز اضافہ ہوتا تھا، ان کے مقبوضات بالائی عراق سے مصر کی سرحدوں تک پھیلے ہوئے تھے، وہ لوٹ مار مچاتے ہوئے نصیبین کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے، انہوں نے صحرائی راستوں کے علاوہ دمشق جانے والی تمام سڑکوں کو مسدود کر رکھا تھا، ان کے ہاتھ سے نہ موصل محفوظ تھے اور نہ ملحد!“

اتابک زنگی نے ملکی نظام اور فوج کو بہتر بنانے کی طرف توجہ کی، چنانچہ وہ بہت جلد صلیبیوں کو عراق سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا، اس نے موصل کے مضافات کے دو شہروں پر قبضہ کر لیا اور ریاست موصل پر پوری طرح تسلط جمالیا“

۱۱۲۸ء میں حلب کے باشندوں کی درخواست پر اس نے اس شہر پر بھی قبضہ کر لیا۔ دوسرے سال اتابک زنگی نے صلیبیوں سے دو اور شہر چھین لئے۔ اویسہ کے صلیبی حکمران سے اس نے جو عارضی صلح کی تھی اس مدت میں وہ اس خانہ جنگی میں حصہ لیتا رہا جو سلطان محمود کی موت کے بعد شروع ہو گئی۔ محمود کا بھائی مسعود اس کا جانشین بنا، لیکن سلجوق شاہ نے بغاوت کر دی۔ ایک مختصر سی لڑائی کے بعد وہ متحد ہو کر اپنے چچا سخر سے الجھے۔ سخر نے انہیں شکست دی۔ سخر نے باغیوں کے ساتھ نرم برتاؤ کیا اور ان کی جاگیروں کو ان کے حوالے کر دیا، اس کے بعد خلیفہ مسترشد اور مسعود میں لڑائی چھڑ گئی، مسترشد کو قید کر لیا گیا، مسعود کے خیمہ میں اسے قتل کر دیا گیا۔

مسترشد کے بعد راشد اس کا جانشین بنا، راشد چند مہینوں سے زیادہ حکومت نہ کر سکا، راشد اور سلطان مسعود میں اختلاف اس حد تک بڑھا کہ راشد بغداد چھوڑنے پر مجبور ہو گیا، اس پر سلطان مسعود نے راشد کو برطرف کر کے مقتضی بالامر اللہ کو خلیفہ مقرر کیا، سلجوقی حکمرانوں کے اقتدار میں کمی آتے ہی خلیفہ نے عراق اور کلد میں اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ اتابک زنگی (عماد الدین) زیادہ دیر تک مشرقی معاملات میں نہ الجھا رہا۔ اس نے شام میں

کارہائے نمایاں کرنے تھے، صلیبیوں کو کمک مل چکی تھی، وہ جوش و خروش کے مظاہرے کر رہے تھے، انہوں نے بوزہ پر قبضہ کر کے وہاں کی ساری آبادی کو قتل کر دیا تھا۔ بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا گیا۔

اس کے بعد وہ شیر کی طرف بڑھے، انہوں نے شیر (سیناریہ) کا محاصرہ کر لیا۔ اناک زنگی نے صلیبیوں کے تعاقب میں کئی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ بلبلک کو صلاح الدین ایوبی کے باپ نجم الدین ایوب کے سپرد کر دیا گیا۔

دوسرے سال اس نے بارین میں صلیبیوں کو شکست دی، ۱۱۳۳ء میں اس نے اویسہ کو فتح کر کے صلیبیوں کو ایک شدید شکست دی، اس فتح کے بعد اناک زنگی نے صلیبیوں سے ان کے مظالم کا انتقام لینا چاہا۔ لیکن اس کی انسانی دوستی اس کے انتقام پر غالب آئی۔ تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔

اویسہ میں ایک حفاظتی دستہ مقرر کر کے اناک آگے بڑھا اور کئی ایک شہروں کو فتح کیا، اس نے قلات جابر کا محاصرہ کر لیا ہوا تھا کہ اس کے ایک غلام نے اسے سوتے میں قتل کر دیا اور اپنے زمانہ کا ایک بہت بہادر انسان یوں دنیا سے رخصت ہوا۔ عماد الدین زنگی کا اپنی رعایا کے ساتھ بہت اچھا سلوک تھا، اس کے عہد میں کھیتی باڑی اور تجارت کو فروغ ہوا۔ بنجر علاقوں میں کاشتکاری کی گئی۔ صلیبیوں نے جن علاقوں اور شہروں کو برباد کیا تھا وہ اناک کی کوششوں سے پھر آباد ہوئے، اس کے وزیر جمال الدین الجواد کی کوششوں سے علوم و فنون کو بہت فروغ دیا گیا، عماد الدین زنگی نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ مجھے گھوڑے کی زین، حریر و پرنیاں کے بستر سے زیادہ نرم اور میدان جنگ کی پکار دکش راگ سے زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ عماد الدین زنگی نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے۔ سیف الدین غازی سب سے بڑا تھا۔ وہ موصل کا حکمران بنا، نور الدین محمود حلب پر قابض ہوا دوسرے دو بیٹوں کے نام قطب الدین موود اور نصرت الدین تھے۔ نور الدین ایک بہادر سپاہی کے علاوہ فاضل اور علم دوست تھا، اس نے اپنی سلطنت کے ہر حصہ میں کالج اور ہسپتال قائم کئے اس کے دربار میں بہت سے علماء اور فضلاء موجود تھے، اس نے سب سے پہلے ہائی کورٹ (دارالعدل) قائم کیا۔

شہر صور کا پادری ولیم اس کی بہادر سخاوت اور علم دوستی کی بہت تعریف کرتا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد رفاہ عامہ تھا، جوئی نور الدین نے حلب کی حکومت سنبھالی، صلیبیوں نے اویسہ کے حفاظتی دستے اور شہر کی مسلم آبادی کو قتل کر دیا۔ نور الدین عقاب کی طرح جھپٹا، اس نے صلیبی سپاہیوں اور سازشیوں کو قتل کر دیا۔



اولیئہ پر مسلمانوں کے دوبارہ قابض ہونے کے بعد دوسری صلیبی جنگ شروع ہو جاتی

ہے۔

## تیسواں باب

### دوسری صلیبی جنگ

اویسہ پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہوتے ہی یورپ میں اسلام کے خلاف ایک نئی صلیبی جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں، کلیروا کے سینٹ برنارو نے لوگوں کو اس جنگ کی ترغیب دی، چنانچہ ۱۱۴۷ء میں کونارو سوم، شہنشاہ جرمنی اور لوئی ہفتم نے اس ”مقدس جنگ“ میں اس لئے حصہ لیا تاکہ عیسائیوں کو ان کی بدبختی سے بچایا جائے۔ ”ہمعصر مورخوں کا بیان ہے کہ ایک جھنڈے تلے نولاکھ صلیبی سپاہی اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے شام اور فلسطین کی طرف بڑھے۔

لوئی ہفتم کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی جس نے آگے چل کر انگلستان کے ہنری دوم سے شادی کر لی۔ اس کے دیکھا دیکھی بہت سی عورتیں بھی لشکر میں شریک ہو گئیں۔ جرمن صلیبوں میں بھی کئی ایک مسلح عورتیں تھیں، فرانسیسی بھی کسی طرح اس جنسی اختلاط سے پیچھے نہیں تھے۔ ان عورتوں کی موجودگی نے اخلاق پر کافی ضرب لگائی۔ ان دونوں فوجوں کا جو حشر ہوا سب کو معلوم ہے، دونوں حکمرانوں کو شام جاتے ہوئے بہت زیادہ تباہ کن شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کورونہ کی فوج کا بیشتر حصہ لیوڈیشیہ کی لڑائی میں تباہ برباد ہو گیا تھا۔ لوئی کی فوجوں نے ساحلی راستہ اختیار کیا تھا، لیکن اس کی فوجوں کو بھی سلجوقیوں نے تباہ و برباد کر دیا۔ جب لوئی انطاکیہ میں پہنچا تو اس کی تین چوتھائی فوج تباہ ہو چکی تھی، اس زمانہ میں انطاکیہ کی چار دیواری کے اندر یورپ کی کئی ایک ایسی خواتین تھیں جنہیں اپنے حسن پر اپنے خاندان پر ناز تھا، لیکن ان میں سب سے حسین لوئی کی بیوی ایلینو تھی۔ انطاکیہ میں صلیبی سپاہیوں نے اخلاقی قیود کو توڑ دیا۔ انطاکیہ کا حاکم ریحان عیش و عشرت میں مصروف تھا۔ ملکہ ایلینو نے اپنی آزادانہ روش سے ہر شخص کو بدنام کیا۔

انٹاکیہ میں کافی دیر ستانے کے بعد ان کی متحد فوجیں دمشق پر چڑھ آئیں۔ صلیبیوں نے کئی مہینے دمشق کا محاصرہ کئے رکھا لیکن سیف الدین غازی اور نور الدین محمود کمک لے کر پہنچ گئے۔ صلیبیوں نے محاصرہ اٹھا کر فلسطین کی راہ لی، کونارو اور لوئی یورپ چلے گئے، دوسری صلیبی جنگ کا یوں خاتمہ ہوا۔

## تیسواں باب

### نور الدین محمود

اب نور الدین محمود نے فرنگیوں پر غلبہ حاصل کرنا شروع کیا۔ اس نے فرنگیوں کے اس قلعہ پر قبضہ کر لیا، جو شام کی سرحد پر واقع تھا، یہ قلعہ فرنگیوں کا ایک مضبوط اڈہ تھا، چند ماہ بعد نور الدین محمود نے انہیں انطاکیہ کے قریب زاغرا میں شکست دی۔ ایک دوسری لڑائی میں انطاکیہ کا عیسائی حکمران ریحان مارا گیا۔ اس کی فوج کا بیشتر حصہ قتل کر دیا گیا۔

۱۱۳۹ء میں اس نے اناسیہ (اپامین) کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ دو سال بعد جو سککین دوم کے ہاتھوں نور الدین کو شکست ہوئی، لیکن بہت جلد نور الدین نے جو سککین کو گرفتار کر لیا، اس گرفتاری کو عرب ایک بہت بڑی کامیابی خیال کرتے تھے کیونکہ ابن الاثیر کے الفاظ میں۔

”جو سککین فرنگیوں میں سے ایک بہت بڑا شیطان تھا۔ مسلم دشمنی میں وہ تمام فرنگیوں سے بڑھا ہوا تھا، جب کبھی فرنگی کسی مہم پر روانہ ہوتے تو وہ اسے کمانڈر بناتے، کیونکہ وہ اس کی بہادری، اسلام دشمنی اور مسلم کشی کے قائل تھے۔“

اس دشمن کی گرفتاری نے نور الدین کے کام کو سہل کر دیا، چنانچہ اس نے بہت تھوڑی مدت میں سلیبیوں کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا، ایک دوسری لڑائی میں نور الدین کے ہاتھ انطاکیہ کا بہت زیادہ حصہ آ گیا۔

عسقلان پر عربوں کے قابض ہوجانے کے بعد سلیبیوں نے دمشق پر چڑھائی ترک کر دی تھی، اسی اثنا میں نور الدین کو اہل دمشق کا یہ پیغام ملا کہ وہ بہت جلدی دمشق پہنچ جائیں، چنانچہ جونہی نور الدین دمشق پہنچا اسے دمشق کا حاکم تسلیم کر لیا گیا۔ اس پر امن فتح کے بعد نور الدین کو خلیفہ کی طرف سے الملک العادل کا خطاب ملا، نور الدین اور سلیبیوں میں تھوڑی مدت کے لئے صلح ہو گئی تھی، اس مدت میں نور الدین نے کئی ایک ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کو پھر سے بنوایا۔

۱۱۶۰ء میں خلیفہ مستغنی نے وفات پائی، اس کا بیٹا مستنجد باللہ اس کا جانشین ہوا۔ ۱۱۶۶ء میں نور الدین نے مصر کی طرف مہم بھیجی، اس مہم کا فرنگیوں اور عربوں دونوں پر گہرا اثر پڑا، فاطمی خاندان مٹ رہا تھا، حکومت پر اس کے وزیر شاور کا پورا پورا قبضہ تھا، جب شاور نے

اس مہم کی خبر پائی تو وہ دمشق پہنچ گیا۔ یہاں اس نے نور الدین سے وعدہ کیا کہ وہ صلیبیوں کے مقابلہ پر مصری فوجوں کو بھیجا کرے گا۔ اس نے مصر کے کئی ایک علاقوں کو نور الدین کے حوالے کر دینے کا بھی وعدہ کیا۔ نور الدین نے صلاح الدین کے چچا شیرکوه کی کمان میں ایک دستہ مصر بھیج دیا، جو نہی شاور مصر پہنچا، اس نے وعدہ خلافی شروع کر دی، فرنگیوں سے مل کر شیرکوه سے کہا کہ وہ مصر سے نکل جائے، شیرکوه کے دستے نے اتحادیوں کا خوب مقابلہ کیا۔ لیکن کنتی میں تھوڑے ہونے کے سبب شیرکوه نے مصر کو خالی کر دیا۔

اگست ۱۱۶۳ء میں نور الدین کو صلیبیوں اور یونانیوں کی متحدہ فوج سے لڑنا پڑا، اتحادیوں کو شکست ہوئی، اس لڑائی میں بہت سے صلیبی سردار قید کر لئے گئے، نور الدین کے ہاتھ کئی ایک نئے شہر آ گئے۔

۱۱۶۷ء میں شیرکوه پھر مصر میں داخل ہوا، شاور نے پھر فرنگیوں کو امداد پر بلا دیا۔ یروشلم کے صلیبی حکمران نے شاور کی امداد کے لئے فوج بھیج دی، شیرکوه کے جارحانہ اور مدافعانہ کارناموں اور اس کی آخری فتح جو اس نے باہین میں حاصل کی، اس کی فوجی قابلیت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے، شیرکوه کے ایک ہزار سواروں کا فرنگیوں اور مصریوں کی متحدہ فوج کو شکست دینا ایک بہت بڑا کام تھا، اس کامیابی کے بعد شیرکوه نے سکندریہ پر قبضہ کر کے اسے اپنا صدر مقام بنا لیا، اسی اثنا میں شیرکوه اور اتحادیوں میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ یروشلم کا صلیبی حکمران اپنی فوج کو مصر سے واپس بلا لے گا اور شیرکوه اسکندریہ کو خالی کر دے گا۔ لیکن فرنگیوں نے اس معاہدے کے ساتھ ہی شاور سے ایک علیحدہ معاہدہ کر لیا۔ جس کی رو سے ان کی فوجوں کو مصر کے کئی ایک شہروں میں رہنا تھا، فرنگیوں اور مصریوں کا یہ خفیہ معاہدہ شیرکوه کے معاہدے کے سراسر خلاف تھا، قاہرہ میں مقیم صلیبیوں کا طرز عمل اس قدر بگڑ چکا تھا کہ فاطمی خلیفہ نے نور الدین سے امداد چاہی۔ چنانچہ نور الدین نے شیرکوه کو پھر مصر بھیجا، اس کے مصر داخل ہوتے ہی فرنگی لوٹ کھسوٹ کا مال لے کر مصر سے بھاگ گئے

۸ جنوری ۱۱۶۹ء کو شیرکوه قاہرہ میں دوبارہ داخل ہوا۔ فاطمی خلیفہ اور قاہرہ کے عوام نے شیرکوه کا خیر مقدم کیا۔ مصر کے فاطمی حکمران نے شاور کو قتل کروایا اور شیرکوه کو مصر کا وزیر اعظم اور کمانڈر انچیف اور امیر الجیش مقرر کیا، دو ماہ بعد شیرکوه کی وفات پر اس کے بھتیجے صلاح الدین یوسف کو اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ فاطمی خلیفہ نے اسے الملک الناصر کا خطاب دیا۔

صلاح الدین نے اپنی وسعت قلبی کے سبب لوگوں کے دل موہ لئے۔ جب مصر کے

فاطمی حکمران کی موت کا وقت قریب آتا دکھائی دیا، تو صلاح الدین نے مصر پر عباسی خلیفہ کا روحانی اقتدار قائم کر لیا۔

۱۱۷۰ء میں خلیفہ مستنجد نے وفات پائی، اس کا بیٹا المستنصر باللہ اس کا جانشین ہوا۔ ابن الاثیر مستنجد کو ایک اچھا خلیفہ اور رعایا پرور حکمران لکھتا ہے۔

۱۱۷۰ء میں عماد الدین رنگی کا تیسرا بیٹا قطب الدین مودود اس دنیا سے رخصت ہوا۔ سیف الدین غازی دوم اس کا جانشین بنا۔ سیف الدین غازی دوم کے عہد حکومت میں موصل میں گڑبڑ پیدا ہو گئی، نور الدین اپنے بھتیجے کی مملکت کی حفاظت کے لیے وہاں پہنچا، اس نے سیف الدین کو پھر موصل کے تخت پر بٹھایا، موصل کی فوج کو قابو میں رکھا۔

مصر کے آخری فاطمی حکمران کی موت کے بعد، مصر میں بغداد کے عباسی خلیفوں کا اقتدار قائم ہو گیا، اب صلاح الدین عملی طور پر مصر کا حکمران بن گیا، نور الدین محمود کی موت تک وہ مصر میں اس کی نیابت کرتا رہا، لیکن اس کے بعد وہ مصر کا آزاد حکمران بن گیا۔

۱۱۷۳ء میں اس نے اپنے بھائی توران شاہ کو یمن فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس مہم میں اسے کامیابی حاصل ہوئی۔

نور الدین محمود کی موت کے بعد صلاح الدین نے مصر، نوبہ، حجاز اور یمن پر اپنا تسلط جمالیا، نور الدین نے اپنے پیچھے ایک بیٹا اسماعیل (الملك الصالح) چھوڑا جس کی عمر بارہ سال تھی۔

## چوتیسواں باب

### صلاح الدین ایوبی

صلاح الدین ایوبی نے نور الدین محمود کے بیٹے ملک صالح کو اپنی وفاداری اور اپنی خدمات کا یقین دلایا اور اسے بہت سے تحائف بھیجے، مصر میں ملک صالح ہی کے نام پر خطبہ پڑھا جاتا تھا، سکوں پر بھی اسی کا نام کندہ تھا۔ چونکہ ملک صالح چھوٹی عمر کا تھا، اس لئے اس کے باپ کے خلیفوں نے آہستہ آہستہ اپنے اپنے اقتدار کو بڑھانا شروع کر دیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے صلاح الدین نے ان لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھا کہ تم سازشوں سے باز آ جاؤ۔ ورنہ مجھے خود دمشق آنا پڑے گا۔ اس پر ایک امیر ملک صالح کو حلب لے گیا، اب دمشق پر فرنگی حملے کا امکان بڑھ گیا، چنانچہ سیلیبیوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایک بہت بڑی رقم دے کر سیلیبیوں سے رہائی حاصل کی گئی، اب صلاح الدین دمشق کی طرف بڑھا۔ دمشق پر اس کا قبضہ ہو گیا، وہ نور الدین محمود کے محل میں داخل نہ ہوا۔ اس نے اپنے باپ کے مکان میں رہائش اختیار کی، ملک صالح سے ملاقات کرنے کے لئے اب صلاح الدین حلب کی طرف بڑھا۔ ادھر اس کے وزیر نے کم عمر حکمران کو صلاح الدین کے خلاف بدگمان کر رکھا تھا، چنانچہ جب صلاح الدین حلب کے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا تو ملک صالح نے حلب کے لوگوں کو اس کے خلاف لڑنے پر آمادہ کر لیا، صلاح الدین نے تلی فوج کو شکست دی۔ اب وزیر نے صلاح الدین کو قتل کرانے کی سازش کی، لیکن وہ اس میں ناکام رہا، اب ملک صالح کے نائل ولی نے سیلیبیوں کو حمص کے قریب شکست دی اس نے حلب کا محاصرہ کر لیا، ملک صالح کی درخواست پر اس نے حلب کے آس پاس کے تمام شہر اسے واپس کر دیئے۔ ایک معاہدے کی رو سے اس نے دمشق کو اپنے مملکت میں شامل کر لیا۔ خلیفہ نے صلاح الدین کو سلطان کا خطاب دیا۔ ۱۱۸۲ء تک مغربی ایشیاء کے تمام حکمرانوں نے صلاح الدین کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر لیا۔

اسی اثنا میں یورپ سے سیلیبیوں کی ایک بھاری تعداد شام کے ساحلی شہروں میں اتر چکی تھی۔ ۱۱۸۷ء میں سمبل اور گائی دی نورمان پروشلیم کی ملکہ اور بادشاہ تسلیم کئے جا چکے تھے،

ایک سال پہلے صلیبی اس معاہدے کو توڑ چکے تھے جو سلطان صلاح الدین اور فرنگیوں میں ہو چکا تھا، صلیبیوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے مسلمانوں کے ایک تجارتی کارواں کو لوٹ کر بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا تھا، صلاح الدین نے یروشلم کے حکمران سے اس نقصان کی تلافی چاہی، جب صلیبی حکمران نے کوئی جواب نہ دیا تو سلطان صلاح الدین عہد شکن کو سزا دینے کے لئے میدان میں اتر پڑا۔ ۳ جولائی ۱۱۸۷ء کو طبریہ کے میدان میں دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ دس ہزار صلیبی سپاہی مارے گئے، ان کے بڑے بڑے سرداروں کو قید کر لیا گیا، اس فتح کے بعد نابلس، رمہ، یاز، بیروت اور دوسرے شہروں نے صلاح الدین ایوبی پر اپنے ڈھواڑے کھول دیئے، سلطان نے بہت جلد عسقلان پر بھی قبضہ کر لیا۔

اب سلطان نے بیت المقدس (یروشلم) کی طرف توجہ کی، سلطان نے لڑائی شروع کرنے سے پہلے صلیبیوں کے سامنے بہت اچھی شرطیں پیش کیں، لیکن صلیبیوں نے ایک شرط بھی نہ مانی، اس پر صلاح الدین نے ارادہ کر لیا کہ وہ گاؤں فرے بوئی لونی کے قتل عام کا انتقام لے گا، اب سلطان کی فوجوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، چند دن بعد صلیبیوں نے سلطان سے رحم کی درخواست کی، سلطان نے عیسائیوں کو شہری حقوق دے کر انہیں مملکت میں رہنے کی اجازت دے دی، صلیبی سپاہیوں پر یہی شرط عائد کی گئی کہ وہ چالیس دن کے اندر اپنے بال بچوں سمیت یروشلم سے نکل کر صور یا طرابلس کو چلے جائیں، سلطان نے دس ہزار سپاہیوں اور ان کے عزیزوں کا زرِ فدیہ اپنے پاس سے ادا کر کے انہیں شہر چھوڑنے کی اجازت دلوائی، ہزاروں کو بغیر زرِ فدیہ لئے ہوئے چھوڑ دیا گیا، سلطان نے ان بے سرو سامان انسانوں کی مدد کی، اس نے بیٹوں کو ماؤں کے حوالے کر دیا، بیویوں کو شوہر واپس کر دیئے۔ جو قید میں رہے، ان سے بہتر سلوک کیا۔ جب تک سارے صلیبی یروشلم سے باہر نہ نکل گئے اس وقت تک سلطان صلاح الدین نے دمشق میں قدم نہ رکھا، فرنگیوں نے جن مسجدوں، مدرسوں اور کالجوں کو ویران کر دیا تھا، ان کی مرمت کروائی، صلیبیوں کی ظالمانہ حکومت کی جگہ عادلانہ حکومت قائم کی، بیت المقدس سے نکل کر سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے شام کے کئی ایک ساحلی علاقوں کو صلیبیوں سے آزاد کر لیا۔



## پینتیسواں باب

### تیسری صلیبی جنگ

بیت المقدس پر مسلمانوں کے قابض ہوجانے سے یورپ میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ کلیسا والوں نے شہزادوں اور عوام کو ایک نئی صلیبی جنگ کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا، چنانچہ انہیں اس میں پوری پوری کامیابی ہوئی، عہد کے قریب کمک پہنچنی شروع ہو گئی، اس مہم میں یورپ کے تین بادشاہوں نے شرکت کی، فریڈرک باربروسا شہنشاہ جرمنی، فلپ اگستس شاہ فرانس اور رچرڈ (شیردل) شاہ انگلستان اپنی اپنی فوج لے کر ارض مقدس کی طرف بڑھنے کی تیاریاں کرنے لگے، اگر اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی مصر اور شام کے بیڑوں کو متحد کر کے نویشہ کے ساحل کی ناکہ بندی کرتا تو اس طرح ایک طرف فلسطین میں موجودہ صلیبی محصور ہوجاتے اور دوسری طرف یورپ کے صلیبیوں کا ساحل پر اترنا دشوار ہوجاتا۔

۲۹ اگست ۱۱۸۹ء کو صلیبیوں نے عہد کا محاصرہ کر لیا، جب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو اس محاصرے کا پتہ چلا تو اس نے ایک جنگی کونسل بلائی اس کا اپنا خیال یہ تھا کہ صلیبیوں کا راستہ کاٹ دیا جائے، لیکن کونسل کے بہت سے ارکان نے اس رائے کا اظہار کیا کہ عہد کا محاصرہ کرنے والی صلیبی فوج پر حملہ ہونا چاہیے، چنانچہ صلاح الدین اپنی فوج لے کر عہد کی طرف بڑھا جب سلطان وہاں پہنچا، تو اس نے عہد کو صلیبیوں کے محاصرے میں پایا، مسلمانوں کو خشکی کی راہ سے مدد مل رہی تھی، صلیبیوں کو بحری راہ سے کمک پہنچ رہی تھی، صلاح الدین نے محاصرین پر حملہ کر دیا، پہلے حملے میں مسلمانوں اور عہد کے درمیان رسل و رسائل پیدا ہو گئے، اگلے دن صلیبیوں نے حملہ کیا، لیکن پسپا کر دیئے گئے۔

صلیبیوں کی یہ خواہش تھی کہ سلطان کی فوج کو مزید کمک پہنچنے سے پہلے شکست دی جائے، چنانچہ انہوں نے سلطان کی فوج پر ایک بہت بڑا حملہ کیا، اس حملے میں دس ہزار صلیبی سپاہی کام آئے، لاشوں کی کثرت سے سلطان کے خیموں میں وبا پھوٹ نکلی۔ چنانچہ سلطان نے اپنے خیمے پیچھے ہٹائے، اب صلیبیوں نے عہد پر حملہ کیا، سلطان کے حملے سے محفوظ ہونے کے لئے انہوں نے اپنے خیموں کے ارد گرد خندق کھود لی۔

۱۱۹۰ء میں صلاح الدین ایوبی اپنے پہاڑی مورچہ سے اتر کر عکہ کے میدان میں پہنچ گیا۔ صلیبیوں نے لکڑی کے بڑے بڑے میناروں میں اپنے سپاہیوں کو بھردیا تھا، تاکہ وہ عکہ کی فصیل کی حفاظتی چوکیوں پر حملہ کر سکیں، ایک دمشقی انجینئر نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جس کے ذریعہ فصیل پر سے ان چوہی میناروں پر آگ پھینکی جاتی تھی، اس شعلہ بازی سے صلیبیوں کے مینار جل کر راکھ ہو جاتے اسی اثنا میں مصری بیڑہ مکہ لیکر عکہ کی طرف بڑھا، ایک سمندری لڑائی میں صلیبی بیڑے کو شکست ہوئی مصری بیڑہ عکہ کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ فریڈرک باربروسا ایک بہت بڑی فوج لے کر فلسطین کی طرف بڑھ رہا ہے، اب سلطان نے مسلم حکمرانوں سے امداد طلب کرنے کے لئے اپنے سفیر بھیجے، لیکن ان میں سے کوئی بھی اس آڑے وقت میں اس کے کام نہ آیا۔ سلطان کو یورپ کی متحدہ فوجوں سے اکیلے لڑنا پڑا۔

جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک باربروسا کی قسمت میں منزل تک پہنچنا نہیں تھا، وہ ایک دریا پار کرتا ہوا ڈوب گیا، اس کی فوج میں ابتری پھیل گئی بہت سے سپاہی گھروں کو لوٹ گئے، اس کی تھوڑی سی فوج اس کے بیٹے کی کمان میں انطاکیہ پہنچ سکی، یہ فوج انطاکیہ سے پھر فلسطین کی طرف بڑھی، اس فوج نے آخر کار وطن جانے کی ٹھان لی، جن جہازوں میں یہ فوج سوار تھی ان میں کئی ایک راہ میں ڈوب گئے۔

۲۵ جولائی ۱۱۹۰ء کو صلیبیوں نے عکہ پر پھر ہلہ بول دیا، لیکن انہیں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ صلیبیوں نے حوصلے ہار دیئے تھے، دو دن بعد الکندہیری (کاؤنٹ ہنری آف سیمین) اپنی فوج سمیت عکہ پہنچ گیا۔ اس نے سلطان صلاح الدین کی فوج پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، صلاح الدین اپنے پہاڑی مورچہ کی طرف ہٹ گیا، اب صلیبیوں نے موقعہ پا کر عکہ پر پھر حملہ شروع کر دیا، لیکن عکہ کے محصورین نے بڑی جرات سے اس حملے کا مقابلہ کیا، اب کاؤنٹ نے عکہ کی ناکہ بندی کر لی، لیکن سلطان نے بیروت کی راہ سے عکہ کے محصورین کو امداد پہنچادی۔

اب فرنگیوں نے پوپ سے درخواست کی، پوپ نے صلیبیوں کو کمک پہنچادی، کمک ملتے ہی کاؤنٹ ہنری نے صلاح الدین کے مورچوں پر حملہ کر دیا۔ سلطان بیمار ہونے کی وجہ سے اس معرکے میں شریک نہ ہو سکا، وہ ایک ٹیلے پر سے لڑائی کا نظارہ کرتا رہا، صلاح الدین کے بیٹوں علی، خضر اور غازی نے کاؤنٹ ہنری کو شکست دی، صلیبی اپنی خندقوں کی طرف ہٹ گئے، جاڑا شروع ہو چکا تھا صلیبیوں نے اپنے جہازوں کو آس پاس کے یونانی جزیروں میں بھیج

دیا۔ ہمارے شروع میں ہی یہ جہاز مکہ لے کر مکہ پہنچ گئے، مکہ اور سلطان کی افواج کے درمیان رسل و رسائل کاٹ دئے گئے۔

۹ اپریل ۱۱۹۱ء کو فرانس کا بادشاہ فلپ آگستس بہت بڑی فوج سمیت پہنچ گیا۔ سلطان نے اپنے ماتحت حکمرانوں کو مکہ بھیجنے کے لئے کہا لیکن اس مکہ کے بھیجنے سے پہلے شاہ انگلستان رچرڈ کی آمد سے صلیبیوں کی قوت بڑھ چکی تھی۔

فلپ اور رچرڈ دونوں بیمار پڑ گئے، جب صلاح الدین کو ان کی بیماری کی خبر ملی تو اس نے انہیں لبنان کی برف، مفرح شربت اور تازہ پھل بھیجے، جب تک یہ دونوں بادشاہ بیمار رہے، صلاح الدین انہیں اس قسم کی چیزیں بھیجتا رہا۔ اب صلیبیوں نے بڑی سختی سے مکہ کا محاصرہ کر لیا، تھوڑی مدت تک تو حفاظتی دستہ ان حملوں کا مقابلہ کرتا رہا، سلطان کے ماتحت حکمرانوں کی طرف سے مکہ کو مکہ نہ پہنچی، صلاح الدین کی کئی ایک کوششوں کے باوجود صلیبیوں نے مکہ کا محاصرہ نہ اٹھایا، مکہ کے محاصرے کو دو سال ہو چکے تھے، جنگ، وبا اور قحط نے محصورین کے حوصلے پست کر دیئے۔ آخر کار حفاظتی دستے کے کمانڈر نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ کسی شہری کو قتل نہیں کیا جائے گا، محصورین نے دو لاکھ اشرفیاں بھی دینے کا وعدہ کیا تھا، رقم کے ادا کرنے میں جب تھوڑی سی دیر ہو گئی تو انگلستان کے شیردل بادشاہ نے حفاظتی دستے کے بہادر سپاہیوں کو قتل کروا دیا۔

رچرڈ کی زیر کمان اب صلیبیوں نے عسقلان کا رخ کیا، ایک سو پچاس میل کی مسافت میں سلطان کو رچرڈ سے گیارہ لڑائیاں کرنا پڑیں، جب صلاح الدین کو اس بات کا پورا پورا یقین ہو گیا کہ وہ اپنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ عسقلان کو صلیبیوں کے ہاتھ میں جانے سے نہیں روک سکتا، تو وہ بڑی تیزی سے عسقلان کی طرف بڑھا، عسقلان کی شہری آبادی کو وہاں سے نکالنے کے بعد صلاح الدین نے عسقلان کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا۔

جب رچرڈ وہاں پہنچا تو اس نے نہ صرف شہر کو ویران اور خالی پایا، بلکہ اپنے مقابلہ پر ایک شجاع اور دلیر انسان کو پایا، صلاح الدین کی بہادری سے متاثر ہو کر رچرڈ نے صلح کی درخواست کی، چنانچہ سلطان کے بھائی سیف الدین (الملک العادل) اور رچرڈ میں سمجھوتہ کی بات چیت ہوئی۔ ہنری نے ترجمان کے فرائض ادا کئے۔

پہلی ملاقات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ رچرڈ کے طرز عمل سے مایوس ہو کر ایک دوسرے صلیبی سردار نے سلطان صلاح الدین ایوبی سے الگ ہو کر صلح کرنے کی بات چیت شروع کر دی، اس پر رچرڈ نے ”اپنے بھائی اور دوست“ ملک العادل اور سلطان سے پھر خط و کتابت

شروع کر دی، اس مرتبہ رچرڈ نے یہ شرطیں پیش کیں کہ جن ساحلی شہروں پر صلیبوں کا قبضہ ہے وہ ان کے پاس ہی رہنے چاہئیں، ان کے علاوہ یروشلم اور مقدس صلیب کو عیسائیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ سلطان نے یروشلم کا مطالبہ مسترد کیا لیکن مقدس صلیب واپس کرنے کی شرط مان لی، اب رچرڈ اور ملک العادل میں پھر بات چیت شروع ہوئی۔ سلطان کی منظوری حاصل کرنے کے لئے دونوں میں جو سمجھوتہ ہوا اس کی اہم دفعات یہ تھیں:-

”شاہ رچرڈ کی بیوہ بہن کی شادی ملک العادل سے کی جائے گی، رچرڈ اپنی بہن کے جینز میں ان ساحلی شہروں کو دے جن پر ان کا قبضہ ہے۔ سلطان اپنے بھائی ملک العادل کو وہ شہر دے جنہیں وہ فتح کر چکا ہے۔ یروشلم پر ملک العادل اور اس کی بیوی کا مشترکہ قبضہ رہے گا۔ بیت المقدس ایک آزاد شہر قرار دیا جائے جس میں دونوں مذہب کے ماننے والوں کو شہری آزادی حاصل ہوگی، قیدیوں کا عام تبادلہ ہوگا، مقدس صلیب کو عیسائیوں کے حوالے کر دیا جائے گا، عیسائیوں کے دو حلقوں ہاس پی ٹیلروں اور ٹمپلوں کو بدستور مراعات حاصل ہوں گی۔“

سلطان نے اس معاہدے میں دونوں قوموں میں قیام امن کی جھلک دیکھتے ہوئے اسے تسلیم کر لیا، اگر رچرڈ کے پادری اس معاہدے کو مان لیتے تو وہ خلیج جو آج تک عیسائیوں اور اسلام میں حائل ہے، مدتوں پہلے ختم ہو چکی ہوتی، رچرڈ نے پادریوں کی مخالفت سے ڈر کر اپنے بھائی اور دوست ملک عادل کو عیسائی ہو جانے کے لئے کہا۔ ملک عادل نے انکار کر دیا۔ رچرڈ نے یروشلم پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ اس ناکامی کے بعد وہ فلسطین کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو گیا، اب اس نے سلطان صلاح الدین کو نئی شرطیں لکھ بھیجیں۔

”مجھے آپ کی دوستی اور مروت کی ضرورت ہے، میں اس ملک پر قبضہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، میں جانتا ہوں کہ جس طرح میں اپنے سپاہیوں کو مروانا نہیں چاہتا اسی طرح آپ بھی اپنی فوج کی سلامتی چاہتے ہیں، میں نے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے میں انہیں اپنے بھانجے ہنری کو دے کر آپ کے سپرد کر رہا ہوں، وہ آپ کی اطاعت کرے گا، اور آپ کی مشرقی مہموں میں آپ کا ساتھ دے گا۔ آپ سے صرف یروشلم کے کلیسا کا مطالبہ کرتا ہوں۔“

سلطان صلاح الدین نے اپنے مشیروں سے مشاورت کرنے کے بعد رچرڈ کے اس خط کا

موافقانہ جواب دیا، رچرڈ دوبارہ آیا۔ اس مرتبہ رچرڈ نے عسقلان، دارون اور غزہ کا مطالبہ کیا۔ سلطان نے جواب میں لکھ دیا کہ وہ انطاکیہ کے حکمران سے علیحدہ صلح کرے گا نیز وہ صرف لیدہ کا شہر رچرڈ کے حوالے کر سکتا ہے۔

سلطان صلاح الدین کو معلوم ہوا کہ صلیبی فوج بیروت کی طرف بڑھ رہی ہے، چنانچہ صلاح الدین میدان میں اتر پڑا، یازہ پر قبضہ کر لیا گیا، لیکن بہت جلدی رچرڈ یازہ کے قلعہ پر قابض ہو گیا، اب شاہ انگلستان نے ملک عادل کے نمائندوں سے کانفرنس کرنی چاہی، رچرڈ نے ملک عادل کے نمائندوں کے سامنے سلطان صلاح الدین کی بہادری کی بہت تعریف کرتے ہوئے وفد کے امیر سے کہا۔ ”خدا کے لئے سلطان سے صلح کرنے کے لئے کہو۔“ اس درخواست کے جواب میں سلطان صور سے قیصریہ تک کا ساحلی علاقہ رچرڈ کو دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ رچرڈ نے یافہ اور عسقلان بھی طلب کئے۔ صلاح الدین یازہ دینے پر رضامند ہو گیا۔ رچرڈ نے بھی عسقلان کا مطالبہ ترک کر دیا۔ اس کے بعد ایک اعلان کیا گیا جس میں بتایا گیا کہ:-

”مسلمانوں اور عیسائیوں میں صلح ہو چکی ہے۔ دونوں قوموں کے مقبوضہ ملکوں میں شہری آزادی جاری رہے گی۔ دونوں ملکوں کے لوگ ایک دوسرے کے ملک میں آزادی کے ساتھ آجاسکیں گے۔“ اس اعلان کو دونوں قوموں کے لوگوں نے سنا اور خوشی کا اظہار کیا، دور دراز ملکوں سے آنے والی کمک کو واپس بھیج دیا گیا۔

اس اعلان کے چند دن بعد رچرڈ انگلستان چلا گیا، اور تیسری صلیبی جنگ کا خاتمہ ہوا، اس جنگ میں دونوں طرف کا بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان ہوا، مشرق اور مغرب کے کئی گھرانے تباہ و برباد ہو گئے، جرمنی کا ایک بہت بڑا شہنشاہ ہلاک ہوا، فرانس اور انگلستان کے ہزاروں بہادر سپاہی مارے گئے تیسری صلیبی جنگ میں صلیبیوں کو صرف یہ کامیابی ہوئی کہ حکم پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

رچرڈ کے چلے جانے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے تھوڑی دیر بیت المقدس میں آرام کیا۔ اس کے بعد وہ سواروں کے ایک دستہ کو لے کر تباہ شدہ ساحلی علاقوں کا معائنہ کرنے کے لئے نکلا، صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس میں ایک ہسپتال اور ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کے بعد اس نے دمشق کی راہ لی۔ دمشق ہی میں اسلام کا یہ بہادر سپاہی ۴ مارچ ۱۱۹۳ء کو اس دنیا سے رخصت ہوا۔ ایک مسلمان مورخ کے الفاظ ہیں:-

”خلافت راشدہ کے بعد صلاح الدین کی وفات اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک روح

فرسا سا نحوہ تھا، سلطنت کے طول عرض پر غم اور رنج کے بادل چھا گئے۔ دمشق پر حزن و ملال مسلط تھا، اس کے جنازے میں شامل ہونے والے زار زار رو رہے تھے۔“

وفات سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی نے بلا امتیاز مذہب و ملت غریبوں میں دولت لٹادی۔ جس ایلیچی نے بغداد میں سلطان کی وفات کی خبر پہنچائی تھی اس کے پاس ایک زرہ بکتر ایک گھوڑا، ایک دربار اور چھتیس درہم تھے، یہی سلطان صلاح الدین ایوبی کا ترکہ تھا۔“

صلاح الدین ایوبی ایک بہادر سپاہی، ایک عادل حکمران اور ایک رحم دل انسان تھا، اس کے کردار کا اندازہ اس کے ہمعصر مورخوں کی کتابوں سے لگایا جاسکتا ہے وہ پاکبازوں اور عالموں کا دوست تھا، وہ ان سے فیاضانہ سلوک کرتا تھا، ہر ذہین انسان جس کی اس کے دربار تک رسائی ہو اس کی بہت زیادہ تعریف کرتا ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کے طول و عرض میں مدرسوں اور ہسپتالوں کا ایک سلسلہ جاری کر دیا تھا، اس کا وزیر قاضی الفاضل بھی علوم و فنون کا سرپرست تھا۔

## پچھتیسواں باب

### عباسیوں کا زوال

صلاح الدین ایوبی نے اپنی موت سے پہلے اپنے جانشین کو نامزد نہیں کیا تھا۔ اس کی سلطنت اس کے تین بڑے بیٹوں میں بٹ گئی، سلطان کے بھائی ملک عادل کا تسلط عراق کے کافی حصہ پر تھا۔ یمن پر بھی سلطان صلاح الدین کے ایک اور بھائی کی حکومت تھی، اگر تقسیم سلطنت کے باوجود سلطان صلاح الدین کے بیٹے متحد رہتے تو شاید ان کی سلطنت باقی رہتی، سلطان کے بھائی ملک عادل نے نا اتفاقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی مملکت کو بڑھانا شروع کر دیا۔ فروری ۱۲۰۹ء میں ملک عادل نے قاہرہ کو اپنا صدر مقام بنایا، بہت جلد شام، مشرقی عراق اور یمن پر بھی اس کا تسلط قائم ہو گیا، ملک عادل اپنے بھائی کی طرح علوم و فنون کا سرپرست تھا، اس کی سلطنت میں اسی کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری تھا۔

صلاح الدین کی وفات کے دو سال بعد پوپ نے چوتھی صلیبی جنگ شروع کرادی۔ رچرڈ اور صلاح الدین کے بعد بڑی بڑی لڑائیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اب صرف معمولی معمولی لڑائیاں باقی رہ گئی تھیں۔ صلیبیوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے بیروت پر قبضہ کر لیا، ملک عادل نے انہیں شکست دی۔

تین سال بعد پوپ نے پانچویں صلیبی لڑائی شروع کرادی، پوپ نے یورپ کے تمام حکمرانوں سے امداد کے لئے کہا، رچرڈ نے پوپ کی اپیل کو مسترد کر دیا، لیکن یورپ کے دوسرے حکمرانوں نے پوپ سے تعاون کیا، چنانچہ ایک فوج مشرق پر حملہ کرنے کے لئے بڑھی، شام کی طرف بڑھنے کی جگہ اس فوج نے قسطنطنیہ کا رخ کیا، اس عیسائی فوج نے عیسائیوں کے شہر قسطنطنیہ کو آگ لگادی، صلیبیوں نے ہر اس یونانی کو قتل کر دیا جو ان کے سامنے آیا۔

۱۲۲۱ء میں چھٹی صلیبی جنگ شروع ہوئی، اس مرتبہ اس مقدس فوج میں عورتیں بھی، بوڑھے اور اندھے شامل تھے، ہنگری، آسٹریا، لورییا اور ڈیرین جرمنی کے حکمرانوں نے مل کر مشرق پر چڑھائی کر دی۔ اس صلیبی فوج نے مصر کا رخ کیا، صلیبیوں نے دمياط کا محاصرہ کر لیا۔

ملک عادل شمالی شام سے مصر کی طرف چلا آ رہا تھا کہ راہ میں فوت ہو گیا، اس کی موت کے بعد اس کی سلطنت اس کے بیٹوں میں بٹ گئی، اٹھارہ مہینوں کے محاصرے کے بعد صلیبیوں نے شہر پر قبضہ کر لیا، شہر میں داخل ہو کر صلیبیوں نے اپنے روائتی مظالم کی یاد تازہ کر دی، ستر ہزار کی آبادی میں سے صرف تین ہزار بچ نکلے، صلیبیوں نے انہیں بھی پکڑ کر قتل کر دیا، اب صلیبی فوج نے قاہرہ کا رخ کیا، لیکن شکست کھا کر واپس ہوئی۔

صلیبی فوج کے واپس ہوتے ہی ملک عادل کے بیٹوں میں لڑائی شروع ہو گئی  
المستنصر بالله کی وفات (۱۱۸۰ء) کے بعد اس کا بیٹا ناصر اس کا جانشین ہوا۔ ناصر نے ۱۲۷ سال حکومت کی، اس نے ایک بہت بڑی فوج تیار کی تھی۔ اس کی سلطنت میں لوگ خوشحال تھے۔ ۱۲۲۵ء میں اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا ظاہر اس کا جانشین ہوا۔ ایک سال حکومت کرنے کے بعد وہ انتقال کر گیا، اور اس کا بیٹا مستنصر اس کا جانشین ہوا، اس نے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک بہت بڑا کالج قائم کیا، اس نے تاتاریوں کے حملے سے بچنے کے لیے ایک فوج بھی منظم کر لی، اس کی وفات (۱۲۳۶ء) کے بعد اس کا بیٹا مستنصر اس کا جانشین ہوا۔

مستنصر آخری عباسی خلیفہ تھا، اس کے عہد میں تاتاریوں نے ہلاکو کی زیر کمان بغداد کو تباہ و برباد کر دیا۔ مستنصر کا عہد بیرونی شورش اور اندرونی بد امنی کا زمانہ تھا۔ جنہلی، حنفی آپس میں لڑتے، شیعہ، سنی ایک دوسرے سے جھگڑتے بغداد میں ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم تھا، مستنصر نے اپنی باپ کی فوج کو منتشر کر کے اس بد امنی کو بڑھا دیا، سینوں اور شیعوں کے ایک فساد میں خلیفہ نے شیعوں پر سختی کی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کے ایک شیعہ وزیر علقی نے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔

اس زمانہ میں ہلاکو اپنے بھائی کی طرف سے ایران کا گورنر تھا، چنانچہ وہ بغداد کی طرف بڑھا، تاتاریوں نے بغداد کا محاصرہ کر لیا، خلیفہ کے پاس تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی فوج نہیں تھی، تاتاری فوج نہایت آسانی سے بغداد میں داخل ہو گئی، بغداد میں کئی دن قتل عام جاری رہا۔ ابن خلدون کے الفاظ میں ”بغداد کی بیس لاکھ آبادی میں سے سولہ لاکھ کو قتل کر دیا گیا۔ ہلاکو نے ۲۷ جنوری ۱۲۵۸ء کو خلیفہ کو مردا دیا۔ بغداد کی تباہی کے بعد مغربی ایشیا پر اوبار کے بادل چھا گئے۔“

بغداد کو تباہ و برباد کرنے کے بعد تاتاری فوج نے فرات پار کر کے عراق کے شہروں کو ویران کر دیا، آخر کار مصر کے سلطان نے تاتاریوں کو ناصر (فلسطین) کے قریب شکست دی،



تین سال تک کوئی خلیفہ نہیں تھا، یہاں تک کہ سلطان مصر کی کوششوں سے ۱۲۶۱ء میں مصر میں دوسری عباسی خلافت قائم کی گئی۔ اس خلافت کے آخری خلیفہ سے عثمانی سلطان سلیم نے اپنے نام پر خلافت منتقل کرالی۔

## سینٹیسواں باب

### عباسیوں کا نظم و نسق

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ حجاج کے زمانہ کے بعد (عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ) کے عہد کے ماسوا شام کے عربوں نے سلطنت کے نظم و نسق پر پورا پورا قبضہ کر رکھا تھا۔ ریاست کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر شامی عرب قابض تھے۔ یہ پالیسی اس وقت تک کامیاب رہی جب تک کہ ماتحت قومیتوں نے قوت اختیار نہیں کی تھی، اس تبدیلی سے جس نے امویوں سے حکومت چھین لی تھی، شامی عربوں کی اجارہ داری بھی ختم کر دی تھی، اب غیر عرب مسلم قومیتوں کو بھی اسلام کی عظیم الشان سلطنت کے بڑے بڑے عہدے ملنے شروع ہو گئے۔ یہ اقدام جمہوریت کے حق میں ایک بہت بڑا انقلاب تھا، عباسی خلافت جو مساوات پر مبنی تھی، پانچ سو سال تک قائم رہی اس خلافت کا خاتمہ صرف ایک بیرونی حملہ کر سکا۔

خلیفہ ایک دنیاوی حکمران ہی نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ مسلمانوں کا روحانی پیشوا بھی تھا، اموی عہد کی طرح عباسی دور خلافت میں بھی عام طور پر یہ ہوتا رہا ہے کہ خلیفہ اپنی موت سے پہلے اپنا جانشین نامزد کر دیتا تھا۔ جب کسی خلیفہ کی جانشینی کی نامزدگی کا اعلان ہو جاتا تو فوج اور سول کے تمام حکام اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے، حکمران خلیفہ کی موت کے بعد اس جانشین کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کی جاتی۔

عباسی خلافت کی سیاسی تنظیم کی بنیاد منصور نے رکھی۔ اس نظام میں خلیفہ کو مقتدر اعلیٰ کی حیثیت حاصل تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی اس سیاسی نظام کے مختلف شعبوں پر وزیر مقرر تھے، ناموں کے عہد میں عباسی حکومت نے دستوری نوعیت حاصل کر لی تھی، ایک باقاعدہ کونسل آف ایٹیٹ (مجلس مشاورت) موجود تھی، مجلس مشاورت کے نمائندوں کو ہر مسئلہ پر آزادی کے ساتھ رائے دینے یا بحث کرنے کا حق حاصل تھا، جب سیاسی لحاظ سے عباسی خلافت کمزور ہو گئی تو اس مجلس مشاورت نے مذہبی علماء کی ایک مجلس کی صورت اختیار کر لی، صلاح الدین ایوبی کی مجلس مشاورت کے باقاعدہ اجلاس ہوتے تھے، صلیبی جنگوں کے زمانے میں بھی سلطان صلاح الدین اس مجلس مشاورت کے فیصلوں پر عمل کرتا رہا، امین کے عہدوں پہلے آٹھ عباسی ٹیلیٹوں نے اپنے صوبائی گورنروں پر پورا پورا قابو رکھا، لیکن اس کے

بعد جب خلافت کمزور پڑ گئی تو ان صوبائی گورنروں نے آہستہ آہستہ آزادی حاصل کر لی، ابتدائی عباسی خلیفوں کی یہ پالیسی تھی کہ سلطنت کو زیادہ سے زیادہ مستحکم بنایا جائے، چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لیے مزید فتوحات کا خیال چھوڑ دیا تھا، بالائی مصر، ولیم اور کابل میں اس لئے اقدام کیا گیا تھا کہ ان علاقوں میں قبائلی شورش پیدا ہو چکی تھی، بزنطین کے ساتھ محض اس وجہ سے لڑنا پڑتا تھا کہ وہ ہمیشہ عمد شکنی کر کے عباسی سلطنت پر حملہ کر دیتا تھا۔

لظم و نسق کے تمام بڑے بڑے عمدوں کے دروازے مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں پر کھلے ہوئے تھے، منصور اپنے کسی گورنر کو ایک صوبے میں زیادہ مدت تک نہیں رکھتا تھا، ہر صوبے میں ایک قاضی القضاة (چیف جج) ہوتا تھا، ایرانیوں میں وزارت کا منصب اگرچہ بہت پرانا تھا لیکن عربوں میں سب سے پہلے عباسیوں کے دور میں اسی نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا تھا۔ سلطنت کے مختلف شعبوں کے ہر صوبے میں دوسرے شعبوں کے علاوہ ایک محکمہ ڈاک بھی ہوتا تھا، فوج اور پولیس کی دیکھ بھال کرنے کے لئے ایک علیحدہ محکمہ تھا، ہر شہر کی میونسپل پولیس ایک افسر کے ماتحت ہوتی تھی، جسے محتسب کہا جاتا تھا، تجارتی کاروبار کے لئے سوداگروں کی ایک سنڈیکٹ ہوتی تھی۔

زراعت کی ترقی کے لئے ایک الگ شعبہ تھا، صنعت و حرفت کی نگرانی کے لئے بھی ایک الگ محکمہ قائم کیا گیا تھا، مال گزاری کا محکمہ بہت مضبوط تھا۔ فوج کا محکمہ بہت بڑا ہوتا تھا، فوجی افسروں کی مدد کے لئے انجینئروں کی ایک جماعت موجود رہتی تھی، جنگی ہسپتالوں کا بھی اعلیٰ انتظام تھا، ساحلی علاقوں کی دیکھ بھال اور ان کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط بیڑا موجود رہتا تھا، بحریات اور بحریہ کی بہت سی موجودہ یورپی اصطلاحات، عربی سے ماخوذ ہیں، بیڑے کے کمانڈر کو امیر المراء کہا جاتا تھا، ایڈمیرل اسی امیر المراء سے ماخوذ ہے۔

## اڑتیسواں باب

### عباسی عہد میں علوم و فنون

ایک مورخ کے الفاظ میں ”بغداد عراق کی آنکھ اور علوم و فنون کا مرکز ہے۔“ یا قوت اپنے جغرافیائی انسائیکلو پیڈیا میں لکھتا ہے کہ ”منصور نے ایک جدید شہر کی بنیاد رکھی جس کے ارد گرد ایک مضبوط فصیل اور اس کے آگے ایک گہری خندق تھی، اس شہر کے چار بڑے بڑے دروازے تھے، شہر کے عین وسط میں قصر خلد تھا، خلیفہ کے محل کے قریب ہی ایک جامع مسجد تھی، اس مسجد کے آس پاس امیروں و وزیروں کے محلات، اسلحہ خانہ، خزانہ اور دوسرے سرکاری دفاتر تھے، شہر کا یہ حصہ مدینۃ المنصور کہلاتا تھا، مہدیہ کے آباد ہوجانے کے بعد یہ شہر دو نصف دائروں پر مشتمل ہو گیا تھا، جن میں ایک وجلہ کے بائیں کنارے اور دوسرا دائیں کنارے پر تھا، اس شہر کا قطر بارہ میل تھا۔ ایام عروج میں بغداد کی آبادی بیس لاکھ تھی، مشرقی کنارے کا نصف قطر یعنی مہدیہ شان و شوکت میں مغربی نصف قطر سے بہتر تھا، شہر کے اسی حصہ میں سلطنت کے بڑے بڑے لیڈروں کے محلات تھے۔ حفظان صحت کے پیش نظر شہر کے کئی حصوں کا انتظام ایک ناظم کے سپرد تھا، شہر کے کئی ایک مشہور چوکوں میں سے ایک کا نام مامونیہ تھا۔

شہر میں آب رسانی کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا، ہر مکان کو کافی پانی مہیا کیا جاتا تھا، شاہی محل کے سامنے کا وسیع میدان مربع کہلاتا تھا، اس میدان میں فوج کی ریڈ ٹورنامنٹ اور گھوڑ دوڑ ہوتی تھی، روشنی کے لئے گلیوں اور بازاروں میں لیمپ نصب کئے ہوئے تھے، منصور ہمیشہ فوجی وردی میں اپنی فوج کا معائنہ کیا کرتا، ہارون اور مامون اور معتصم فوجی کھیلوں میں حصہ لیتے تھے، دمشق کی طرح بغداد میں بھی گھوڑ دوڑ کا بہت شوق تھا۔ مربع میں پولو کا مقابلہ بھی ہوتا تھا جس میں خلیفہ ہارون بھی حصہ لیتے تھے، مہدیہ میں بھی ایک بہت بڑا میدان تھا، جہاں سپاہیوں کی بارکیں تھیں، شہر میں چونکہ مختلف قومیں آباد تھیں اس لئے ہر قوم کے مفاد کا تحفظ ان اقوام کے سرداروں کے سپرد تھا۔ یہ سردار اپنی اپنی قوم کے طرز عمل کے ذمہ دار ہوتے تھے، بغداد میں محلات کی اتنی کثرت تھی کہ اسے شہر محلات کہا جاتا تھا، بیشتر محل سنگ مرمر کے بنے ہوتے تھے، بغداد کی عمارتوں کا طرز تعمیر دمشق سے ملتا جلتا تھا، عام طور پر

عمارتیں کئی کئی منزلہ اونچی ہوتی تھیں، ان عمارتوں کی آرائش و زیبائش میں ایرانی اثرات صاف صاف دکھائی دیتے تھے، محلات اور حویلیوں کی آرائش کے لئے قیمتی سامان خریدا جاتا تھا، قصر خلافت اپنی شان و شوکت اور زیبائش میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا، جمعہ کی نماز سے پہلے فوج پریڈ کرتی، جس میں سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ دار شریک ہوتے تھے۔

عید الفطر کی تقریب پر خلیفۃ المسلمین عمائد سلطنت کو اپنے ہاں مدعو کرتے۔ اس زمانہ کے امیروں کبیروں کا وہی لباس ہوتا، جسے خلیفہ وقت اختیار کرتے۔ علماء اور فضلاء کی جماعت کا لباس مختلف ہوتا تھا، عباسی عہد میں شرقاً کا لباس ڈھیلے پاجامے، قمیص، خفتان، قبا، عبا، جبہ اور کلاہ پر مشتمل ہوتا تھا، اس عہد میں موزے کا عام رواج تھا، مختلف پیشوں کے لوگوں کا لباس بھی مختلف ہوتا تھا، جو تلوں کے ساتھ ساتھ بوٹوں کا بھی عام استعمال تھا، بنو عباس کے عہد میں عورتوں کے لباس میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں، امیر گھرانے کی عورتیں موتیوں میں جڑی ہوئی ٹوپیاں پہنتی تھیں۔

عباسی دور کے ابتداء میں عورتوں کی پوزیشن ویسی ہی تھی جیسی کہ بنو امیہ کے عہد میں مردوں اور عورتوں کی، مکمل علیحدگی قادر باللہ کے عہد میں ہوئی

خلیفہ منصور کے عہد میں دو شہزادیاں مردوں کا لباس پہن کر بزنطین کے خلاف لڑنے والی فوج میں شامل ہوئیں، ہارون کے عہد میں بھی کئی ایک عورتیں فوجی دستوں کی کماندار تھیں، خلیفہ مقتدر کی والدہ عدالت عالیہ میں ایپیلوں کی سماعت کرتی اور غیر ملکی سفیروں سے تبادلہ خیال کرتی تھی، ہارون اور مامون کے عہد میں علمی مجلسوں کے دوش بدوش عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں، بلکہ زبیدہ ایک بلند مرتبہ شاعرہ تھیں، اس نے ہارون اور مامون کو جو خطوط لکھے تھے، ان میں اس کی قابلیت کا بہتر ثبوت موجود ہے، بوران کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، عبیدہ نے ظنبرہ بجانے میں اتنی مہارت پیدا کر لی تھی، کہ وہ اس عہد کی تاریخ میں الظنبرہ کے نام سے مشہور ہے۔ کتاب الاغانی کا مصنف اس کے کمالات کا اعتراف کرتا ہے، اسی عہد کی ایک اور شاعرہ فضل شعر و شاعری میں بڑے بڑے شاعروں کے ہم پلہ خیال کی جاتی ہے، چھٹی صدی ہجری میں شیخہ بغداد کے کالجوں میں تاریخ اور ادب پر لکچر دیا کرتی تھی، اسی صدی کی ایک مشہور خاتون زینب بہت قانون دان تھی، جو بغداد کے کالجوں میں قانون کی تعلیم دیتی تھی، صلاح الدین ایوبی کے عہد میں ایک ترکی خاتون حدیث کا درس دیتی تھی۔ ماں کے فرائض میں بچوں کی دیکھ بھال ہوتی تھی، لڑکیوں کو صالح خواتین بننے کی تعلیم دی جاتی تھی۔

بنو امیہ ہی کے عہد میں کرسیوں اور اٹھی ہوئی نشستوں کا رواج ہو گیا تھا، لیکن عباسیوں کے عہد میں دیوان صفہ کا رواج عام ہو گیا تھا، ان صفوں کے سامنے کھانے کے لئے میز بچھا دیئے جاتے تھے، واثق نے اپنے لئے سونے کی میز بنوائی تھی تیر اندازی، پولو، ہاکی، جرید، گھوڑ دوڑ اور کشتی کے مقابلوں کے لئے بغداد اور دوسرے بڑے شہروں میں ٹورنامنٹ کرائے جاتے تھے، کرکٹ اور ٹینس بھی اپنے ابتدائی شکل میں موجود تھے، امراء شکار سے تفریح کا کام لیتے تھے، بیشتر عباسی خلفاء کو شکار کا شوق تھا، سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکار کا اس حد تک شوق تھا کہ وہ ایک مرتبہ شکار کھیلتا ہوا اتنی دوز نکل گیا کہ وہ صلیبوں کے زغہ میں آ گیا تھا، عباسی دور میں امراء کے مکان علمی مباحث اور مجلسی تعلقات کے مرکز ہوتے تھے، ان مکانوں میں مختلف علمی مسائل پر اظہار خیال کرتے۔ خلیفہ مامون کے عہد سے بغداد اور دوسرے شہروں میں لٹریچر کلب عام ہو گئے تھے، ان کلبوں میں سائنس اور فلسفہ کے مسائل پر مذاکرات اور مباحثات ہوتے، ان کلبوں کو دبانے کی بہت کوشش کی گئی، لیکن وہ بغداد کی تباہی تک جاری رہے، اس زمانہ کی سوسائٹی میں کتب فروشوں کو بہت بڑی پوزیشن حاصل تھی، ان کی دکانیں طلباء اور فضلا کے مراکز بنی رہیں، ان دوکانوں پر معتزلیں فلسفیانہ بحثوں میں مصروف دکھائی دیتے، کتابت کا فن اس حد تک ترقی کر چکا تھا کہ کتب فروش بہترین کتابوں کو ایک دینار (تقریباً چودہ آنے) میں فروخت کر سکتے تھے۔

ان محدود اوراق میں ایک قوم کی پانچ سو سال کی علمی سرگرمیوں کا تذکرہ ضروری ہے جنہوں نے انسانی تہذیب کے ارتقا میں نمایاں حصہ لیا، چنانچہ عربوں نے قطب نما ایجاد کیا۔ انہوں نے تمام دنیا کی تجارت یا تلاش علم کی غرض سے سفر کائا۔ عربوں نے افریقہ، مجمع الجزائر، ہند، ساحل ہند، جزیرہ نما ملایا میں اپنی نو آبائیاں قائم کیں۔ چین نے بھی اپنے بند دروازوں کو مسلم آبادکاروں اور تاجروں پر کھول دیا۔ بصرہ کی بندرگاہ سے ہندوستان اور چین کے ساتھ تجارت کی جاتی تھی، عربوں کی تجارتی سرگرمیاں صرف سمندروں تک ہی محدود نہیں تھی، ایک بری راستہ شمالی افریقہ کے ملکوں تک جاتا تھا، اور دوسرا سیاہ براعظم کے قلب میں جاتا تھا، بحیرہ روم کی بہت سی بندرگاہوں کے ذریعہ ہسپانیہ، سسلی، اٹلی اور فرانس کے ساتھ تجارت کی جاتی تھی، ترازوں کے ذریعہ بزنطین کے ساتھ تجارت ہوتی تھی، دوسرے بری راستے وسطی ایشیاء اور شمالی ہندوستان تک جاتے تھے۔ بغداد سے بحیرہ خزر تک جو راستہ جاتا تھا، اسے مزید شمالی ملکوں سے ملایا گیا تھا۔ اس امر کی تصدیق ان عربی سکوں سے ہوتی تھی جو روس اور سویڈن سے حال ہی میں ہاتھ لگے ہیں۔ عربوں نے اڈریز کو دریافت کیا تھا، یہ بھی

کہا جاتا ہے کہ وہ امریکہ تک پہنچ گئے تھے عربوں نے پرانی دنیا کے ہر خطہ میں انسانی محنت و مشقت کو نئی راہوں پر لگایا۔

آنحضرت ﷺ نے محنت کو ایک فریضہ بتایا تھا۔ آپ کا ارشاد تھا کہ کھیتی باڑی اور تجارت اللہ کی نگاہوں میں محبوب ہے۔ چنانچہ اس تعلیم نے نہایت مفید اور کارآمد نتائج مرتب کئے، تاجروں اور دستکاروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، بڑے سے بڑا شخص اپنے پیشے کی نسبت سے پکارے جانے کو معیوب خیال نہیں کرتا تھا۔

اس عہد میں علماء اور فضلاء کی جو جماعت پیدا ہوئی اس نے انسانی زندگی کے ہر پہلو پر غور کیا، نحو، ادب، بلاغت، لسانیات، جغرافیہ، حدیث اور مساحت پر قلم اٹھایا، انہوں نے لغت کی کتابیں مرتب کیں اور سوانح لکھے۔ دنیا کے علمی خزانہ کو اپنی تاریخ نگاری اور شاعری سے آراستہ کیا سائنسی دریافتوں کے ذریعہ انسانی علم میں نمایاں اضافہ کیا۔ انہوں نے اپنے فلسفیانہ مباحث سے انسانی فکر میں نئی تحریک پیدا کی۔ آٹھویں صدی سے تیرھویں صدی تک عربوں کی علمی سرگرمیوں کے پیش نظر اس مورخ کے یہ الفاظ مبالغہ آمیز معلوم نہیں ہوتے جس کا میں کئی مرتبہ پہلے حوالے دے چکا ہوں۔ اس عہد میں جو وسیع لٹریچر پایا جاتا تھا وہ بلاشبہ ایک حیرت انگیز ذہنی کارنامہ تھا، جس نے اس خیال کی تصدیق کر دی کہ ہر معاملہ میں عرب ہمارے رہنما تھے۔ انہوں نے اپنی تاریخوں میں سفر ناموں، سوانحی کتابوں میں ہمارے لئے یازمنہ وسطی کی معلومات کے قیمتی ذخائر مہیا کئے۔ علاوہ ازیں انہوں نے آرٹ اور تعمیرات میں ہمارے لئے نئے نئے راستے پیدا کئے۔

ذریعہ تبصرہ عہد میں علوم طبعی پر بڑی محنت سے کام کیا گیا۔ کیمیا، نباتات، اراضیات طبعی تاریخ کی طرف بہترین عرب فضلا متوجہ تھے، کوفہ کا ابو موسیٰ جعفر عیسائی مورخوں کا جبراً جدید کیمسٹری کا بانی ہے۔ اس کے بعد دوسرے علما نے اس کے کام کو جاری رکھا۔ ان علما کی کتاب تاریخ نگاری پر ایک نئے باب کا اضافہ کرتی ہے۔ علم طب اور فن جراحی اپنے اوج کمال تک پہنچ چکے تھے عربوں نے کیمیاوی فارمیسی ایجاد کی۔ انہوں نے ان اداروں کی بنیاد رکھی جنہیں آج کل ڈسپنسریاں کہا جاتا ہے۔ ہر شہر میں پبلک ہسپتال جاری کئے جن کے اخراجات خزانہ عامرہ برداشت کرتا تھا۔

نباتات اور جڑی بوٹیوں کے مطالعہ کے لئے بغداد اور دوسرے کئی ایک شہروں میں باغات تھے۔ ان باغات میں عرب فضلا طلبہ کے سامنے نباتات پر تقریریں کرتے تھے جس سے ذہنی تحریک نے نویں صدی کے آغاز میں سائنس اور آرٹ کو ترقی دی تھی اسی تحریک کی

وجہ سے جغرافیہ اور سیاحت پر بھی کام کیا جانے لگا۔ مسلم بن حمیر، جعفر بن احمد امروزی، ابن فضلان خوالیہ مسعودی، اسطی، ابن حوقل، البرونی، یاقوت البدری المقدسی، اور لیبی کا شمار عربوں کے نامور جغرافیہ دانوں میں ہوتا ہے۔

البیرونی نے ہندوستان کا سفر کیا اور ایک مدت تک ہندوؤں میں رہا ان کی زبان سیکھی ان کے علوم و فنون فلسفہ عادات و اطوار اور ہندوستان کے طبعی حالات کا مطالعہ کیا۔ ایک کافی مدت تک مطالعہ کرنے کے بعد البیرونی نے جو کتاب لکھی۔ اس میں ہومر افلاطون اور دوسرے یونانی مصنفوں کے اقتباسات درج ہیں ہندوستان کے متعلق کتاب الہند کے علاوہ البیرونی نے ہیئت، ریاضیات، جغرافیہ تاریخ، طبیعیات اور کیمیا پر بھی کتابیں لکھیں۔ البیرونی کے بعد ہم ناصر خسرو کی شخصیت میں ایک ادیب اور سیاح پاتے ہیں، وہ مرو کا رہنے والا تھا وہ ۱۰۳۶ء میں مرو سے روانہ ہوا۔ وہ نیشاپور، قم، تبریز، حلب سے ہوتا ہوا شام میں داخل ہوا۔ صور و صیدا بیروت، بیت المقدس کی سیاحت کے بعد وہ مصر میں داخل ہوا۔ مصر کی سیاحت کے بعد اس نے حرمین الشریفین کی زیارت کی۔ اس کے بعد وہ بصرہ سے ہوتا ہوا بلخ پہنچا۔ اس کا سفرنامہ بہت دلچسپ ہے، عرب کے مورخوں نے اثریات اور انسانیات کی طرف بھی توجہ کی، بلاذری المتبنی ۸۹۲ء بغداد میں پیدا ہوا تھا، اس نے بغداد میں زندگی بسر کی اور وہیں اس نے اپنا کام شروع کیا اس کی کتاب فتوح البلدان کا انداز تحریر بہترین ہے یہ کتاب تاریخ نگاری پر ایک نئے باب کا اضافہ کرتی ہے۔

ہمدانی نے جس کا زمانہ تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کا آغاز ہے دنیا کو جنوبی عرب کی ایک شاندار تاریخ مہیا کی، اس کتاب میں ہمدانی جنوبی عرب کے قبیلوں اس کے آثارِ قدیمہ کے ساتھ یمن کے جغرافیائی حالات بھی پیش کرتا ہے۔ اس عہد میں ہم مسعودی طبری اور ابن الاثیر کے کارناموں کو سب سے بلند مرتبہ پاتے ہیں، اپنے جانشینوں کی طرح یہ تینوں فضلاء فلسفی، ریاضی دان، جغرافیہ دان اور مورخ تھے، مسعودی بغداد کا رہنے والا تھا، جس نے اپنی جوانی میں اسلامی دنیا کے بہت سے حصوں کی سیاحت کی تھی وہ سب سے پہلے ہندوستان گیا۔ جہاں اس نے منصورہ اور ملتان دیکھے۔ یہاں وہ ایران اور کرمان کی سیاحت کرنے کے بعد پھر ہندوستان میں داخل ہوا۔ وہ کافی مدت کباجہ میں رہا، وکن اور سیلون کی سیاحت کے بعد اس نے مدغاسکر کا رخ کیا۔ وہاں سے وہ عمان پہنچا۔ کما جاتا ہے کہ وہ ہند چینی اور چین بھی گیا تھا۔ اس نے وسطی ایشیاء میں بھی بہت سفر کیا تھا، اس سفر کے بعد وہ تازی خزر کے ساحل پر پہنچا۔ اپنی سیاحت کے آخری دنوں میں وہ تھوڑی مدت تک



انٹاکیہ میں رہا۔ بصرہ میں پہنچ کر اس نے اپنی کتاب مروج الذهب کو مکمل کیا۔ قاہرہ پہنچ کر مرآة الزمان لکھی، مروج الذهب میں وہ ایک جہاندیدہ انسان کی حیثیت میں اپنے تجربات کو دلکش انداز میں پیش کرتا ہے۔ وہ ان ملکوں کے چشم دید حالات بیان کرتا ہے۔ اس کی کتابیں دلچسپ مطالعہ کا سامان مہیا کرتی ہیں وہ مختلف قوموں اور گروہوں کے عادات و اطوار کو اختصار کے ساتھ کہانیوں کی صورت میں پیش کرتا چلا جاتا ہے۔

طبری نے ۹۲۲ء میں بغداد میں وفات پائی اس نے اپنی تاریخ میں ۹۱۳ء تک کے واقعات کو قلم بند کیا۔ المسکین نے اسی تاریخ کو بارہویں صدی تک مکمل کیا۔ ابن الاثیر عراق کا رہنے والا تھا، اس نے اپنی زندگی موصل کے مضافات میں گزاری تھی اس کا خوبصورت مکان اس کے ہم عصر علماء اور فضلاء کے مذاکرات کا ایک اہم مرکز تھا۔ اس نے الکامل کے نام سے جو تاریخ عالم لکھی وہ ۱۲۳۱ء پر ختم ہوئی۔ اس تاریخ کو یورپ کے موجودہ فضلاء کی تاریخوں کی صف میں رکھا جاتا ہے۔ ابن الاثیر نے موصل کے تباہوں کی بھی ایک تاریخ لکھی تھی عربوں نے علم ہیئت میں بھی بہت زیادہ کام کیا تھا، عربوں کا مشہور ہیئت دان محمد نہاوندی منصور کے عہد میں تھا، خلیفہ مامون کے عہد میں یحییٰ بن منصور اور خالد بن عبدالمکمل مشہور ہیئت دان تھے انہوں نے اعتدالین گرہن، دم دار ستاروں اور سیاروں کی گردش کے متعلق جو مشاہدات کئے انہوں نے انسانی معلومات میں بہت نمایاں اضافہ کیا۔

مامون کے حکم سے موسیٰ الخوازی نے مسکرت کی کتاب سدھارشا کا عربی میں ترجمہ کیا۔ موسیٰ الخوازی نے اپنی طرف سے اس کتاب پر حواشی بھی لکھے تھے، الکندی نے ہندسہ، اقلیدس، فلسفہ، موسمیات، مبصریات اور طب پر کم و بیش دو کتابیں لکھی تھیں ابو معشر نے سیاروں کی گردش کا بہت زیادہ مطالعہ کیا، ابو معشر نے جو جدول مرتب کیا تھا وہ علم ہیئت کا بہت بڑا منبع ہے موسیٰ بن شاہر ہارون الرشید کے زمانہ کا بہت بڑا انجینئر تھا، لیکن اس کے بیٹوں نے مامون معتصم اور واثق کے عہد حکومت میں علم ہیئت میں بہت نام پایا، انہوں نے سورج اور دوسرے سیاروں کی گردش کے متعلق بہت سی دریا فتیں کیں۔ ابوالحسن نے دور بین ایجاد کی۔ روسی عہد کا ایک نامور ہیئت دان البسانی تھا، اس کی زینج کا لاطینی میں ترجمہ ہو کر صدیوں تک یورپ کی درسگاہوں میں نصاب رہا۔ الکوہی اور ابوالوفا بھی اسی عہد کے مشہور و معروف ہیئت دان تھے۔ الکوہی نے سیاروں کی گردش کا مطالعہ کیا۔ اس نے اس السبطان اور اس الجذبی کے متعلق نئی معلومات فراہم کیں وہ علم ہیئت میں بہت زیادہ مہارت رکھتا ہے۔ ابوالوفا ۹۳۹ء میں خراسان میں پیدا ہوا تھا، وہ ۹۵۹ء میں عراق میں متوطن

ہو گیا۔ جہاں وہ ہیئت اور ریاضیات کے مطالعہ میں مشغول رہا۔ اس نے علم مثلث میں قاطع زاویہ اور فلکیاتی مشاہدات میں تلمس کو رائج کیا، ابو یونس، حسن ابن شاطر اور عمر خیام نے ریاضیات اور ہیئت میں نمایاں کام کیا۔ ریاضیات اور ہیئت کی طرح عربوں نے مابعد الطبیات اور فلسفہ میں بھی نمایاں کارنامے کئے، الکندری، الفارابی اور ابو علی ابن سینا کا شمار عربوں کے بلند پایہ فلسفیوں میں ہوتا ہے۔ اس عہد کے بیشتر شاعروں نے عربی اور فارسی میں اشعار لکھے، چونکہ ان شاعروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے انتخاب کرنا بہت مشکل ہے اس عہد کے عرب شاعروں کا تذکرہ اصفہانی اور ابن نلکان کی کتابوں میں عام ہے۔ ذیل میں بر سبیل تذکرہ ان چند شاعروں کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس سے عرب ذہن کا اندازہ ہو سکے۔ ابو نواس مامون کے عہد کا مشہور و معروف شاعر ہے شعر و سخن میں اس کا درجہ قبل از اسلام کے مشہور شاعر امراء القیس کے برابر ہے ابو نواس تمام کتاب اتمارہ کا مولف ہے۔ سبئی کی شہرت نے اس کے بہت سے پیشرو شاعروں کی شہرت کو ماند کر رکھا ہے، اسی دور کا ایک مشہور شاعر نامی گرزا ہے اس نے ۱۰۰۸ء میں حلب میں وفات پائی۔ اس دور کے مشہور فارسی شاعروں میں د قیتی فردوسی، عنصری، انوری، فرید الدین عطار، جلال الدین رومی اور سنائی ہیں ابو الفرج محمد بن اسحاق المعروف الندیم نے ایک سوانح ڈکشنری مرتب کی، اس کی کتاب الفہرست علم کی ہر شاخ سے متعلق ہے۔ اس کتاب میں بے شمار ایسے مصنفوں کی کتابوں کا ذکر ملتا ہے جو اب ناپید ہو چکی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے عربوں کی ادبی تخلیق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ابن نلقان کا سوانحی انسائیکلو پیڈیا مفید معلومات سے لبریز ہے سیف الدولہ کتاب الاغانی کے مصنف، ابو الفرج علی بن حسین اصفہانی کا مرہب تھا، یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے محض گیتوں کی کتاب نہیں ہے۔ اس کتاب میں ان لوگوں کے حالات زندگی درج ہیں۔ جن کے گیت نقل کئے گئے ہیں۔ کتاب الاغانی میں تاریخ اور سائنس کے متعلق بھی کافی معلومات موجود ہیں کہا جاتا ہے کہ قریش میں ظہور اسلام سے تھوڑی مدت پہلے عربی لکھنے کا دستور ہوا تھا۔ یمن کے بنو حمیر کا طرز تحریر قریش کے طرز تحریر سے مختلف تھا، بنو امیہ کے دور کے اختتام پر نسخ طرز تحریر عام ہو چکا تھا، دسویں صدی کے اختتام اور گیارہویں صدی کے آغاز میں ابو حسن ابو طالب المبارک نے خط نسخ کو مزید ترقی دی۔ سلطان صلاح الدین کے عہد میں نسخ میں ایسی تبدیلیاں ہوئیں جو ایران کے خط نستعلیق سے ملتی جلتی ہیں۔ عباسیوں کے دور میں بہت سے نئے فرتے پیدا ہو گئے تھے اس دور میں حنفی فقہ کو سرکاری حیثیت حاصل تھی، حنبلی فقہ بغداد میں مقبول ہو رہا تھا، علماء اور فضلاء میں

شافعی فرقہ پھیل رہا تھا، شام اور ساحل کے شہروں میں شیعیت پھیل چکی تھی، اس عہد کے دینی فلسفہ کی تاریخ کا سب سے اہم باب اعتزال کا تھا، مسعودی الکندی اور فارابی ایسے مفکروں کے خیالات نے اس تحریک میں نئی جان ڈال دی تھی، معتزلوں نے دین اور دلیل یعنی مذہب اور فلسفہ میں تطابق پیدا کرنے کی کوشش کی، دسویں صدی کے اواخر میں اشاعت علوم کے لئے ایک سوسائٹی قائم کی گئی، اس سوسائٹی کے ارکان اخوان الصفا کہلاتے تھے، اس سوسائٹی کا قیام سب سے پہلے بصرہ میں ہوا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کی شاخیں مملکت عباسیہ کے طول و عرض میں پھیل گئیں، صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن ذیال افراد ہی اخوان الصفا میں شامل ہو سکتے تھے، بصرہ میں اس سوسائٹی کے ارکان اپنے صدر کے مکان پر جمع ہو کر فلسفہ اور اخلاقیات کے دقیق مسائل پر اس آزاد ذیالی سے بحث کرتے کہ اس کی مثال موجودہ دور میں ملنی مشکل ہے اس سوسائٹی کی شاخیں مملکت عباسیہ کے تقریباً ہر بڑے شہر میں تھیں، اخوان الصفا نے مختلف علوم و فنون پر پایہ کے رسائل لکھ کر علوم و فنون کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی یہ رسائل مجموعی طور پر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب ابن سینا کا ستارہ چمک رہا تھا تو دنیا اس کے خیالات تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو چکی تھی، گیارہویں صدی کے آغاز میں عربوں کی دنیا میں ایسے علوم کی تحریک بڑے زوروں پر تھی، لیکن جب سیلسیوں نے حملہ کر دیا تو پھر مسلمانوں کا کام اپنے آپ کو بچانا رہ گیا، نور الدین زندگی اور صلاح الدین نے مسلمانوں کو یورپ کے جارحانہ حملوں سے بچایا ہی تھا، کہ تاتاریوں کے یورش نے مشرق کی تہذیب و تمدن کو برباد کر ڈالا۔

## انتالیسواں باب

### عبدالرحمن الداخل

زاب کی لڑائی کے چھ سال بعد مغرب میں ایک نئی اموی سلطنت قائم ہو گئی بنو اُمیہ کے ان لوگوں میں سے جو سفاح کے انتقام سے بچ نکلے ہشام کا ایک پوتا بھی تھا اس کا نام عبدالرحمن تھا۔ چونکہ اس کے باپ کا نام معاویہ تھا اس لئے اسے ابن معاویہ بھی کہا جاتا تھا۔ اس کا فرار موت کے ہاتھ سے بچنا اور بربروں کے ہاں ٹھہرنا ایک رومانی افسانہ ہے جس میں کئی ایک دردناک مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ جس زمانہ میں وہ بربروں کے ہاں رہتا تھا، اس وقت اس نے آبائے کے اس پار کی سلطنت پر قبضہ کرنے کا خیال کیا۔ یہ سلطنت اس کے آباؤ اجداد کی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے قبیلہ کے بڑے بڑے سرداروں کے پاس اپنے ایلچی بھیجے تاکہ وہ مقصد کے حاصل کرنے میں عبدالرحمن کی مدد کریں۔ اس کے ایلچیوں کا بڑے جوش کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ نیز ان سے یہ کہا گیا کہ عبدالرحمن ہسپانیہ میں داخل ہو جائے۔ اس پر ستمبر ۶۷۵ء (ربیع الثانی ۱۳۸ھ) میں وہ ساحل پر اترا۔ یہی قبیلوں نے عبدالرحمن کا پوری طرح ساتھ دیا۔ عبدالرحمن نے ان کی مدد سے جزیرہ نمائے ہسپانیہ کے والی یوسف کو شکست دی، یوسف برائے نام عباسی خلافت کا مطیع تھا۔ سادہ کی جنگ میں عبدالرحمن کے ہاتھ ہسپانیہ کا تاج و تخت آگیا، یوسف کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ آخر کار اس نے ہتھیار ڈال دیئے تین سال بعد وہ ایک ناکام بغاوت میں مارا گیا۔

ایک بے سرو سامان پناہ گزین کی انتہائی خواہش پوری ہو چکی تھی۔ اب وہ ایک وسیع مملکت پر حکمران تھا۔ عبدالرحمن نے اپنی وراثی اور بہادری سے جو کچھ حاصل کیا تھا اس سے وہ اچھی طرح لطف اندوز نہ ہو سکا، بڑے بڑے عرب سردار شخصی حکومت کے خلاف تھے۔ اس مخالفانہ جذبہ میں بربری قبائل بھی برابر کے شریک تھے۔ عرب اور بربر جمہوریت کی طرف مائل تھے ان دونوں کی یہ خواہش تھی کہ ہسپانیہ میں ایسی چھوٹی چھوٹی چند ریاستیں قائم کر دی جائیں جو اپنی اپنی ضرورت کے مطابق ایک دوسرے سے لڑتی رہیں اور وقت آنے پر عیسائی حملہ آوروں کے مقابلہ پر ایک ہو جائیں اس قسم کے احساسات کی موجودگی میں عبدالرحمن نے اتحاد اور قیام امن کے لئے جو کوشش بھی کی وہ بے سود ثابت ہوئی۔ عرب سردار ایک ایک کر کے بغاوت کر رہے تھے۔ سپین اور اس کا بیٹا شارلمین ان باغی

سرداروں کی مدد کرتے رہے۔ ان دونوں حکمرانوں کی یہ پالیسی تھی کہ وہ عرب سرداروں کو قرطبہ کی مرکزیت سے الگ ہونے میں ان کی مدد کریں۔ عام طور پر ان سرداروں کی بغاوتیں شہان فرنگ کے اشاروں سے ہوتی تھیں۔ لیکن عبدالرحمن نے ان باغی سرداروں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ بغاوتوں میں گھر جانے کے باعث اس نے شدید ترین پالیسی اختیار کرلی۔ اس کی وجہ اس کی مجبوری کا عالم تھا، یہ جنگ جاگیرداری اور بادشاہت کی جنگ تھی عبدالرحمن کی خوش قسمتی تھی کہ عرب سردار متحد نہیں تھے، وہ اس بات کو جانتے تھے کہ عبدالرحمن کو شکست دینے کے لئے تمام عرب سرداروں کو متحد ہونا ضروری ہے، لیکن وہ عملی طور پر اس اتحاد کو پیدا نہیں کر سکتے۔ چند سال کے اندر اندر عبدالرحمن نے ایک ایک کر کے اپنے دشمنوں پر غلبہ پالیا۔ بغاوتوں کو دبا دیا گیا، عرب سرداروں کا اقتدار ختم ہوتے ہی سالار ہسپانیہ عبدالرحمن کے مطیع ہو گیا۔ لیکن اس کی طاقت کا انحصار بھاڑے کے سپاہیوں پر تھا۔ وہ قرطبہ کے بازاروں میں حفاظتی سپاہیوں کے بغیر چل پھر بھی نہیں سکتا تھا۔

ادھر عبدالرحمن عرب سرداروں سے لڑ رہا تھا، ادھر ہسپانیہ کے عیسائی پڑوسیوں نے مسلمانوں کے شہروں کو لوٹنا شروع کر دیا تھا، ان کے شہر جلا دیئے گئے ان کے کھیت ویران ہو گئے۔ انہیں یا تو قتل کر دیا گیا یا غلام بنا دیا گیا، اس افزائش فری کے عالم میں شمالی ہسپانیہ کا بہت سا حصہ عربوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ الفانسو کے بیٹے فرید نے لوگوں کو 'رتو سلمنکہ' کتائل زمورا اور سگویا پر قبضہ کر لیا۔

۶۷۷ء میں عربوں کا ایک باغی سردار پر میز کو پار کر کے شارلمین کے پاس چلا گیا۔ اس سردار نے شارلمین سے امداد طلب کی۔ شارلمین پہلے ہی کسی ایسے موقعہ کی تلاش میں تھا جس سے وہ ہسپانیہ کی بادشاہت حاصل کر سکتا۔ شارلمین ایک بہت بڑی فوج لے کر ہسپانیہ پر حملہ آور ہوا، اپنے پیچھے تباہی و بربادی کے نشانات چھوڑتا ہوا وہ سرقسط کی دیواروں تلے پہنچ گیا۔ سرقسط کی حفاظت پر حسین بن یحییٰ انصاری مامور تھا۔ اس نے شارلمین کو شکست دی، شارلمین نے اپنی اس شکست کو کسی سازش پر محمول کرتے ہوئے باغی سردار کو گرفتار کر لیا، واپسی پر عربوں نے اس کی فوج کے عقبی حصے کو فنا کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد شارلمین اور عبدالرحمن میں سمجھوتہ ہو گیا۔

اب عبدالرحمن کا اقتدار ہسپانیہ پر چھا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے عہد حکومت میں بغاوتوں کا سلسلہ جاری رہا لیکن اس کا عہد حکومت کامیاب تھا۔ عبدالرحمن نے (۶۷۸ء - ۷۱۳ء) میں تینتیس سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی اس نے بغاوت کے

فرد کرنے میں بہت زیادہ سختی کا رویہ اختیار کیا تھا، لیکن وہ عام حالات میں نرم دل تھا اسے علوم و فنون سے بہت زیادہ دلچسپی تھی، ابن الاثیر اسے دراز قد، دبلا اور اچھے خدو خال کا انسان بتاتا ہے وہ ایک انتھک انسان تھا۔ نظم و نسق کی صلاحیت اور محنت کے پیش نظر اسے منصور کا حریف کہنا چاہیے۔ اس نے قرطبہ میں بہت سی عالیشان عمارتیں بنوائیں، جامعہ مسجد کی بنیاد رکھی لیکن یہ مسجد اس کی زندگی میں مکمل نہ ہو سکی۔ اس نے ۱۵۶ھ میں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ بند کر دیا تھا لیکن اس پر بھی اس نے اپنے لئے امیر المؤمنین کا لقب اختیار نہ کیا۔ اور اپنے والد بزرگوار کو امیر کہلوانے پر اکتفا کی۔

## چالیسواں باب

### ہشام

عبدالرحمن کا بیٹا ہشام اس کا چائشین ہوا۔ وہ ایک نرم دل، عادل اور فراخ دل حکمران تھا۔ وہ مذہب کا پابند اور نیکی کا مجتہد تھا۔ ابن الاثیر کے الفاظ میں وہ عمر بن عبدالعزیز سے ملتا جلتا ہے۔ معمولی کپڑے پہن کر وہ قرطبہ کے بازاروں میں گھومتا پھرتا اور عوام کے ساتھ مل کر بیٹھتا، عوام کی شکایات سنتا۔ بیماروں کی تیمارداری کرتا۔ غریبوں کے گھروں پر جاتا۔ اور ان کی دکھ بھری کہانیاں سنتا، رات کے وقت برف باراں کے طوفان میں اپنے سر پر ایک بچھڑا اٹھائے کسی غریب کے گھر کی راہ لیتا تاکہ اس غریب تک کھانا پہنچا سکے۔ اس کی سخاوت کی کوئی حد نہ تھی، وہ ان نمازیوں میں روپیہ بانٹتا جو موسم کی شدت کے باوجود اپنے اللہ کو سجدہ کرنے کے لئے مسجدوں میں آتے۔ ہشام ہر مفلس کا مددگار اور ہر مظلوم کا حامی تھا۔ لیکن سب باتوں کے باوجود اس کا نظم و نسق بہت سخت تھا۔ بغاوتوں کو بڑی سختی سے دبا دیا جاتا تھا۔ معمولی سے معمولی جرم کو بھی نظر انداز نہیں کہا جاتا تھا۔ اس نیک دل حکمران کے عہد میں لوگوں کو فراغت نصیب ہوئی اس نے اسحٰح کے پل کی مرمت کرائی۔ قرطبہ کی جامع مسجد کو مکمل کروایا جسے اس کے باپ نے شروع کیا تھا، اور اپنی مملکت کے شہروں میں بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔

اس کی ذاتی نرم دلی اور اس کے نظم و نسق کی سختی کے باوجود عرب سردار بغاوت سے باز نہیں آئے تھے۔ جونہی وہ تخت پر بیٹھا اسے اپنے بھائیوں کی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان پر قابو پانے کے بعد وہ اپرو کی طرف بڑھا تاکہ ایک باغی سردار مطروح بن سلیمان کو سزا دے جس نے شارلمین کو ہسپانیہ پر حملہ کرنے کے لئے کہا تھا، باغی سردار مارا گیا سر قسط اور برشلونہ ایک مرتبہ پھر اموی حکمران کے زیر اثر آگئے۔

اپنی مملکت میں امن قائم کرنے کے بعد ہشام اس قابل ہو گیا تھا کہ شمالی ہسپانیہ کی طرف توجہ کر سکے، سرحد کے عیسائی قبیلوں نے حملے شروع کر رکھے تھے۔ ان قبیلوں کی سرکوبی ضروری تھی۔ یہ قبیلے جس علاقے پر حملہ کرتے اسے تباہ و برباد کر دیتے ان کے حملوں سے کھیت ویران ہو جاتے اور آبادی کا نام و نشان باقی نہ رہتا۔ اس زمانہ میں یہ لڑائی تہذیب اور بیہیت میں تھی، بد قسمتی سے تہذیب باہمی الجھنوں میں پھنسی ہوئی تھی، اور بربریت کو

باہر سے متواتر مدد ملتی رہتی تھی چنانچہ ہشام نے ان فرنگی قبائل کو سبق سکھانے کا عہد کر لیا۔ جن کے بادشاہ اس وقت تک عربوں کے ساتھ لڑتے آرہے تھے اور جنہوں نے ایک مرتبہ عربوں سے ہسپانیہ میں بغاوت پھیلادی تھی، چنانچہ اس نے اس مقصد کے لئے دو فوجیں روانہ کیں۔ پہلی فوج قطلونیا سے فرانس میں داخل ہوئی۔ اس فوج نے کاونٹ آف طالوس کو دریائے آر مینہ کے کنارے پر شکست دی، دوسری فوج نے جلیقیہ کے قبائلی لوگوں کو شکست دی۔ ان قبیلوں کے سردار برمودہ نے مجبور ہو کر عربوں کے ساتھ صلح کر لی۔

ہشام کے دل میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بہت زیادہ احترام تھا، چنانچہ ہشام نے جزیرہ نمائے ہسپانیہ میں مالکی فقہ کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانہ سے ہسپانیہ میں مالکی فقہ رائج ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس نے عمومی حیثیت اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں فقہوں کی بڑی قدر و اہمیت تھی۔



## اکتالیسواں باب

### حکم

ہشام کی وفات ۶۷۹۶ (۱۸۰ ہجری) کے بعد اس کا بیٹا حکم المستمہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا۔ ابن الاثیر کے الفاظ میں وہ دانا، بہادر اور و نعدار انسان تھا، وہ ہسپانیہ کا پہلا عرب حکمران ہے جس نے اپنے ارد گرد شان و شوکت کے مظاہرے کئے اس کا سارا عہد حکومت اندرونی بغاوتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، اسے قسیوں اور قانون دانوں سے زیادہ لگاؤ نہیں تھا، اس نے اپنے گرد و پیش شاعر، راگی اور دینیوی علوم کے فاضل جمع کر رکھے تھے، اس وجہ سے وہ فقہاء کی جماعت میں مقبول نہ رہا۔ لیکن قسیوں کی بے چینی کے اور بھی کئی اسباب تھے، ہشام کی فراخ دلانہ پالیسی کے سبب اس جماعت کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ حکم اگرچہ اس جماعت کا بہت احترام کرتا تھا۔ اور ان کے فیصلوں میں کبھی دخل نہیں دیتا تھا۔ لیکن اس پر بھی اس نے اس جماعت کو امور سلطنت میں دخیل نہ ہونے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس جماعت نے حکم کو بے دین کہنا شروع کر دیا، فقہا اس کی روحانی نجات کے لئے دعائیں مانگتے تھے، انہوں نے ہسپانوی مسلمانوں کو سکھ کے خلاف اکسانا شروع کر دیا۔ ان نو مسلموں پر اس جماعت کا بہت زیادہ اثر تھا، یہ نو مسلم ہسپانیہ کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ قرطبہ، شیبلیہ، طلیطلہ اور میڈرڈ کے نو مسلموں کا تعلق ہسپانیہ کے بڑے بڑے خاندانوں سے تھا، عربوں، بربریوں اور ہسپانوی لوگوں (مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں) میں باہمی شادی کا عام رواج ہو چکا تھا۔ اس قسم کی شادیوں سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی، وہ مولد کہلاتی تھی۔ خالص عرب قبائل ہسپانوی نو مسلموں اور مولدین کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ان کی انتہائی خواہش تھی کہ انہیں مملکت کے بڑے بڑے عہدے سے ملنے پائیں اس نفرت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہسپانوی مسلمان اور مولد دونوں کو خاندانی تقاضا کرنے والے عربوں سے نفرت ہو گئی۔ ہسپانوی مسلمانوں نے عرب قبیلے کے خلاف کئی بغاوتیں کیں، فقہا کی جماعت نے اس نسلی امتیاز کو روکنے کی بجائے ہسپانوی مسلمانوں (بلا دیوں) اور مولدین کا ساتھ دینا شروع کیا۔ وہ ان جماعتوں کو بادشاہ کی مخالفت پر اکساتے رہے۔

جب اندلس میں یہ صورت حالات تھی تو اس وقت حکم کے دو جیون سلیمان اور عبد اللہ نے بغاوت کر دی۔ ہشام کے عہد میں بھی انہوں نے بغاوت کر دی تھی لیکن ہشام نے

انہیں معاف کر دیا تھا۔ عبداللہ نے اسے لائشپس میں شارلمین سے ملاقات کی تاکہ اس حکمران کی مدد حاصل کر سکے۔ فرنگی کی مدد سے عبداللہ نے طلیطلہ پر قبضہ کر لیا۔ بلنسیہ کے ایک حصے پر سلیمان نے ہاتھ صاف کیا۔ اس کے ساتھ ہی شارلمین کے دو بیٹوں لوئی اور چارلس نے ہسپانیہ کے شمالی صوبوں میں مار دھاڑ شروع کر دی۔ جلیقیہ کے سردار الفانسو نے ارغون پر ہلے بول دیا، ان نازک حالات میں حکم نے بہت زیادہ تدبیر اور بہادری کا ثبوت دیا۔ اس نے طلیطلہ میں تھوڑی سی فوج چھوڑ دی۔ اور خود جلیقیہ کے سردار سے لڑنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس نے جلیقیہ کی فوج کو شدید شکست دی۔ انہیں شکست دینے کے بعد وہ فرانسیسیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے انہیں دریائے ایرو اور پری نیز کے پار بھگا دیا۔ ان فتوحات کے بعد وہ طلیطلہ پہنچا۔ سلیمان ایک لڑائی میں مارا جا چکا تھا۔ عبداللہ نے چونکہ ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اس لئے اسے معاف کر دیا گیا جب حکم اس طرف مصروف تھا تو فرانسیسیوں نے برشلونہ پر قبضہ کر لیا۔ برشلونہ پر فرانسیسی قبضہ اس شر کے حاکم کی غداری کی وجہ سے ہوا تھا۔ برشلونہ کے حاکم کو یہ توقع تھی کہ شارلمین اسے ایک آزاد حکمران بنا دے گا۔ چنانچہ اس نے شارلمین کو حملہ کرنے کی دعوت دی اس طرح شارلمین کے قبضہ میں ہسپانیہ کا ایک اہم مقام آگیا۔ شارلمین نے اپنے ہسپانوی مقبوضات کو دو صوبوں 'سپتی یینا' اور 'گسکنی' میں تقسیم کیا ۱۸۰۹ء میں حکم نے گسکنی پر دوبارہ قبضہ کر لیا

۱۸۰۵ء میں قرطبہ میں جو فسادات ہوئے ان پر آسانی سے قابو پایا گیا اگلے سال جبکہ حکم ایک بغاوت فرد کرنے میں مصروف تھا قرطبہ کے لوگوں نے پھر بغاوت کر دی۔ حکم اپنی راجدھانی کی طرف پلٹا اس مرتبہ اس نے بڑی سختی کے ساتھ قرطبہ کی بغاوت کو دبا دیا۔

۱۸۰۷ء میں شارلمین کے بیٹے لڈوک نے طرطوسہ کا محاصرہ کیا۔ لیکن حکم کے بیٹے عبدالرحمن نے اسے شکست دی۔ چار سال بعد اس نے فرانسیسیوں کے خلاف ایک مہم کی کمان سنبھالی۔ اس مہم میں اسے بہت زیادہ کامیابی ہوئی۔ اہل طلیطلہ اس بات کو کبھی نہیں بھولتے تھے کہ ان کا شہر ایک زمانے میں ہسپانیہ کی راجدھانی رہ چکا ہے۔ اس یاد نے انہیں عربوں کا شدید ترین مخالف بنا دیا تھا۔ اپنی دولت اور اپنی تعداد پر نازاں اہل طلیطلہ نے حکم کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ اپنی مرضی کے بغیر کسی گورنر کو مقرر نہیں ہونے دیتے تھے۔ انہوں نے پہلی بار جو بغاوت کی اسے آسانی کے ساتھ دبا دیا گیا۔ حکم نے ایک مولد گورنر کو اس بغاوت کے فرد کرنے کے لئے بھیجا جسے بہت زیادہ کامیابی ہوئی۔

دس سال بعد اہل طلیطلہ نے پھر بغاوت کر دی۔ اسی مولد نے پھر اس بغاوت کو فرد

کر کے باغی سرداروں کو قلعہ میں بلا کر قتل کروایا۔ اس طرح سات سال کے لئے طلیطلہ میں کوئی بغاوت نہ ہو سکی۔

۶۸۱۳ء میں قرطبہ کے مساوات نے انتہائی شدت اختیار کر لی۔ ایک دن ایک عام آدمی نے مسجد میں بادشاہ کی توہین کی۔ جب اسے اس کی سزا دی گئی تو قرطبہ کے مضافات میں بغاوت ہو گئی، باغیوں نے بادشاہ کے محل کو گھیر لیا، لیکن باغیوں کو پسپا کر دیا گیا، ان کے بڑے بڑے سرداروں کو قتل کر دیا گیا اور کئی ایک جلا وطن کر دیئے گئے، بعض آبنائے پار کر کے قاس میں آباد ہو گئے۔ اور کئی ایک اسکندریہ سے ہوتے ہوئے کریٹ کو فتح کر کے وہاں آباد ہو گئے۔

۶۸۱۱ء میں حکم اور شارلمین کے جانشین میں ایک معاہدہ ہوا۔ جو زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ حاکم نے ۶۸۲۲ء (۲۰۶ ہجری) میں وفات پائی اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمن دوم تخت پر بیٹھا۔

## بیالیسواں باب

### عبدالرحمن دوم

ایک عرب مورخ کے الفاظ میں عبدالرحمن دوم کا عہد حکومت (۸۲۲ - ۸۵۲) پرامن اور شاندار تھا۔ رعایا خوشحال تھی اور حکومت کا خزانہ بھرا ہوا تھا۔ عبدالرحمن دوم علوم و فنون کا سرپرست تھا۔ اسے عالموں اور فاضلوں سے بہت زیادہ انس تھا۔ اس کی فرمائش پر مشہور و معروف مغنی زریاب بغداد سے قرطبہ آیا جہاں اسے شاہی محل اور شہر کے بازاروں میں یکساں مقبولیت حاصل ہوئی، ہسپانیہ کے عربوں میں موسیقی کا شوق اس وقت سے بڑھنا شروع ہوا یہاں تک کہ موسیقی ہسپانوی عربوں کی قومی خصوصیت بن گئی۔ درباری شان و شوکت میں عبدالرحمن دوم اپنے تمام پیشروؤں سے بڑھ گیا۔ عبدالرحمن ہی کے عہد سے ہسپانیہ میں اس تمدن کی بنیاد پڑی جسے صدیوں بعد یورپ نے اپنے ہاں رائج کیا۔

عبدالرحمن دوم کے تخت نشین ہوتے ہی لیون کے سردار انفانسو نے مدینہ صالحہ کے ضلع پر ہلہ بول دیا۔ دوسرے عیسائی قبائل نے بھی دیکھا دیکھی عربوں کی مملکت پر حملہ کر دیا، حملہ آوروں کو سزا دینے کے لئے عبدالرحمن نے فوج بھیجی حملہ آوروں کو شکست ہوئی، ان کے قلعوں اور میناروں کو زمین کے ساتھ ملا دیا گیا۔ لیون بھی تباہ و برباد ہو گیا۔ جب انہوں نے اطاعت قبول کر لی تو ان سے تاوان جنگ ادا کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ وہ جنگی قیدیوں کو رہا کر دیں، ہسپانوی قبائل کی شورش کو دیکھتے ہوئے فرانسیسیوں نے بھی فوجی نقل و حرکت شروع کر دی۔ انہوں نے کیتالونیا پر حملہ کر دیا۔ لیکن عربوں نے انہیں شکست دی اور انہیں سرحد کے پار بھگا دیا۔

عبدالرحمن دوم ہی کے عہد حکومت میں نارمنوں نے ہسپانیہ کے ساحلی شہروں پر حملے کئے انہوں نے کئی ایک شہروں کو لوٹا۔ لیکن جب قرطبہ کا بحری بیڑہ ان کے مقابلے پر آیا تو وہ بھاگ گئے۔ مرویہ کے عیسائیوں نے بھی کئی مرتبہ بغاوتیں کیں، لیکن انہیں ہر مرتبہ شکست ہوئی۔ ۸۳۷ء میں عیسائی اور یہودی قوم نے مل کر ایک بغاوت کی جسے عبدالرحمن نے دبا دیا۔

عبدالرحمن کی حکومت کے آخری دور میں قرطبہ کے عیسائیوں کی ایک پرجوش جماعت نے بغاوت کر دی۔ اس بغاوت نے آہستہ آہستہ خطرناک صورت اختیار کر لی۔ عربوں کی

حکومت کے طول و عرض اور قرطبہ میں عیسائیوں کو کسی قسم کی شکایت کا موقعہ نہیں دیا جاتا تھا۔ ہر لحاظ سے ان کی تسلی کر دی جاتی تھی۔ انہیں پوری پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ان مقدمات کو ان کے قانون ہی کے مطابق فیصلہ کیا جاتا تھا۔ عیسائیوں کو فوج اور سول کے بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا ہوا تھا، کئی ایک عرب جاگیرداروں نے اپنے نظم و نسق کے لئے عیسائیوں کی خدمات حاصل کی تھیں۔ عربی ادب کی چاشنی سے مسحور ہو کر عیسائیوں کے بڑے بڑے طبقوں نے عربی بولنا اور لکھنا سیکھ لیا تھا، عربی زبان اختیار کرنے کے ساتھ ہی انہوں نے عربوں کے رسم و رواج بھی اختیار کر لئے تھے اس قسم کے عرب زدہ عیسائیوں کو متعصب عیسائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، انہیں بے دین کہا جاتا تھا، وہ اس نفرت کو اور زیادہ تیز کرتے رہتے تھے۔ ان کے راہبوں نے مسلمانوں کے خلاف شدید قسم کے الزامات لگائے۔ جاہل اور متعصب عیسائیوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو غلط انداز میں پیش کرنا شروع کرنا۔ ان راہبوں نے مسلمانوں کے قرب سے اتنا فائدہ بھی اٹھانے کی کوشش نہ کی کہ وہ ان سے مل کر اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کر سکتے ان راہبوں کو صرف عربوں کے مذہب سے نفرت ہی نہیں تھی بلکہ وہ عربوں کی شائستگی اور ان کی تہذیب کے بھی دشمن تھے۔

عبدالرحمن دوم کے عہد حکومت میں عیسائیوں کا مذہبی جوش بہت زیادہ بڑھ چکا تھا۔ انہوں نے جتنی بندی کر کے لوٹ مار شروع کر دی تھی، انہوں نے اعلانیہ اسلام کی مخالفت شروع کر دی تھی، وہ نماز کے اوقات میں مسجدوں میں داخل ہو کر مسجدوں کی بے حرمتی کرتے اور آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے۔ اسلامی قانون میں اس قسم کے مجرموں کی سزا موت ہے۔ جب انہیں قاضی کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ پھر انہی باتوں کو دہراتے۔ اس پر انہیں عدالت کی طرف سے سزا دی جاتی۔ سزائے موت کی تائید کیلئے جب یہ فیصلہ کونسل آف شیٹ میں پہنچتا تو کونسل کے ارکان عیسائیوں سے اپنے الفاظ واپس لینے کی سفارش کرتے۔ لیکن اس درخواست کو بھی ٹھکرا دیا جاتا۔ اس کے بعد قانون انہیں قرار واقعی سزا دیتا۔

عبدالرحمن دوم نے اس صورتِ حالات کو ختم کرنے کے لئے عیسائی پادریوں کی ایک کانفرنس بلائی۔ اس کانفرنس میں چونکہ وہ خود شامل نہ ہو سکا۔ اس لئے اس نے کونسل آف شیٹ کے عیسائی ممبر کو اس کانفرنس میں اپنا ذاتی نمائندہ بنا کر بھیج دیا۔ اس کانفرنس میں پادریوں نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس کی رو سے عیسائیوں کو اسلامی تعلیمات کی بے حرمتی

کرنے سے روکا گیا لیکن اس پر بھی متعصب گروہ کے جوش و خروش میں کسی طرح کی کمی واقع نہ ہوئی۔ اس گروہ نے اپنے دینی پیشواؤں کے احکام کی بھی پرواہ نہ کی۔ کئی ایک متعصب اور تنگ نظر جامع مسجد میں داخل ہو کر مسلمانوں کی دل آزادی کرتے، مسلمانوں نے اس قسم کے لوگوں کو قتل کر دینا چاہا۔ لیکن قاضی نے مداخلت کر کے انہیں قانون کے سامنے پیش کرنے کا مشورہ دیا۔ قاضی کی مداخلت سے مسلمان خاموش ہو گئے۔

عبدالرحمن کی موت تک عیسائیوں کی شورش پسندی اور امن شکنی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ عبدالرحمن نے ۱۸۵۲ء میں وفات پائی۔

## تینتالیسواں باب

### بغاوتوں کا سلسلہ

عبدالرحمن دوم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔ ابن الاثیر کے الفاظ میں ”اس نے عدل و انصاف میں اپنے باپ کی پیروی کی۔ اس نے سب سے پہلے ہسپانیہ کی حکومت کے لئے آئین مرتب کئے اس نے اپنی فراخ دلی سے عوام کی حالت کو بہتر بنایا۔ نظم و نسق میں وہ ولید بن عبدالملک سے ملتا جلتا ہے“ عبدالرحمن دوم کی وفات کے فوراً بعد طلیطلہ میں پھر بغاوت ہو گئی یون کے سردار نے باغیوں کی امداد کے لئے ایک فوج بھیجی۔ محمد لیون اور طلیطلہ کی متحد فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل پڑا۔ وادی یطیہ میں مقابلہ ہوا۔ باغیوں کو اپنی تعداد پر بہت ناز تھا، اس لئے انہوں نے شاہی فوج پر حملہ کر دیا۔ لیکن شدید شکست کھائی۔ باغی فوج تباہ و برباد کر دی گئی اس بغاوت کے بعد حکومت اور باغیوں میں جو سمجھوتہ ہوا اس میں طلیطلہ کو بہت حد تک حکومت خود اختیاری مل گئی۔

اب قرطبہ کے باغیوں کی باری آئی۔ ناراض حکمران نے قرطبہ کے باغیوں کی سرکوبی کی۔ جن لوگوں نے اس بغاوت کا ساتھ دیا تھا، اور جنہوں نے سرحد پار کے قبیلوں سے ساز باز کی تھی انہیں موت کی سزا دی گئی۔ امیر کے اس اقدام سے قرطبہ سے بغاوت کے عناصر ایسے مٹے کہ تھوڑی مدت میں اس بغاوت کی دھندلی سی یاد باقی رہ گئی۔

۶۸۵۹ء نارمن ہسپانیہ کے ساحل پر پھر آدھکے۔ انہوں نے کئی ایک ساحلی شہروں میں لوٹ مار مچائی۔ ہسپانوی بیڑے نے ان کا تعاقب کیا، نارمنوں کو ایک شدید بحری شکست دی گئی۔ اس شکست میں نارمنوں کے بہت سے جہاز تباہ ہو گئے۔ اسی اثنا میں بلیتیہ لیون اور ناروے کے باغی خنزروں کی سرکوبی کی جاتی رہی، ۶۸۶۱ء میں ناروے کی راجدھانی پر قبضہ کر لیا گیا۔ چار سال بعد لیون کے حکمران نے غیر مشروط اطاعت قبول کر کے محمد سے سمجھوتہ کر لیا لیکن محمد کے عہد حکومت کے آخر میں ہسپانیہ کے کئی مقامات پر بغاوتیں پھوٹ نکلیں اور غون میں ایک ہسپانوی مسلمان نے بغاوت کر دی اور شاہی لقب اختیار کر لیا۔ مغرب میں ماروہ کے ایک باشندے ابن مروان نے لیون کے سردار کی امداد سے بغاوت کر دی۔ بہت جلد بوباسترد میں بھی ایک باغی پیدا ہو گیا۔ زندہ اور مالقہ کا درمیانی کوستان گوریلا لڑائیوں کے لئے ایک موزوں مقام چلا آتا تھا۔ مدتوں سے یہ علاقہ ڈاکوؤں اور رہزنیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا،

صدیوں بعد اس مقام پر نپولین کی فوجوں کا شدید مقابلہ کیا اور اس مقام پر سلطان کی فوج کے ایک سردار عمر بن حفصون نے اپنے ارد گرد بہت سے ڈاکو جمع کر کے ایک آزاد ریاست قائم کر لی۔ ان بغاوتوں کی دیکھا دیکھی ملک کے طول و عرض میں بغاوتوں کا سلسلہ پھوٹ نکلا۔ ان بغاوتوں میں عیسائی شہزادوں اور فرانس کے بادشاہ کا ہاتھ تھا۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ اتنے زبردست دباؤ کے باوجود ہسپانیہ میں عربوں کی حکومت ختم نہ ہو سکی ان مشکلات اور آزمائش کی گھڑیوں میں عربوں کا کامیاب ہو جانا ان کی برتری کا بہتری ثبوت ہے چونکہ بادشاہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے منذر کو باغیوں کی سرکوبی پر مامور کیا۔

سب سے پہلے منذر شمالی جانب بڑھا۔ اس نے سارا گوسا، روطہ، قرطاء جنہ اور ماروہ پر قبضہ کر لیا۔ عبدالرحمن روطی جو اپنے زمانہ کا بہادر انسان تھا قید کر لیا، موسیٰ کے بیٹے اسماعیل نے بھی اطاعت کر لی، ۸۷۱ھ میں منذر نے ابن مروان کے خلاف یلغار کی، اسے گرفتار کر لیا، اس کے قلعہ کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا گیا۔ عمر بن حفصون پہاڑوں کی طرف بھاگا۔ جونہی شاہی فوج واپس آئی۔ باغی پھر آدھمکے، ۸۸۶ء میں منذر نے روطہ کے خلاف پھر چڑھائی کی۔ اسے ایک مرتبہ پھر شکست ہوئی۔ اسی اثنا میں شہزادے کو بوڑھے بادشاہ کی وفات کی خبر ملی۔ منذر نے قرطبہ کا رخ کیا۔ عمرو نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی ایک قلعوں پر قبضہ کر لیا، ابن الاثیر کے الفاظ میں امیر محمد علوم و فنون کا سرپرست اور ایک عادل حکمران تھا۔ اس کا جانشین منذر دانائی اور بہادری کی صفات رکھتا تھا۔ اگر زندگی اسے مہلت دیتی تو وہ اپنی سلطنت کے گوشے گوشے میں امن قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ اس نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے فوجوں کی کمان خود سنبھال لی۔ عمر نے قلعہ بو بشیر پر قبضہ کر لیا۔ عمر نے اطاعت قبول کر لی۔ منذر نے اسے معاف کر دیا۔ لیکن تھوڑی مدت کے بعد اس نے پھر بغاوت کر دی۔

منذر نے صرف دو سال (۸۸۶ - ۸۸۸) حکومت کی لیکن اس کا عہد خوشحالی اور امن کا عہد تھا۔



## چوالیسواں باب

### عبداللہ

منذر کی وفات پر اس کا بھائی عبداللہ تخت پر بیٹھا۔ ابن الاثیر کے الفاظ میں اس کے عہد حکومت میں اندلس میں چاروں طرف بغاوت ہی بغاوت دکھائی دیتی تھی۔ عبداللہ نے نہایت ہی نازک دور میں عنانِ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ امیر عبداللہ کو نہ صرف ہسپانیہ کے کوہستانی قبیلوں کا مقابلہ تھا، بلکہ اسے عرب اشراف کا بھی سامنا تھا۔ عرب جاگیردار شاہیت کو کمزور ہوتا دیکھ کر اپنی اپنی جگہ آزاد ہونا چاہتے تھے۔ ملک کے ہر کونے میں بغاوت پھوٹ نکلی۔ اشبیلہ اور البیرہ کے اضلاع میں عربوں اور ہسپانیوں میں عام فسادات شروع ہو گئے۔ کئی ایک بربری سرداروں نے شاہی احکام ماننے سے انکار کر دیا۔

اسی اثنا میں عمرو نے ہر طرف اپنا اقتدار بڑھانا شروع کر دیا۔ اس نے قرطبہ پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی، عبداللہ نے اپنے باپ دادا کا تخت بچانے کا تہیہ کر لیا، ۸۹۱ء میں امیر عبداللہ کے جرنیل عبیداللہ نے عمرو کو شکست دی عبیداللہ کی اس کامیابی سے ہسپانیہ کی تاریخ بدل گئی۔ اس نے قرطبہ کے تخت کو بچا لیا۔ اس ایک فتح سے کئی شہروں نے عبداللہ کی اطاعت قبول کر لی، اپنے وزیر کے مشورے سے عبداللہ نے ایک باغی سردار ابن حجاج کے دل کو موہ لیا۔ ابن حجاج کا بیٹا عبداللہ کے پاس بطور برغمال پہنچا۔ اس کے وزیر بدر نے یہ مشورہ دیا کہ اسے اس کے باپ کے پاس بھیج دینا چاہیے، چنانچہ عبداللہ نے ابن حجاج کے بیٹے کو عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا۔ ابن حجاج اور امیر عبداللہ کے سمجھوتے نے حالات کو بدل دیا، دور دراز کے علاقوں میں امیر کا اقتدار تسلیم کیا جانے لگا۔ اسی اثنا میں امیر عبداللہ نے (۸۸۹ - ۹۱۲) میں وفات پائی

کوئی صاحبِ نظر مسافر لیگوریا کے ساحل ایلپس، یدمونت اور داننے میں عرب خدوخال کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ محض اتفاقی امر ہے یا کسی حادثہ کا نتیجہ؟ میں جس زمانہ (۸۸۹ء) کا ذکر کر رہا ہوں تب عرب ایک مرتبہ پھر جنوبی فرانس میں داخل ہو چکے تھے، اس مرتبہ وہ سپین تراپی کی راہ سے فرانس میں داخل ہو کر پرونس اور داننے میں پھیل گئے۔

یہ اقدام آزادانہ تھا، ہسپانیہ اور افریقہ کی بندرگاہوں سے چند تقدیر آزمائیں کر ان علاقوں

پر چھا گئے، ۱۵۰۶ء میں انہوں نے پدموت، گلوریا اور سوئٹزرلینڈ کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا۔ وہ سوئٹزرلینڈ میں جھیل کاف ستالنس تک پہنچے تھے۔ انہوں نے یہاں ایک نو آبادی قائم کر دی۔ فرانس میں انہوں نے فری جس ماریلز کو سویٹل اور نیس پر کافی مدت تک قبضہ رکھا۔ عربوں ہی کی نسبت سے نیس کے شہر کا ایک حصہ عربوں کا محلہ (کانٹن داسارازنز) کہلاتا ہے۔

## پستالیسواں باب

### عبدالرحمن الناصر

عبداللہ کی موت کے بعد اس کا پوتا عبدالرحمن الناصر تخت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر بائیس سال کی تھی۔ لیکن اس پر بھی اس کے رشتہ داروں نے جو عمر اور تجربہ میں اس سے بڑے تھے اس کے ہاتھ پر بیعت کی سلطنت کے لئے یہ ایک نیک فال تھی، ایک مؤرخ کے الفاظ میں ان سب کو عبدالرحمن میں اس عظمت کے نشان دکھائی دیتے تھے، جو سلطنت کے بچاؤ کے لئے ضروری تھے، عبدالرحمن نے ایک عام اعلان کے ذریعے ہسپانوی بربر اور عرب باغیوں کو معاف کرنے کا وعدہ کیا، بشرطیکہ وہ اپنے اپنے قلعوں اور شہروں کو اس کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ کئی ایک شہروں نے اپنے آپ کو عبدالرحمن کے حوالے کر دیا۔

اپریل ۹۱۳ء میں عبدالرحمن نے اپنی فوجوں کا معائنہ کیا جو ان بادشاہ کو اپنی صفوں میں دیکھ کر فوجیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ عبدالرحمن نے تین مہینوں میں البیرہ اور ٹرین کو مطیع کیا۔ باغیوں کے بڑے بڑے قلعوں پر قبضہ کر لیا گیا، تمام علاقے کو چوروں اور ڈاکوؤں سے بچالیا گیا۔ اسے سرائیواد کی بلندیوں پر بھی اتنی ہی کامیابی ہوئی جتنی اسے میدان میں ہوئی تھی جن باغی سرداروں نے اطاعت قبول نہ کی انہیں قتل کر دیا گیا۔ اشیلیہ کے حکمران محمد بن ابراہیم نے عبدالرحمن کی اطاعت قبول کر لی۔ اس پر اہل اشیلیہ نے پہلے تو احتجاج کیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد انہوں نے عبدالرحمن کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے

آہستہ آہستہ باغی سرداروں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ ایک عیسائی مورخ کے الفاظ میں جو عیسائی سردار اطاعت قبول کر لیتے تھے، ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔

عمر نے ۹۱۷ء میں وفات پائی۔ لیکن اس کی موت کے بعد بھی سیراسہ میں لڑائی جاری رہی۔ دس سال تک عبدالرحمن کو اس کو ہستانی علاقے میں سرگرمیاں جاری رکھنی پڑیں۔ ۹۲۸ء میں عبدالرحمن کو فوجوں نے بو بشر پر قبضہ کر لیا۔ کئی ایک دوسرے قلعوں پر بھی قبضہ ہو گیا۔ ان قلعوں کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا گیا۔ اس طرح عبدالرحمن کا سیراسہ پر مکمل قبضہ ہو گیا۔

جنوب میں بغاوت کے عناصر مٹائے جا چکے تھے۔ اب عبدالرحمن نے شمال اور مشرق

کی طرف توجہ کی۔ عبدالرحمن نے طلیطلہ کے باغیوں سے ایک وفد کے ذریعہ ہتھیار ڈالنے کو کہا، لیکن باغیوں نے لیون کے عیسائی سردار کی امداد پر بھروسہ کرتے ہوئے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ اب عبدالرحمن نے باغیوں کے خلاف فوجی کارروائی شروع کی۔ دو سال کے بعد اہل طلیطلہ نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔ ۶۹۳۲ء میں بغاوت کا ہر عنصر مٹایا جا چکا تھا۔ عبدالرحمن ہسپانیہ کا واحد حکمران تھا۔

عبدالرحمن نے اپنی سلطنت میں امن و امان قائم کرنے کے لئے اپنے دو دشمنوں کے ساتھ شدید مقابلہ کیا۔ شمالی ہسپانیہ کے عیسائی سردار اور افریقہ کے فاطمی ہسپانیہ پر آنکھ لگائے بیٹھے تھے۔ آٹھویں صدی کے وسط میں ہسپانیہ میں ایک شدید قحط پڑا تھا۔ جس کی وجہ سے بہت سے عرب ہسپانیہ چھوڑ کر افریقہ میں آباد ہو گئے تھے۔ اس نقل مکانی سے فائدہ اٹھانے کے لئے جلیستہ کے باغیوں نے الفانسو کو اپنا بادشاہ بنا لیا تھا۔ برابر کئی ایک شہروں سے نکل کر افریقہ چلے گئے تھے۔ الفانسو ان شہروں پر قبضہ تو نہ کر سکا لیکن اس نے ان مسلمانوں کو قتل کر دیا جو ان شہروں میں باقی رہ گئے تھے۔

الفانسو کے جانشینوں نے لیون کو اپنی راجدھانی بنا کر عربوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ نویں صدی کے وسط میں انہوں نے اپنی سرحدوں کو دور تک بڑھالیا تھا انہوں نے یہاں چار بڑے بڑے قلعے بنائے۔ ان قلعوں سے نکل کر وہ مسلمانوں کے شہروں کو لوٹتے اور وہاں کی مسلم آبادی کو قتل کرتے۔ لیون کے حکمرانوں نے ہسپانیہ پر اپنا تسلط جمانا چاہا۔ وہ جس شہر میں داخل ہوتے اسے ویران کر دیتے۔ اگر ان لوگوں کو اپنے ارادوں میں کامیابی ہو جاتی تو وہ مسلمانوں سے جو سلوک کرتے وہ ظاہر ہے۔ عبدالرحمن کے سامنے نہ صرف اپنی سلطنت بچانے کا سوال تھا بلکہ تہذیب کے بچاؤ کے لئے بھی اسے ان وحشیوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ چنانچہ عبدالرحمن ان سرداروں کی سرکوبی پر اتر آیا۔

عبدالرحمن کو مجبور کر دیا گیا تھا کہ وہ ان کے خلاف قدم اٹھائے۔ ۶۹۱۳ء میں لیونی فوج نے اس علاقے کو تباہ و برباد کر دیا۔ انہوں نے الالبیجی مردوں کو قتل کر کے عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا مال غنیمت سے لدے ہوئے ان ہسپانیوں نے دریائے دورو کو عبور کر لیا۔ اس زمانے میں عبدالرحمن افریقہ میں فاطمیوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے وزیر احمد کو ایک فوج دے کر ان کی سرکوبی کے لئے بھیج دیا۔ احمد نے دشمن کو شکست دی لیکن دوسرے معرکے میں عربوں کو بہت زیادہ نقصان اٹھا کر پسا ہونا پڑا۔ عربوں کی اس پسپائی سے آرونو اور اس کے ساتھی سانچو کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور طلیطلہ کے مقامات کی طرف بڑھ

رہے تھے کہ عبدالرحمن نے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے صاحب بدر کو بھیجا جولائی۔ ۶۹۱۸ میں بدر نے حملہ آوروں کو شکست دی۔ لیونیوں کو پوری طرح سے کچلنے کا فیصلہ کیا جون ۶۹۱۸ میں عبدالرحمن کی کمان میں عرب فوجوں نے آرونو کو شکست دے کر کئی ایک شہروں پر قبضہ کر لیا۔ لیونیوں کی نقل و حرکت کی دیکھ بھال کے لئے ایک دستہ مقرر کرنے کے بعد عبدالرحمن نوارے کی طرف متوجہ ہوا۔ نوارے کے سردار سانچو کو شکست دی اب سانچو نے اپنے بھائی کی مدد طلب کی جو لیون کا سردار تھا۔ دونوں فوجوں نے مل کر پانی ری نیز کی بلندیوں پر مورچے بنائے جہاں سے انہوں نے عربوں پر بڑے بڑے پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ عبدالرحمن نے کھلے میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ دوزی کے بیان کے مطابق ہسپانویوں نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ پہاڑی مورچوں سے اتر آئے۔ انہیں اپنی غلطی کی بہت سزا بھگتنی پڑی۔ انہیں شدید شکست ہوئی۔ ابنوارے کا سارا علاقہ عبدالرحمن کی فوجوں نے روند ڈالا۔

ایک سال بعد آرونو اور سانچو نے پھر عربوں کے شہروں پر حملہ کر کے ان کی بیشتر آبادی کو قتل کر دیا۔ اب پھر عبدالرحمن کو ان کے ظالمانہ افعال کی روک تھام کے لئے لڑائی کرنی پڑی۔ عبدالرحمن نے ایک مرتبہ پھر ان کے قلعوں کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا۔ شاہی فوج بغیر کسی مزاحمت کے سانچوں کی راجدھانی پانیسی ونا میں داخل ہو گئی۔ سانچوں کے قلعہ اور اس کے محل اور کئی دوسرے مکانوں کو گرا دیا گیا۔ اسی اثنا میں آرونو کے بیٹوں میں خانہ جنگی چھڑ گئی۔ اس خانہ جنگی نے انہیں بہت کمزور کر دیا ۶۹۲۹ تک عبدالرحمن نے اپنی سلطنت میں امن و امان قائم کر دیا تھا۔

اس وقت تک ہسپانیہ کے عرب حکمران اپنے آپ کو امیر یا سلطان کہلانے پر اکتفا کرتے تھے۔ انہوں نے امیر المؤمنین کا لقب اختیار نہیں کیا تھا۔ جب تک مکہ اور مدینہ پر عباسی خلیفوں کا اقتدار رہا ہسپانیہ کے اموی حکمرانوں نے انہیں حرمین الشریفین کا امین تسلیم کر لیا۔ اس زمانہ میں عباسی خلافت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ خلیفہ ارضی آل بوریہ کے سرداروں کا وظیفہ خوار بن چکا تھا۔ حرمین پر فاطمیوں کا قبضہ تھا۔ ان حالات کے پیش نظر عبدالرحمن نے ہسپانیہ میں اپنی علیحدہ خلافت قائم کر لی۔

چونکہ خلیفہ عبدالرحمن عرب جاگیرداروں کو ان کے باہمی اختلافات کی وجہ سے پسند نہیں کرتا تھا، اس لئے اس نے اقتدار کو آہستہ آہستہ غیر ملکوں کے سپرد کرنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ یورپ کے مختلف قوموں کے غلام تھے ان میں جرمن، فرانسیسی، ناری، اس کانڈے

ٹادی، روسی و غیرہم شامل تھے۔ وینس کے سوداگران غلاموں کو ان کے وطن سے خرید کر انہیں عربوں کے ہاتھ بیچ دیتے تھے۔ وہ اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی عربی زبان اور عرب تہذیب اختیار کر لیتے۔ عرب گھرانوں میں ان کے ساتھ اپنی ایسا سلوک کیا جاتا۔ بارہا ان کے سپرد بہت زیادہ اہم کام کئے جاتے۔ عبدالرحمن الناصر نے اپنے اردگرد اس قسم کے ہزاروں غیر ملکی جمع کرائے تھے۔ ان یورپی مملوکوں کا فوجی دستہ الناصر کا منظور نظر تھا۔ الناصر کے اس طرز عمل سے عرب سردار اس سے دور دور ہتے چلے گئے۔

۶۹۳۹ء میں جلیقیہ اور بامک میں بغاوت ہو گئی۔ اس موقع پر عبدالرحمن الناصر نے اپنے ایک سنبلی مملوک نجد کو کمانڈر بنا کر بھیجا تاکہ وہ باغیوں کی سرکوبی کرے۔ اس موقع پر عرب سرداروں نے عہد کیا کہ وہ سنبلی کا ساتھ عین موقع پر چھوڑ دیں گے۔ الناصر کی اس پالیسی اور عرب سرداروں کی عداوت سے الناصر کو جو نقصان پہنچا اسے مختلف مورخوں نے اپنے اپنے طور پر بیان کیا ہے۔

مسعودی اور مقری کہتے ہیں کہ عرب فوج بغیر کسی مزاحمت کے زمورا تک پہنچ گئی۔ عرب فوج نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس شہر کے اردگرد کئی ایک دیواریں تھیں۔ شہر کی درمیانی فصیل کے باہر ایک خندق تھی جو ہمیشہ پانی سے بھری رہتی تھی۔ عرب سپاہی بیرونی فصیلوں کو پار کر کے جب آگے بڑھتے تو سامنے خندق تھی فصیل پر سے تیروں اور نیزوں کی بارش شروع ہو گئی۔ عرب سپاہیوں کے اس دستہ کو واپس ہونا پڑا، اس دوران میں عرب فوج کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا۔

کوندلے نے بھی اس لڑائی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے:-

اس مزاحمت کے باوجود عربوں نے حملہ جاری رکھا وہ فصیل کی دراڑ میں سے شہر کے اندر داخل ہوتے چلے گئے۔ انہوں نے اپنی ساتھیوں کی لاشوں پر خندق کو پار کیا۔ عربوں کے خندق پار کرتے ہی زمورا کی فوج بھاگ نکلی۔ ہسپانیہ کی تاریخ میں یہ لڑائی خندق کی لڑائی کہلاتی ہے۔

دوڑی اس لڑائی کو مختلف رنگ میں پیش کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ:-

عرب فوج پر خندق نامی گاؤں کے قریب حملہ کیا گیا تھا۔ عرب فوج بھاگ نکلی تو لیون اور زبرہ کی فوج خلیفہ کی فوج کے عقب تک پہنچ گئی۔ جلیقی بڑی بہادری سے لڑے لیکن وہ سب کے سب مارے گئے۔

زمورا کی دیواروں تلے جو فوجی نقصان ہوا تھا اس سے خلیفہ کی ہمت پر کوئی اثر نہ پڑا۔

اس نے ایک اور فوج . صیجی جس نے باغیوں کی سرکوبی کی ۔ نومبر ۹۳۰ء میں راہیری کی فوج کو شدید شکست دی گئی۔ باغی قبیلوں کے خلاف مہموں کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ انہوں نے ہتھیار نہیں ڈال دیئے۔

۹۵۵ء میں راہیری کے بیٹے آرونو سوم نے صلح کی درخواست کی۔ فریقین نے باعزت شرطوں پر سمجھوتہ کر لیا۔ خلیفہ کے سردار نے وعدہ کیا کہ وہ خلیفہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرے گا۔ اور یہ کہ وہ قرطبہ کی سرحدوں پر اپنے تمام قلعوں کو گرا دے گا۔ نیز وہ آئندہ مسلمانوں کی مملکت پر بھی کبھی حملہ نہیں کرے گا۔ خلیفہ عبدالرحمن نے اس معاہدے میں اس بات کا یقین دلایا تھا کہ وہ بنزہ اور لیون کی آزادی کا احترام کرے گا۔ اور صرف ان کے خراج پر اکتفا کرے گا۔

اس معاہدے کی رو سے مسلمانوں کی سلطنت کی سرحدیں ابرو تک وسیع ہو گئیں اس طرح ابرو سے بحر اوقیانوس کے ساحلوں تک الناصر کی سلطنت پھیل گئی۔ جب عبدالرحمن الناصر سرحدی قبیلوں سے لڑ رہا تھا تو اسی اثنا میں اسے افریقہ میں بھی لڑنا پڑا۔ بارتیانہ میں مہدی کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کے لیے عبدالرحمن ۹۱۷ء سے کوشاں تھا۔ اس نے مغربی افریقہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ ابتدا میں خلیفہ کو کامیابی ہوئی۔ لیکن جب اس کی فوج کو ہسپانیہ کے عیسائی قبیلوں سے لڑنا پڑا۔ تو پھر اس محاذ پر خلیفہ زیادہ توجہ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ فاطمی خلیفہ کا قبضہ ہو گیا۔ آرونو سوم سے صلح کرنے کے بعد انتھک خلیفہ نے اپنی ساری کوشش افریقہ کی طرف مبذول کر دی۔ آرونو کی موت کے سبب ہسپانوی خلیفہ فاطمی سلطنت پر حملہ نہ کر سکا۔ کیونکہ آرونو کے جانشین سانچو نے معاہدے کی شرطیں ماننے سے انکار کر دیا۔ اب خلیفہ نے اپنی فوجوں کو افریقہ جانے سے روک لیا۔ ان فوجوں کو سانچو کے خلاف لڑنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ جولائی ۹۵۷ء میں خلیفہ عبدالرحمن کے جرنیل اور ظلیلہ کے حکمران احمد نے بلیقیہ اور لیون کی فوجوں کو شکست دی۔

تھوڑی مدت بعد سانچو کو قبائلی سرداروں نے حکومت سے علیحدہ کر دیا۔ سانچو بھاگ کر اپنی دادی تھیڈا کے پاس یاچیلونا پہنچ گیا۔ اہل لیون نے اس کے بھائی آرونو کو اپنا سردار یا بوشاہ بنا لیا۔ چونکہ تھیوڈا اپنے پوتے کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی، اس لئے اس نے خلیفہ سے امداد چاہی۔ قرطبہ میں تھیوڈا اور سانچو کا شاہی استقبال کیا گیا۔ خلیفہ نے سانچو کے ہمراہ ایک عرب فوج بھیج دی۔ اس فوج نے غائب کو شکست دی۔ سانچو کے اقتدار کو پھر بحال کر دیا گیا۔ لیون، کشتالہ، بلیقیہ اور بنزہ اب خلیفہ کی اطاعت میں آگئے تھے۔

اس شاندار کامیابی کے بعد خلیفہ عبدالرحمن صرف دو سال تک زندہ رہا۔ اس نے ۶ اکتوبر ۹۶۱ء میں ۳۷ سال کی عمر میں پچاس سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔

عبدالرحمن الناصر بلا شک و شبہ ہسپانیہ کے تمام اموی حکمرانوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کو خانہ جنگی اور بغاوت میں گھرا ہوا پایا۔ چاروں طرف مشکلات کے باوجود اس نے اندلس کو بچالیا اور نہ صرف اسے بچایا بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور بڑا بنا دیا۔ اس کی سلطنت کے طول و عرض میں امن و امان قائم تھا۔ پولیس کا انتظام اتنا اچھا تھا کہ ایک پردہ سی اور تاجر بغیر کسی ڈر کے دشوار گزار راستوں میں جاسکتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں اجناس بہت سستی تھیں۔ کسان تک نہایت نفیس کپڑے پہنتے تھے۔ غریب لوگوں کو بھی گھوڑے کی سواری کا شوق تھا۔ کھیت سرسبز اور شاداب تھی۔ اس کے عہد میں کھیتی باڑی نے بہت زیادہ ترقی کی۔ آب پاشی کے لئے اس نے نہریں جاری کیں تجارت، صنعت اور علوم و فنون نے بہت ترقی کی۔ قرطبہ المدینہ اور اشبیلیہ اپنی مصنوعات کے لئے بہت مشہور تھے۔ ان کی وجہ سے ہسپانیہ ایک دولت مند ملک بن گیا۔ ملک میں تجارت کا اتنا زور ہو گیا تھا کہ محصول جنگی کی آمدنی کو سلطنت کے خزانہ میں بہت بڑا درجہ حاصل تھا۔ الناصر کے عہد میں محصول جنگی کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ الناصر کی فوج بہت مضبوط تھی۔ دوزی کے الفاظ میں اس کی فوج اپنے زمانے میں سب سے اچھی تھی۔ اس کا بحری بیڑہ بھی بہت مضبوط تھا۔ اسی بیڑے کی مدد سے اس نے بحیرہ روم پر برتری حاصل کرنے کے لئے فاطمی حکمرانوں سے لڑائی کی۔ یورپ کے بڑے بڑے بادشاہ اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں اور جرمنی، فرانس اور اٹلی کے بادشاہوں کے سفیر اس کے دربار میں موجود تھے۔ اس کامیاب عہد کا سہرا عبدالرحمن الناصر کے سر ہے۔ ایک مؤرخ کے الفاظ میں اس کے عہد کے نظم و نسق کو دیکھنے اور اس عہد میں مذہبی رواداری کے پیش نظر عبدالرحمن الناصر جدید زمانے کا حکمران دکھائی دیتا ہے۔



## چھیا لیسواں باب

### حکم دوم

عبدالرحمن سوم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا حکم تخت نشین ہوا۔ حکم دوم نے اپنے باپ کی وفات سے تھوڑی مدت پہلے حکومت کے نظم و نسق میں بہت زیادہ حصہ لیتا شروع کر دیا تھا۔ اس کے عدل و انصاف اور اس کی قابلیت کا چرچا دور دور تک پھیل گیا تھا۔

عبدالرحمن سوم کی موت کے بعد لیون اور بنہ کے سرداروں نے پچھلے تمام معاہدوں کو فراموش کرتے ہوئے عرب اقتدار کو ختم کرنے کے منصوبے باندھ لئے۔ ان کا خیال تھا کہ حکم چونکہ زیادہ علمی انسان ہے اس لئے وہ لڑائی میں کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا۔ سانچو اور گارشیا نے بھی مخالفانہ رویہ اختیار کر لیا۔ اس اثنا میں قشتالہ کے کاؤنٹ فروینسڈ کو ترائے نے بھی حملے شروع کر دیئے۔ ان سرداروں کو بہت جلد یہ معلوم ہو گیا۔ کہ نئے حکمران میں کتنی قوت ہے۔ کیونکہ ابتدائی معرکوں ہی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ ایک عالم ایک بہادر سپاہی بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ کتاب پڑھنے والا تلوار بھی اٹھا سکتا ہے۔ کونزائے کے خلاف جو مہم بھیجی گئی تھی اس کی کمان حکم نے خود کی۔ باغی سردار شکست کھا کر سرحد پار بھاگ گیا۔ اس مہم سے واپس آنے کے بعد حکم نے آردونو سے ملاقات کی۔ حکم نے اس سردار کا خیر مقدم کیا۔ حکم اور آردونو کا معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے آردونو مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ پرامن رہے گا۔ اس نے اپنے بیٹے گارشیا کو یرغمال کے طور پر حکم کے پاس چھوڑ دیا۔ آردونو نے یہ وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی کونزائے کا ساتھ نہیں دے گا۔

اس معاہدے کے بعد حکم نے ایک جرنیل غالب کو ایک فوج دے کر بھیجا تاکہ وہ سانچو کو لیون اور جلیقیہ سے نکال کر آردونو کو وہاں کا سردار مقرر کرے حکم کی ان فوجی تیاریوں سے سانچو ڈر گیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ معاہدے کی دفعات پر پورا پورا عمل کرے گا۔ چند ماہ بعد آردونو کے مرجانے پر سانچو نے پھر وہی پرانا طرز عمل اختیار کر لیا۔ غالب نے سانچو کو شکست دی اور لیون کے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ حکم اگرچہ جنگ و جدل کو زیادہ پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس پر بھی اس نے اپنے تمام دشمنوں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ خلیفہ سے سمجھوتہ کریں۔

۹۳۳ء میں لیون کے سردار سانچو نے اطاعت قبول کی تھوڑی مدت بعد قلابیہ باریل

اور منیرہ کے سرداروں نے بھی وعدہ کیا کہ وہ ان تمام قلعوں کو مسمار کر دیں گے جہاں سے نکل کر مسلمانوں کی مملکت پر حملے کئے جاتے ہیں۔ بارک کے سردار گارشیا نے بھی اپنے ایلچی بھیج کر خلیفہ سے صلح کی درخواست کی، اس اثنا میں ایک طاقتور سردار مرزک کی ماں نے خلیفہ سے ملاقات کی تاکہ خلیفہ اس کے بیٹے کو معاف کر دے۔ خلیفہ نے اس فوجی سردار کی ماں کا بہت زیادہ احترام کیا اور اس کی درخواست منظور کر کے اسے بہت سے تحائف دے کر قرطبہ سے رخصت کیا۔ ۶۹۷۰ء میں قشتالہ کے سردار کی موت کے بعد اس علاقہ میں امن قائم ہو گیا۔

دو سال بعد حکم نے فاطمی فتوحات کی روک تھام کے لئے مارتانیہ میں ایک فوج بھیجی۔ حکم کے جرنیل غالب کو مغربی افریقہ میں کامیابی ہوئی۔ کئی ایک بربر قبیلوں نے قاہرہ کے خلیفہ کی اطاعت سے ہاتھ اٹھا کر حکم کے نام کا خطبہ پڑھنا شروع کر دیا۔ بہت سے سرحدی شہزادے جو ایک مدت سے فاس میں آباد تھے۔ ہسپانیہ چلے گئے۔ جہاں خلیفہ نے ان کی آؤ بھگت کی۔ لیونیوں کو پہلے ریف میں لایا گیا۔ اور پھر انہیں قرطبہ پہنچا دیا گیا۔ تھوڑی مدت بعد ان میں سے کئی ایک کو اسکندریہ میں جلا وطن کر دیا گیا۔

ابن خلدون کے الفاظ میں حکم کو علوم و فنون سے زیادہ انس تھا۔ اس نے اپنے زمانے کے عالموں اور فاضلوں کی سرپرستی کی۔ اسے کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے آباؤ اجداد بھی علوم و فنون کے سرپرست تھے۔ اور انہوں نے بھی بڑے بڑے کتب خانے قائم کئے تھے۔ لیکن کتابیں جمع کرنے میں حکم ان سب سے آگے تھا۔ شاہی کتب خانے کی دیکھ بھال کے لئے ایک خاص افسر مامور تھا۔ اس کتب خانہ کی کتابوں کی فہرست چار جلدوں میں تھی۔ حکم نے ہسپانیہ کو کتابوں کی بہت بڑی منڈی بنا دیا تھا۔ جہاں ہر ملک کی کتابیں فروخت ہوتی تھیں۔ حکم نے کتابیں جمع کرنے کے لئے اپنے ایجنٹوں کو دور دور تک بھیجا۔ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب عراق شائع کرانے سے پہلے حکم کے پاس بھیج دی تھی۔ قرطبہ کے خلیفہ نے اسے ایک ہزار دینار بھیج دیئے۔

حکم کے شاہی محل میں کتابت کا ایک بہت بڑا ادارہ تھا۔ جہاں ماہرین کی ایک جماعت کتابت اور تجلید میں مصروف رہتی تھی۔ حکم کو صرف کتابیں جمع کرنے کا شوق ہی نہیں تھا بلکہ وہ کثرت سے مطالعہ کرتا اور کتابوں پر حواشی لکھتا۔ اس نے ہسپانوی اور غیر ملکی فاضلوں کی بہت سرپرستی کی۔ ان فلسفیوں کی حفاظت کی جنہیں تنگ نظر لوگ ستاتے رہتے۔ اس کے عہد حکومت میں علوم و فنون کی تمام شاخوں نے خوب ترقی کی۔ اس کے پیشواؤں نے

ہسپانیہ میں ابتدائی اسکولوں کا ایک سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ ہسپانیہ میں قریباً ہر شخص لکھ پڑھ سکتا تھا۔ لیکن نصرانی یورپ میں سوائے پادریوں کے بڑے بڑے عہدے دار تک لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

اس نے تعلیم عام کرنے کے لئے قرطبہ میں ستائیس اسکول ایسے جاری کئے جہاں غریب بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ ان طالب علموں کو کتابیں بھی مہیا کی جاتی تھیں۔ قرطبہ کی یونیورسٹی قاہرہ کی ازہر اور بغداد کی نظامیہ کے ہم پلہ تھی۔

اس نیک حکمران نے پہلی اکتوبر ۹۷۶ء کو وفات پائی۔ اس کی وفات کے ساتھ ہی ہسپانیہ میں امویوں کی شان و شوکت ختم ہو گئی۔

قرطبہ وادی الکبیر کے دائیں کنارے پر ایک پہاڑ کے دامن میں واقع ہے عرب حکمرانوں نے باری باری سے اس شہر کی رونق بڑھائی۔ عبدالرحمن نے اس شہر میں آب رسانی کے لئے ایک بند بنوایا۔ اس کے جانشینوں نے کئی ایک بند بنوائے۔ یہاں تک کہ قرطبہ کی آب رسانی تمام شہروں سے بہتر ہو گئی۔ پانی نلوں کے ذریعے شہر میں لایا جاتا تھا۔ شہر میں ہر طرف سبز ہی سبز دکھائی دیتا تھا۔

شہر میں فواروں کی کثرت تھی۔ ۹۴۰ء میں عبدالرحمن سوم نے ایک بہت بڑا بند بنوایا۔ اس نے قرطبہ میں مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔ اسے اس کے بیٹے نے مکمل کیا تھا۔ قرطبہ کے حکمرانوں نے ہسپانیہ کے طول و عرض میں مسجدوں، مکتبوں اور رسالوں، عمارتوں، پلوں اور قلعوں کا ایک وسیع سلسلہ قائم کیا جس کی عظمت کا اندازہ ایک مؤرخ کے الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے۔ ”ایک شخص رات کے وقت لیمپوں کی روشنی میں دس میل تک جاسکتا تھا۔“ ایک دوسرا مؤرخ لکھتا ہے کہ ”یہ شہر چوبیس میل لمبا اور چھ میل چوڑا تھا۔ وادی الکبیر کے دونوں کناروں پر عالی شان محل کھڑے تھے شہر کے مضافات میں ستائیس پارونق چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔ شہر کے ہر حصہ کے لئے الگ الگ سیرگاہیں تھیں۔ قرطبہ کی جامع مسجد کی خوب صورتی میں عبدالرحمن سوم نے مزید اضافہ کیا تھا۔ قرطبہ میں ہر کھاتے پیتے شخص کو کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔“

قرطبہ سے چار میل دور عبدالرحمن سوم نے الزہرا کے نام سے ایک بہت ہی خوب صورت محل بنایا تھا۔ یہ سارا محل سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ اس محل کے مشرقی ہال کو تصویروں سے سجایا گیا تھا۔ اس کے فواروں پر مختلف قسم کے جانوروں کے مجسمے بنے ہوئے تھے جن کے منہ سے پانی نکلتا رہتا تھا۔ شاہی محل کے باغات میں دنیا کے چرند پرند جمع تھے۔ دیوان

عام خوب صورتی اور سجاوٹ میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا۔ درمیانی دروازے کے اوپر اس ملکہ کا مجسمہ نصب تھا جس کے نام پر یہ شہر اور محل منسوب کئے گئے تھے۔ شاہی محل کے اطراف میں امیروں کبیروں کے بہت سے محل تھے۔

قرطبہ کے زمانہ عروج میں وہاں تین ہزار آٹھ سو مسجدیں، ساٹھ ہزار محل، دو لاکھ مکان، سات سو حمام اور اسی ہزار دکانیں تھیں۔ قرطبہ شان و شوکت میں بغداد سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اس شہر کی شہرت جرمنی کے اندرونی علاقے تک جا پہنچی تھی ایک سکین رہبرنے اسے ”آسائش عالم“ کا نام دیا تھا۔ قرطبہ کے زمانہ عروج میں اس کی آبادی دس لاکھ تھی۔

قرطبہ نہ صرف علوم و فنون اور صنعت و حرفت کا مرکز تھا۔ بلکہ یہ پہلا مقام ہے جہاں شوری پیدا ہوئی۔ شوری عربوں کی سیرت کا ایک جزو ہے۔ لیکن شوری کے ضوابط قواعد اور آداب جو آگے چل کر غرناطہ میں عروج تک پہنچے، ان کی بنیاد قرطبہ میں ہی الناصر اور اس کے جانشین حکم کے عہد میں ہی رکھی گئی تھی۔ اسی عہد کی شوری میں عورتوں کے احترام کا دستور مرتب تھا۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے۔ کہ زمانہ مابعد میں یورپ کے ملکوں میں جس شوری کا چرچا ہوا وہ الناصر حکم اور منصور کے عہد میں ترقی کر چکی تھی۔ قرطبہ ہی میں غیر ملکی بہادر عربی شہسواروں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے پوری حفاظت کے ساتھ پہنچائے جاتے۔ اپنی محبوبہ کا نام چلا چلا کر لینے کے دن بیت گئے تھے۔ اب شوری کا مظاہرہ کرنے والے بہادر اپنی محبوبہ کی محبت کا نشان بازو یا خود پر لٹکا کر لیتے۔ اس قسم کے ٹورنامنٹ اور مقابلے قرطبہ میں عام تھے۔ ان مقابلوں کو دیکھنے کے لئے عرب خواتین بھی موجود ہوتی تھیں۔

## سینا لیسواں باب

### ہشام دوم

حکم کی موت کے بعد اس کا بیٹا ہشام جس کی عمر گیارہ سال تھی، تخت پر بیٹھا۔ حکم نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے ہشام کو اپنا ولی عہد مقرر کرنے اور اس کی تخت نشینی کے لیے آسائیاں پیدا کرنے کے لئے اپنی مملکت کے بڑے بڑے سرداروں کو جمع کر کے ان سے ہشام کے حق میں حلف و فاداری لیا تھا۔ حکم نے بستر مرگ پر اپنے بیٹے کی نگرانی اپنے حاجب اور اپنے وزیر محمد بن ابی عامر کے سپرد کی تھی۔ وہ اس یقین کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوا کہ ان دو امیروں اور ملکہ صبح کی نگرانی میں اس کا بیٹا پُر امن حالات میں تخت نشین ہو جائے گا۔ حکم کی موت کے بعد ہشام کی خلافت کا اعلان کرویا گیا، مرحوم خلیفہ نے اپنے وزیر محمد بن ابی عامر کے دستوں کا غلط اندازہ لگایا تھا، اس نے بہت جلد پرانے حاجب کو الگ کر دیا۔ اس نے تمام سرداروں کو بھی راہ سے ہٹا دیا، جو اس کے عروج میں حائل تھے، اس نے کئی صوبوں کے گورنروں کو قتل کروا دیا، اس طرح جب سلطنت کے بڑے بڑے عہدیدار مٹ گئے تو محمد بن ابی عامر نے سلطنت کے تمام کاروبار پر قبضہ کر لیا۔ اس نے خلیفہ کو محل میں مقید کر دیا۔ سلطنت کے کسی افسر کو خلیفہ سے ملاقات کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وزارت پر پوری طرح سے قبضہ کرنے کے بعد محمد بن ابی عامر نے حاجب المنصور کی کا لقب اختیار کیا اور اپنے لئے ایک عالی شان محل بنوایا۔ سکوں پر اس کا نام کندہ ہونے لگا۔ ہر فرمان پر اس کے دستخط ہونے لگے۔ خطبہ میں اس کا نام بھی لیا جانے لگا۔ سلطنت کے بڑے بڑے آدمیوں سے رہائی پانے کے بعد اس نے فوج کی طرف توجہ کی عربوں کو فوج سے نکال کر ان کی جگہ بربروں کو بھرتی کیا۔ کیونکہ اسے ان پر زیادہ اعتماد تھا۔ ابن خلدون کے الفاظ میں اس نے عربوں کو دوسرے درجے کی حیثیت دے دی۔ ابن خلدون کے الفاظ میں

”اس نے باون مہموں میں حصہ لیا۔ کسی ایک مہم میں بھی اس کی فوج کو شکست نہیں ہوئی۔ ان تمام مہموں میں اس کا پھریرا سر بلند ہی رہا!“

حکم کی موت کے بعد اہل جلیقیہ نے پھر بغاوت کی المنصور نے بڑی ہمت اور بہادری سے لیون اور نبرہ کو اپنا باجگذار بنایا اور ان علاقوں میں اپنے فوجی کتے مقرر کئے۔ اب اس نے قلابیہ کی طرف توجہ کی۔ اس نے برشلونہ کو تباہ و برباد کر دیا اور وہاں سے فرانسیسی

سرداروں کو نکال دیا۔ ایک دفعہ پھر سلطنت کی حدود پری نیز سے آگے نکل گئیں۔

مغربی افریقہ میں بھی اس کی فوجوں کو بہت زیادہ کامیابی ہوئی ۹۹۱ء میں ابی عامر نے چاہا کہ حاجب کے عہدے کو موروثی بنا دے۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اپنے مہل اور محسن کے بیٹے کو تخت سے اتار کر آئینی حکمران بن سکتا تھا لیکن وہ قوم سے بہت زیادہ خائف تھا۔ ہو سکتا تھا کہ عرب امراء اور حکمران خاندان کی تبدیلی کو اپنے لئے بہتر سمجھتے، لیکن ہسپانوی آبادی کے خیالات برعکس تھے۔

مذہبی خیالات کی طرح شاہی خاندان سے وفاداری ان کی زندگی کا ایک حصہ بن چکی تھی۔ منصور نے اگرچہ ملک کو خوشحال اور پرامن بنا دیا تھا۔ لیکن ہسپانوی اس پر بھی اسے خلیفہ کو قید کرنے والا سمجھ کر اس سے نفرت کرتے تھے۔

ان باتوں کو اچھی طرح سے جانتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے عبدالملک کو وزارت میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس مقصد سے اس نے خلیفہ سے بھی ایک برائے نام فرمان حاصل کر لیا تھا۔ ۹۹۶ء میں اس نے سید اور ملک کریم کے القاب اختیار کر لئے تھے۔

یہ مشہور و معروف انسان ۱۰۰۲ء میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔ شمالی ہسپانیہ کے عیسائی صاحب المنصور کے نام سے کانپتے تھے۔ اس کی فوجی قابلیت نے اسے اپنی فوج کا محبوب بنا دیا تھا۔ اس نے ہسپانیہ کی فوج کو بہت زیادہ طاقتور بنا دیا تھا۔ وہ علوم و فنون کا دلدادہ تھا۔ اس کے عہد میں زراعت اور صنعت نے بہت زیادہ ترقی کر لی تھی۔ رینو کے الفاظ میں ”مسلم ہسپانیہ کی ترقی اپنے کمال تک پہنچ چکی تھی۔ المنصور نے عالموں اور فاضلوں کی بہت قدر کی۔ اس بات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے جائز و ناجائز وسائل اختیار کئے تھے۔ لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے اختیارات کو نرمی سے برتا۔ اس کا عدل و انصاف ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر تھا۔

المنصور کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک الخنفر کے لقب سے حاجب تھا۔ اس نے امور سلطنت میں اپنے باپ کی پیروی کی اس نے کئی ایک عیسائی قبیلوں کو شکست دی۔ اس کے عہد میں فارغ البالی میں مزید اضافہ ہوا۔ ایک پرانے منصف کے الفاظ میں ”وہ بڑے مزے کے دن تھے۔“

ان تمام باتوں کے باوجود بنو عامر لوگوں کے دل میں جگہ نہ پاسکے، اگر وہ حکمرانوں کے نام پر حکومت کرنے پر ہی اکتفا کرتے، تو اس صورت میں ان حاجیوں کا اقتدار کافی مدت تک قائم رہتا۔ لیکن ان کی حد سے بڑھی ہوئی خواہشات نے انہیں ملک میں بہت زیادہ مقبول نہ

ہونے دیا۔ انہوں نے بہت جلد تخت پر قابض ہونا چاہا۔ اس طرح انہوں نے شہزادوں اور اموی قبیلے کو اپنا دشمن بنا لیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو قسیوں اور عوام سے الگ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی الناصر کے عہد کے بعد کے واقعات نے جزیرہ نمائے ہسپانیہ میں انقلاب کی راہ پیدا کر دی تھی۔ قدیم عرب سوسائٹی ختم ہو چکی تھی۔ مختلف اقوام کے اتحاد کے لئے جو سرگرمیاں کی گئی تھیں ان کی وجہ سے قدیم عرب اشراف ختم ہو گئے اور آہستہ آہستہ پرانے تاریخی نام بھی باقی نہ رہے۔ درباریوں کا اس تبدیلی پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ان کے اثر و رسوخ اور ان کی دولت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ لیکن اس دور میں سب سے زیادہ اقتدار بربری اور سقلی جرنیلوں کو حاصل تھا، حاجب المنصور کے عہد میں انہوں نے بہت ترقی کی تھی۔ ہسپانیہ کی مادی ترقی نے وہاں کی سوسائٹی میں ایک نئے مجلس عنصر کو پیدا کر دیا تھا۔ یعنی درمیانہ طبقہ ملک کے عمومی حالات میں اب تاجروں۔ سوداگروں اور صنعتی جماعتوں نے نمایاں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ لیکن ان نئے حالات نے نئی مشکلات پیدا کر دی تھیں، دولت کی فراوانی اور نئے طبقوں کے پیدا ہوجانے کے سبب طبقاتی کش مکش شروع ہو گئی۔ اس زمانہ کی ہسپانوی تاریخ میں ان تمام مشکلات کو دیکھا جاسکتا ہے جو موجودہ زمانہ کے مدبروں کو درپیش ہیں۔ سول اور فوجی حکام کی باہمی رقابت، آقاؤں کے خلاف مزدوروں کی نفرت، سماج کے بڑے طبقوں کے خلاف عوام کے جذبات!

راجدھانی کے مجلسی حالات ایسی صورت اختیار کر چکے تھے کہ وہاں معمولی گڑبڑ سے امیروں اور غریبوں میں تصادم پیدا ہو جاتا۔

”قرطبہ میں بہت سے کارخانے تھے جس میں ہزاروں مزدور کام کرتے تھے، یہ مزدور ہر لمحہ کسی ایسے فساد کے منظر رہتے تھے جس کی بدولت انہیں امیروں کو لوٹنے کا موقع مل سکے۔ لیکن دولت مند طبقہ بنو عامر کی مخالفت میں ان خطرات کو بھول چکا تھا۔“

حاجب الظفر کی موت (۶۰۸ء) کے بعد ہسپانیہ پر مصیبت نازل ہو گئی۔ بنو عامر خود تہاہ ہوئے لیکن ان کی تباہی کے ساتھ ہسپانیہ کی سلطنت بھی تباہ و برباد ہو گئی۔

حاجب الظفر کی موت کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمن سنچول اس کا جانشین ہوا۔ عوام اس کی بد اخلاقی کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے تھے۔ لیکن اس پر بھی اس نے خلافت پر قبضہ کرنا چاہا۔ اس نے ہشام دوم کو مجبور کر دیا کہ وہ اسے اپنا جانشین نامزد کرے۔ اس کے اس طرز عمل کے سبب قرطبہ کے لوگوں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ جب سنچول ایک بغاوت فرد کرنے کے لئے شمال کی طرف گیا، تو قرطبہ میں بغاوت ہو گئی۔ اس بغاوت کا راہنما اموی

شہزادہ محمد تھا۔ بنو عامر کے محل کو لوٹ کر اسے آگ لگادی گئی۔ ہشام نے محمد کے حق میں تخت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ محمد نے المہدی کا لقب اختیار کیا۔

محمد المہدی نے عبدالرحمن سنچول کو شہری حقوق سے محروم کر کے اس کے لئے سزائے موت کا اعلان کر دیا۔ قرطبہ کا یہ جوش و خروش دوسرے شہروں تک بھی جا پہنچا۔ بہت تھوڑی مدت میں مہدی کے جھنڈے تلے بہت بڑی فوج جمع ہو گئی۔ انقلابِ فرانس کے زمانہ کی فوجوں کی طرح اس بڑی فوج کے افسر درمیانے طبقے کے لوگ تھے۔ مہدی کی اس عوامی تحریک نے آگے چل کر ہسپانیہ میں اموی اقتدار کو ختم کر دیا۔ سنچول گرفتار ہو کر مارا گیا۔

نیا خلیفہ زیادہ دیر تک حکومت نہ کر سکا۔ اس نے اپنے طرزِ عمل سے بہت سی سیاسی جماعتوں کی ہمدردی کھو دی۔ بربروں نے تخت کے لئے اپنا امیدوار کھڑا کر دیا۔ یہ نیا امیدوار سلیمان ایک اموی شہزادہ تھا۔ اب قرطبہ میں فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان فسادات میں دونوں جماعتوں کی طرف سے بڑے بڑے ظلم کئے جاتے۔ مہدی نے ہشام دوم کو پھر تخت پر بٹھار دیا۔

اب سلیمان نے قشتالہ اور لیون کے عیسائیوں سے امداد طلب کی۔ مہدی نے اہل قشتالہ کو مدد دینے کے لئے پکارا۔ اس طرح چند مہینوں کے اندر اندر عرب عیسائی قبیلوں کو اپنی شرطیں لکھوانے کی جگہ اب ان سے مدد مانگ رہے تھے۔ عیسائیوں نے اس شرط پر امداد دینی قبول کی کہ الناصر اور اس کے حاجب نے جو نئے علاقے فتح کئے تھے، ان سے ہاتھ اٹھایا جائے۔ اس شرط کی رو سے عربوں کو دو سو کے قریب شہر اور قلعے چھوڑنے پڑے، لڑائی کے دوران میں کبھی مہدی کی فوجیں قرطبہ پر قبضہ کر لیتیں اور کبھی وہ سلیمان کی فوجوں کے ہاتھ میں چلا جاتا۔ ہر فتح اسے مفتوحہ شہر سمجھ کر شہر میں لوٹ مچاتا۔

عبدالرحمن سوم کی بنوائی ہوئی خوبصورت عمارت الزہرا کو بھی نقصان پہنچا اس خانہ جنگی میں مہدی مارا گیا۔ سلیمان نے ہشام کو تخت سے علیحدہ کر کے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس نے اپنے لئے مستعین باللہ کا لقب اختیار کیا وہ زیادہ دیر تک حکمران نہ رہ سکا۔ ایک دوسری بغاوت نے اسے ختم کر دیا۔

اب اورسی خاندان کا ایک فرد علی تخت پر بیٹھا۔ لیکن اس کے بہت جلد قتل ہو جانے کے بعد اس کا بھائی قاسم تخت پر بیٹھا۔ مگر بہت جلد بربروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اسے قرطبہ چھوڑنا پڑا۔ اب اہل قرطبہ نے ایک اموی شہزادے عبدالرحمن کو تخت پر بٹھار دیا۔ لیکن وہ بھی زیادہ دیر تک حکومت نہ کر سکا اس کے بعد دو اموی شہزادوں کو ایک دوسرے کے بعد



تخت پر بٹھایا گیا۔ ان برائے نام حکمرانوں کے بعد ہسپانیہ میں اموی خاندان کی حکومت ختم ہو گئی۔

اہل قرطبہ نے تھوڑی مدت کے لیے یحییٰ بن علی کی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن ۱۰۳۵ء میں اس کی موت کے بعد قرطبہ میں جمہوریت قائم کر لی گئی۔ قرطبہ کی جمہوریت چالیس سال تک قائم رہی۔ یہاں تک کہ ایشیلیہ کے بادشاہ نے اس شہر کو فتح کر لیا۔

## اڑتالیسواں باب

### چھوٹے چھوٹے بادشاہ

قرطبہ کی سیاسی شورش نے صوبائی گورنروں اور دوسرے بڑے بڑے سرداروں کو موقعہ دے دیا کہ وہ اپنی اپنی آزادی کا اعلان کر دیں، مائلقہ، الجزایر اور آس پاس کے اضلاع پر بنو حمود نے قبضہ کر لیا۔ انہوں نے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ان علاقوں پر ان کی حکومت ۱۰۵۷ء تک قائم رہی۔ جب کہ غرناطہ کے بادشاہ نے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ غرناطہ پر ایک بربر سردار زادی نے قبضہ کر لیا۔ اس شہر پر ۱۰۹۰ء تک اس کے خاندان کی حکومت رہی۔ ایشیلیہ (المغرب بیت) پر بنو عباد کا قبضہ تھا۔ اس خاندان کا بانی ایشیلیہ کا بڑا قاضی ابو القاسم محمد المعروف ابن عباد تھا۔ بنو عباد کا سب سے آخری حکمران معتمد تھا جسے یوسف نے افریقہ میں جلا وطن کر دیا تھا۔ طلیطلہ پر بنو ذوالنون کا قبضہ تھا۔ یہ حکمران اپنی شان و شوکت کے لئے بہت مشہور ہیں۔ اس خاندان کے آخری حکمران قادر نے اس شہر کو ۱۰۸۵ء انقاسو کے حوالے کیا تھا۔ بنو یوود نے سر قسطہ پر (۱۱۱۸ء) تک قبضہ رکھا، ان شہروں کی طرف بلنہ، مرسیہ اور المریہ پر بھی آزاد سرداروں کی حکومت رہی۔ بحیرہ روم کے بہت سے جزیروں پر مجاہدین عبداللہ کا قبضہ تھا۔

”وہ ایک بہادر سپاہی اور تجربہ کار ملاح تھا۔ اس کے پاس بہت بڑا سمندری بیڑا تھا۔ جس کی مدد سے وہ اٹلی اور فرانس کے ساحلی شہروں پر حملے کرتا رہتا تھا۔ وہ جب تک زندہ رہا، عیسائیوں کا کوئی جہاز بحیرہ روم میں سے نہیں گذر سکا۔“

یہ چھوٹے چھوٹے بادشاہ سب کے سب علوم و فنون کے سرپرست تھے۔ ان میں سے ہر بادشاہ علوم و فنون کی سرپرستی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنا چاہتا تھا۔ ان میں سے کئی ایک صاحبِ قلم تھے۔ ایشیلیہ کا آخری بادشاہ معتمد بہت بڑا شاعر تھا۔ بطلمیوس کے بادشاہ مظفر نے پچاس جلدوں میں ”کتاب المنظری“ لکھی۔ ایک عرب نے ٹھیک لکھا ہے کہ ”ملا ٹوٹ گئی اور موتی بکھر گئے۔ چھوٹے چھوٹے بادشاہوں نے اپنی اپنی آزاد حکومتیں قائم کر لیں۔ لیکن اس پر بھی علم و حکمت کا ریا جلتا رہا۔ علوم و فنون پر زوال آنے کی بجائے انہیں فروغ حاصل ہوا۔“

اگر ان چھوٹے چھوٹے بادشاہوں میں اتحاد ہوتا تو وہ بڑی آسانی کے ساتھ عیسائی

ہسپانیوں کی روک تھام کر سکتے تھے۔ ان کی باہمی رقابت سے عیسائیوں کی سرگرمیاں مزید تیز ہو گئیں۔ ان چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کی نا اتفاقی نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ ان میں سے کئی ایک نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے عیسائیوں سے معاہدے کئے۔ ۱۰۵۵ء میں قشتالہ اور لیون کے بادشاہ فرڈیننڈ اول نے ان چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ ایشیلیہ کے بادشاہ نے فرڈیننڈ اول کو خراج دینا منظور کیا۔ اس بادشاہ نے ۱۰۶۹ میں وفات پائی۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا معتمد ایشیلیہ کا بادشاہ بنا، ۱۰۷۵ء میں معتمد نے قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے بہت جلد طلیطلہ کے بہت سے علاقہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ فرڈیننڈ اول کی موت کے بعد ۱۰۶۵ء اس کا بیٹا الفانسو ششم تخت پر بیٹھا اس نے اپنے بھائیوں کو ان کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں سے نکال کر لیون، قشتالہ اور نبرہ پر قبضہ کر کے شہنشاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ با جگر عرب حکمرانوں کو ختم کر کے وہ سارے جزیرہ نما پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اس نے مسلمانوں سے لڑائی کرنے کے لئے ایک بہت بڑی فوج تیار کر لی۔ ۱۰۸۵ء میں ذوالنون خاندان کے آخری حکمران قادر نے طلیطلہ کو اس کے حوالے کر دیا۔ فرڈیننڈ کے غرور نخوت کی اب کوئی انتہا نہ تھی، غرناطہ، بطلموس اور چند ایک دوسرے شہروں پر مسلمانوں کا قبضہ رہ گیا۔ ان شہروں کو بھی اپنا انجام دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے امداد کے لئے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ جزیرہ نمائے ہسپانیہ میں عربوں کے باہمی اختلافات کے باعث مشترکہ دشمن کا متحد ہو کر مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ انہوں نے امداد کے لئے سمندر پار کے مسلم ملکوں کو پکارا۔

جب ہسپانیہ میں اسلامی سلطنت اس طرح پارہ پارہ ہو رہی تھی، تو اس وقت مغربی افریقہ میں ایک نئی طاقت ظاہر ہو چکی تھی۔ صحرائی بربریوں نے اسلام قبول کر کے سینی گیمیا سے البحر تا تک ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی، ان کے بادشاہ مرا بطہ کہلاتے تھے۔ مشہور و معروف یوسف بن تاشقین ان کا حکمران تھا۔ یوسف بن تاشقین کو بغداد کے خلیفہ نے امیر المومنین کا خطاب دیا۔

ہسپانیہ کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کے اصرار پر یوسف بن تاشقین اکتوبر ۱۰۸۶ء میں ہسپانیہ کے ساحل پر اتر پڑا۔ ایشیلیہ کے قریب معتمد اور دوسرے حکمرانوں کی فوج اس کے ساتھ مل گئی۔ اتحادی فوج نے بطلموس کی طرف کوچ کیا۔ انفانسو نے سکرالیہ کے مقام پر اس فوج کا مقابلہ کیا۔ عرب فوج کے ہسپانیوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔ انفانسو کی فوج میں ساٹھ ہزار سپاہی تھے۔ ۲۳ اکتوبر ۱۰۸۶ء میں خونریز لڑائی ہوئی۔ ابن الاثیر کے بیان کے مطابق

انفانو صرف تین سو شاہسواروں کے ہمراہ جان بچا کر بھاگ نکلا۔ انفانو کی اس شکست نے لیون کی عیسائی سلطنت کو تھوڑی مدت کے لئے شل کر دیا۔

اس موقع پر یوسف بن تاشقین زیادہ دیر ہسپانیہ میں نہ رہا۔ اگلے سال اس نے ہسپانوی بادشاہوں کو ان کی مملکت سے نکال کر انہیں مراہطین کی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اب تقریباً "سارے ہسپانیہ پر مراکو کے شہنشاہ کی حکومت تھی۔ ڈوزی کے بیان کے مطابق:-

"مذہبی پیشواؤں کو دسی گاتھوں کے عہد میں جو اقتدار حاصل تھا، اسی قسم کا اقتدار مراہطین کے عہد حکومت میں مسلمان قبیلوں کو حاصل ہو گیا۔"

ان قبیلوں کا اس قدر اثر تھا کہ انہوں نے سلطنتِ مراہطہ میں امام غزالیؒ کی مشہور و معروف "احیاء العلوم الدین" کو ضبط کر لیا۔

جب تک یوسف زندہ رہا ہسپانیہ کے عیسائیوں پر خوف و ہراس طاری رہا۔ اس نے ۱۱۰۶ء میں وفات پائی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوالحسن تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے باپ کی پیروی کی۔ ایک مورخ کے الفاظ میں "وہ بعض باتوں میں اپنے باپ سے پیچھے تھا۔" اس نے کئی ایک لڑائیوں میں عیسائی قبیلوں کو شکست دی۔ اس نے میڈرڈ اور لڑین کے علاوہ کئی ایک دوسرے شہروں کو فتح کر لیا۔ لیکن بہت جلد عیسائیوں نے دریائے تاجہ پار کر کے تین شہروں پر قبضہ کر لیا جب مراہطین ہسپانیہ میں مصروف تھے تو اس وقت افریقہ میں حالات نئی صورت اختیار کر رہے تھے

۱۱۲۰ء میں محمد بن تومرت نامی ایک شخص بربروں میں پہنچا، وہ نسل کے لحاظ سے عرب تھا۔ لیکن اس کی پرورش ایک بربری قبیلے میں ہوئی تھی۔ اس نے اپنی جوانی میں مشرق کا سفر کر کے فلسفہ اور قانون پڑھا تھا، واپسی پر اس نے اطلس کے کوستانوں میں رہنے والے قبائل میں اصلاحی کام شروع کرنے کے بعد مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ بہت جلد اس کے اردگرد بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔

ابن تومرت نے ایک امیر سوواگر کے بیٹے عبدالمومن کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اس کے پیرو موحدین کہلاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ موحدین کی طاقت زور پکڑنے لگی۔ انہوں نے مراہطین سلطنت کے کھنڈروں پر اپنی سلطنت بٹلی۔ جب تک علی بن تاشقین (ابوالحسن) زندہ رہا (۱۱۲۳ء) تک اس نے موحدین کو روکے رکھا۔ اس کے بیٹے تاشقین کے لئے ان کا مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا۔ ۱۱۲۵ء میں اس کے مارے جانے کے بعد مراکو کی سلطنت پر ابن تومرت کا نائب عبدالمومن قابض ہو گیا۔

مرا۔ لہین اور موحدین کی باہمی کش مکش نے ہسپانیہ کے عیسائیوں کو موقعہ دیا کہ وہ ہسپانیہ کے مسلم علاقوں پر حملے کریں۔ انفانسو ہفتم نے اپنے دادا انفانسو ششم کی طرح شہنشاہ کا لقب اختیار کیا وہ تباہی مچاتا ہوا قرطبہ اور دوسرے کئی ایک شہروں کی دیواروں تک پہنچ گیا۔ اس یلغار کے پانچ سال بعد اس نے پھر مسلم ہسپانیہ کے کئی شہروں کو تباہ کیا۔ اس موقعہ پر ہسپانوی مسلمانوں نے آبنائے پار کے مسلمانوں سے امداد کی اپیل کی۔ چنانچہ ۱۱۳۷ء میں عبدالمومن نے ان کی مدد کے لئے جنگی بیڑہ اور فوج بھیجی۔ اس کے جرنیلوں نے عیسائیوں کو شکست دے کر ان گورنروں کو مطیع کیا جو خود مختار ہو چکے تھے۔ اس طرح ہسپانیہ پر عبدالمومن کا قبضہ ہو گیا۔ چار سال بعد اس نے اپنی سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کر کے اپنے بیٹوں کو ان کا گورنر مقرر کیا ۱۱۶۰ء میں اس نے فرانسیسیوں سے مہدیہ چھین کر امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا اس اہم شہر پر قابض ہونے کے بعد وہ سارے شمالی افریقہ پر قابض ہو گیا۔ اس کی سلطنت برقہ سے اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔

تینتیس سال کامیابی سے حکومت کرنے کے بعد عبدالمومن نے ۱۱۶۳ء میں وفات پائی۔ وہ ایک بہادر انسان ایک اچھا حکمران اور علم دوست انسان تھا اس کے عہد میں اس کی سلطنت میں عام طور پر اور ہسپانیہ میں خاص طور پر علوم و فنون نے بہت زیادہ ترقی کی۔ اس نے مراکو میں بہت سے کالج اور سکول قائم کئے۔

اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا چونکہ وہ سلطنت کے کاروبار کا اہل نہیں تھا۔ اس لئے عمائد نے اسے تخت سے اتار کر اس کے بھائی ابو یعقوب یوسف کو تخت پر بٹھایا وہ ایک انسان دوست اور فراخ دل شہزادہ تھا۔ اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی عمومی خوشحالی کا اندازہ کیا جانے لگا۔ وہ کئی مرتبہ ہسپانیہ گیا۔ کئی ایک شہروں کو دوبارہ فتح کیا۔ یوسف نے ۱۱۸۳ء میں وفات پائی اس کے بعد اس کا بیٹا یعقوب تخت نشین ہوا۔ یعقوب کے عہد حکومت میں موحدین کی سلطنت اپنے عروج پر تھی، وہ ایک نہایت عقلمند اور صالح حکمران تھا۔ انفانسو ہفتم کے ساتھ جو لڑائی ہو رہی تھی۔ اس میں فریقین نے پانچ سال کے لئے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ یہ مدت مشکل ہی سے ختم ہوئی تھی کہ قتالہ کے حکمران کی فوج اندلیہ کے شہروں پر ٹوٹ پڑی۔

اس کی اطلاع پانے پر یعقوب ہسپانیہ میں داخل ہوا۔ فرانسیسیوں کی فوج کی تعداد بہت زیادہ تھی، قرطبہ کے شمال میں ایک شدید جنگ ہوئی۔ جن میں فرانسیسیوں کو شکست ہوئی۔ فرانسیسی فوج بھاگ نکلی۔ انفانسو نے طلیطلہ پہنچ کر پھر ایک فوج تیار کی لیکن یعقوب نے اسے

پھر شکست دی۔ یعقوب نے ہسپانیہ اور پرتگال کے ان تمام شہروں کو دوبارہ فتح کر لیا جن پر انفانسو ہفتم نے قبضہ کر رکھا تھا، ۱۱۹۶ء میں یعقوب نے طلیطلہ کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ انفانسو کی ماں۔ بیوی اور بہنیں شہر سے باہر آئیں انفانسو کی ماں نے آنسو بہاتے ہوئے یعقوب سے درخواست کی کہ وہ شہر کو نقصان نہ پہنچائے۔ یعقوب نے انفانسو کی ماں کی درخواست قبول کرتے ہوئے اسے زر و جواہر و دیگر رخصت کیا۔ یعقوب نے ایک سال تک ایشیہ میں قیام کیا۔ جہاں اس نے عیسائی شہزادوں کے ایلیچوں کے ساتھ معاہدہ کئے۔ ۱۱۹۷ء میں وہ افریقہ واپس چلا گیا۔ دو سال بعد اس نے وفات پائی۔ یعقوب صلاح الدین کا ہم عصر تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے یعقوب ہی کے پاس امداد کے لئے ایلیچی بھیجا۔ یعقوب علوم و فنون کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ ایک مورخ کے الفاظ میں ”وہ چونکہ خود بہت بڑا فاضل تھا اس لئے وہ فاضلوں کی عزت کیا کرتا تھا۔ وہ چونکہ خود نیک انسان تھا اس لئے وہ نیکو کاروں کا احترام کرتا تھا۔“

اس کی فوج بہت مضبوط تھی۔ حکومت کا نظم و نسق بہت اچھا تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کے ہر شہر میں ہسپتال اور محتاج خانے کھولے۔ مشہور و معروف طبیب ابن اور مشہور فلسفی ابن ماجہ اسی کے عہد میں ہو کر گزرے ہیں۔ ابن رشد بھی اس کا ہم عصر تھا۔ خلفاء ہارون الرشید اور مامون الرشید اور ہسپانیہ کے اموی حکمرانوں کی طرح اس نے ملک کی آب پاشی کی طرف توجہ زیادہ کی۔ اس نے سوداگران اور سیاحوں کی آسائش کا بہت خیال رکھا، اس نے ایک بڑی رصد گاہ بنوائی تھی۔

یعقوب المنصور کے بعد اس کا بیٹا محمد الناصر تخت نشین ہوا۔ وہ کردار اور قابلیت میں اپنے باپ سے مختلف تھا۔ اس کی آرام طلبی اور عشرت پسندی نے نہ صرف الموحدین کے اقتدار کو ختم کر دیا بلکہ اس کے ساتھ ہسپانیہ میں مسلم غلبہ کو بھی شدید دھکا لگا۔

یعقوب المنصور کی وفات کے بعد عیسائی حکمرانوں نے اندلس (مسلم ہسپانیہ) پر پھر حملے شروع کر دیئے۔ انفانسو نے ایشیہ اور قرطبہ کے آس پاس کے علاقوں میں پھر لوٹ مار شروع کر دی۔ الناصر ان کے مظالم کا انتقام لینے کے لئے ہسپانیہ میں اتر پڑا، الناصر نے ایک گورنر کو اس بات پر موت کی سزا دی کہ اس نے اپنے شہر کو انفانسو کے حوالے کر دیا تھا۔ اس واقعہ سے ہسپانوی مسلمانوں میں بیجان پیدا ہو گیا کیونکہ مقتول گورنر ہسپانوی مسلمانوں میں بہت زیادہ مقبول تھا۔ الناصر کی جنگی تیاریوں نے عیسائی اقوام میں جوش و خروش پیدا کر دیا۔ جن

میلیبیوں کو صلاح الدین ایشیا میں شکست دے چکا تھا انہوں نے اب ہسپانیہ میں جمع ہونا شروع کر دیا۔ پوپ نے ہسپانیہ میں مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا فرانس، اٹلی اور جرمنی کے میلیبیوں اور کئی ایک عیسائی حکمرانوں نے مل کر الموحدین کے خلاف لڑنا چاہا۔ دونوں فوجوں میں المغرب کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ (۱۲۱۲ء) پہلے پہلے میں اندلسیوں کے سپاہی یا تو بھاگ گئے یا حملہ آوروں کے ساتھ مل گئے۔ افریقی فوج نے جم کر مقابلہ کیا، وہ ایک ایک کر کے سب کے سب مارے گئے۔ الناصر کو واپس جانا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ شکست کے غم سے ۱۲۱۳ میں اس دنیا سے چل بسا۔ الناصر کی موت کے بعد اس کا بیٹا یوسف تخت نشین ہوا چونکہ اس کی عمر سولہ سال تھی، اس لئے نظم و نسق کے تمام اختیارات پر موحدین کے شیوخ کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۲۱۳ء میں یوسف کی موت کے بعد عبدالواحد تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں ہسپانیہ کے حکمران اور گورنر آزاد ہو گئے۔

دوسرے سال عبدالواحد کے قتل کے بعد المنصور کا ایک بیٹا ابو محمد تخت پر بیٹھا۔ ۱۲۱۷ میں اسے باغیوں نے قتل کر دیا۔ اب اس کے بھائی اور لیس حاکم اشیلیہ نے اپنی خلافت کا دعویٰ کیا، ۱۲۲۸ء میں اور لیس عیسائی فوج لے کر افریقہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کے جاتے ہی اشیلیہ میں الموحدین کے خلاف بغاوت ہو گئی۔

اسی دوران میں ابن احمد نے قرطبہ کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ عیسائی شہزادوں نے موحدین کے زوال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی ایک شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اسی افراتفری میں ابن احمد نے فراسٹ اور ہمدوری سے غرناطہ میں ایک چھوٹی سی آزاد ریاست قائم کر لی۔ یہ ریاست آئندہ دو سو سال تک عیسائیوں اور میلیبیوں کا مقابلہ کرتی رہی۔

## انچاسواں باب

### غرناطہ

غرناطہ کو فتح کرنے کے بعد ابنِ احمد نے اسے اپنی راجدھانی بنا لیا تھا۔ اس نے اپنے لئے الحمرا تعمیر کروایا۔ اس شاندار محل کی خوبصورتی میں ابنِ احمد کے جانشین اضافہ کرتے رہے۔ ۱۳۶۱ء میں قتالہ کے عیسائی حکمران نے غرناطہ پر حملہ کیا۔ لیکن ابنِ احمد نے شکست دی۔ ابنِ احمد نے ۱۳۲۷ء میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو عبداللہ محمد تخت نشین ہوا۔ وہ علوم و فنون کا بہت بڑا سرپرست تھا۔

۱۳۷۳ء میں قتالہ کے عیسائی حکمران نے غرناطہ پر پھر حملہ کیا۔ ابو عبداللہ محمد نے اسے شکست دی، لڑائی میں قتالہ کا جرنیل دون نووہ مارا گیا۔ گیارہ سال بعد اہل قتالہ نے پھر غرناطہ پر حملہ کیا۔ یہ لڑائی ایک طویل مدت تک جاری رہی جس میں آخر کار اہل قتالہ کو شکست ہوئی۔ ابو عبداللہ محمد نے ۱۳۰۲ء میں وفات پائی اس کے بعد اس کا بیٹا ابو عبداللہ محمد دوم تخت پر بیٹھا۔ ۱۳۰۷ء تک وہ بڑی قابلیت سے حکمرانی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ نصر کی بغاوت نے اسے تخت سے علیحدہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ نصر ایک بد قسمت بادشاہ ثابت ہوا۔ جونہی وہ تخت نشین ہوا قتالہ اور ارغون کے بادشاہوں نے اس پر حملہ کیا۔ نصر نے ان کو خراج دینا منظور کر لیا۔ ۱۳۱۳ء (۱۳ ہجری) میں اسے مجبور کر دیا گیا تھا کہ وہ ابنِ احمد کے بھائی اسماعیل کے پوتے اسماعیل کے حق میں تخت سے دستبردار ہو جائے۔ ۱۳۱۵ء میں قتالہ والوں نے اس کے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ تین سال بعد البیرائے میں قتالہ کی فوجوں کو شکست ہوئی۔ ۱۳۱۹ء میں قتالہ کے بادشاہ نے اپنے بیٹے پیڈرو کے زیرِ کمان غرناطہ پر حملہ کرنے اور اسے فتح کرنے کے لئے فوج بھیجی۔ پیڈرو کی فوج میں چھبیس شہزادوں کے فوج کے دستے شامل تھے۔ انگلستان کا ایک شہزادہ بھی اپنے دستے سمیت موجود تھا۔ لڑائی میں پیڈرو سمیت یہ سارے شہزادے مارے گئے۔

۷۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں اسماعیل کے قتل کے بعد اس کا بیٹا ابو عبداللہ محمد تخت نشین ہوا۔ وہ ایک کامیاب حکمران ثابت ہوا۔ اس نے ۱۳۲۳ء میں جبل الطارق پر قبضہ کر لیا۔ وہ اپنی قلعہ بندیوں کا معائنہ کر کے واپس آ رہا تھا کہ قاتلوں کی ایک جماعت نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی ابو حجاج یوسف تخت پر بیٹھا۔ ابو حجاج یوسف کا شمار بنو نصر



کے بہترین حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ اس کے عہد حکومت میں اس کی مملکت کی فارغ البالی بہت بڑھ گئی۔ لوگوں کی حالت بہت اچھی تھی۔ اپنے آباؤ اجداد کی طرح وہ علوم و فنون کا پر جوش مداح اور سرپرست تھا۔ ہسپانیہ کے مسلمانوں کی بدبختی سے وہ زیادہ دیر تک حکومت نہ کر سکا۔ ۶۳۵۴ء میں جب کہ وہ نماز ادا کر رہا تھا ایک پاگل نے اسے قتل کر دیا۔

اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا محمد الغنی باللہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا وہ ایک عالم بادشاہ تھا۔ اس کا علمی ذوق بہت بلند تھا۔ اس نے اپنی مملکت میں علوم و فنون کی جو سرپرستی کی اس سے انہیں خوب فروغ حاصل ہوا۔ مشہور و معروف مورخ ابن الخطیب اس کا وزیر تھا۔ وہ تھوڑی مدت کے لئے غرناطہ سے باہر گیا ہوا تھا کہ اس کے سوتیلے بھائی اسماعیل نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اسماعیل زیادہ دیر تک حکومت نہیں کرنے پایا تھا کہ ایک بغاوت کے دوران میں مارا گیا۔ اس بغاوت کا سرغنہ ابو سعید المعروف ابو عبداللہ محمد تھا۔ دو سال بعد ابو سعید کو مجبور کر دیا گیا تھا کہ وہ قتالہ کے بادشاہ کے ہاں پناہ لے۔ قتالہ کے بادشاہ نے پناہ گزین کی دولت حاصل کرنے کے لئے اسے قتل کر دیا۔

ابو سعید کی موت کے بعد الغنی باللہ افریقہ سے واپس آ گیا۔ لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس کا باقی ماندہ عہد حکومت پرامن گزرا۔ اس نے قتالہ کے ساتھ جو معاہدہ کر رکھا تھا اس کی بدولت جو امن نصیب ہوا اس نے غرناطہ کی دولت میں نمایاں اضافہ کیا۔ غرناطہ میں پھر سے صنعت و حرفت کا چرچا ہونے لگا۔ آب پاشی کے لئے کئی ایک نہریں کھودی گئی۔ الغنی باللہ نے ۶۳۹۱ء (۲۳۳ ہجری) میں وفات پائی۔

اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ یوسف تخت پر بیٹھا۔ اس بادشاہ کا عہد حکومت پر آشوب تھا۔ اس کی انتہائی خواہش تھی کہ وہ قتالہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے، لیکن اہل غرناطہ کے جوش و خروش کے پیش نظر اسے قتالہ کے ساتھ کئی مرتبہ ناکام لڑائیاں کرنی پڑیں۔ ان لڑائیوں کے دوران میں اہل غرناطہ کا جوش کم ہو گیا۔ چنانچہ ابو عبداللہ یوسف کو قتالہ کے نوجوان بادشاہ ہنری سوم کے ساتھ سمجھوتہ کرنا پڑا۔ یوسف دوم نے اپنے بڑے بیٹے یوسف کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، لیکن اس کی موت (۶۳۹۶ء) کے بعد اس کے چھوٹے بیٹے محمد نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے اپنے بڑے بھائی یوسف کو قید کر لیا۔

۶۳۰۵ء میں قتالہ کی سرحدی فوج نے اس کی مملکت پر چھاپہ مارا۔ غرناطہ کے حکمران نے قتالہ کے بادشاہ سے شکایت کرنے کی جگہ قتالہ پر چڑھائی کر دی۔ اس لڑائی میں فریقین کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ اس کی موت کے بعد یوسف کو قید خانے سے نکال کر تخت

پر بٹھا دیا گیا۔

۶۱۲۱۰ء میں غرناطہ اور قشتالہ میں پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ چونکہ اس لڑائی کا نتیجہ کچھ نہ نکلا تھا اس لئے دونوں بادشاہوں میں پھر سمجھوتہ ہو گیا۔ یوسف کے باقی ماندہ عہد حکومت میں دونوں بادشاہوں میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

اس زمانہ میں قشتالہ پر ہنری سوم کا ایک دودھ پیتا بچہ حکمران تھا۔ تمام امور سلطنت پر شہزادے کی ماں کا اختیار تھا۔ اس ملکہ اور یوسف کے سیاسی تعلقات بہت اچھے تھے۔ دونوں حکمران معاہدے کی پاسداری کرتے تھے۔ ہر سال دونوں ایک دوسرے کو تحفے بھیجتے۔ دونوں میں جذباتی خط و کتابت ہوتی تھی۔ قشتالہ اور ارغون کے کئی ایک سپاہی یوسف کے ہاں پناہ گزین ہو گئے۔ کئی ایک باہمی جھگڑے چکانے کے لیے غرناطہ پہنچ جاتے۔ یوسف حالت بن کر ان میں سمجھوتہ کراتا۔ اس کی رحمدلی اور اس کا حسن سلوک ملکی اور غیر ملکی میں تمیز نہیں کرتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے تعلقات خوشگوار تھے، ان تعلقات کی وجہ سے عربوں کو موقع مل گیا کہ وہ اپنے نقصانات کی تلافی کر لیں۔

پندرہ سال تک حکومت کرنے کے بعد یہ نیک دل بادشاہ دنیا سے چل بسا۔ اس کی موت کے ساتھ ہی غرناطہ کی شان و شوکت کے دن بھی ختم ہو گئے۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد ہفتم تخت پر بیٹھا۔ وہ بہت زیادہ متکبر تھا۔ اس نے اہل غرناطہ میں مقبولیت کھودی۔ اس نے ٹورنامنٹوں اور دوسرے کھیلوں کو جو خرناطیوں کو بہت زیادہ عزیز تھے بند کروا دیئے۔ چنانچہ اہل غرناطہ نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے راجدھانی سے نکال دیا۔ تھوڑی مدت بعد اسے واپس بلا کر پھر شہر سے نکال دیا گیا۔ اب غرناطہ کے تخت پر ایک سردار یوسف نے قبضہ کر لیا۔ قشتالہ کے بادشاہ جون دوم نے یوسف کی مدد کی، چونکہ چند ماہ بعد یوسف اس دنیا سے چل بسا اس لئے محمد ہفتم کو پھر بٹھا دیا گیا۔

۶۱۲۳۳ء (۸۳۶ ہجری) میں قشتالہ نے غرناطہ پر حملہ کیا، قشتالہ کی فوج کو ارشیدونہ کی دیواروں تلے شکست دی گئی۔ لیکن اس پر بھی اس نے غرناطہ کے مضامات کے بہت سے حصے کو ویران کر دیا تھا۔ ۶۱۲۳۳ء میں محمد ہفتم کے بھتیجے ابن اصف نے اسے تخت سے علیحدہ کر دیا۔ غرناطہ کے لوگوں نے اسے اپنا بادشاہ مان لیا۔ لیکن بہت سے عرب سرداروں نے جون دوم کے ہاں پناہ لی۔ یہ سردار ابن اصف کے ایک بھتیجے اسماعیل کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ جون دوم اور ان سرداروں کی مدد سے ابن اسماعیل نے غرناطہ پر حملہ کر دیا۔ یہ خانہ جنگی پانچ سال تک جاری رہی۔

ہنری چہارم نے نہ صرف تحائف لینے سے انکار کر دیا بلکہ اس نے غرناطہ پر بھی حملہ کر دیا یہ تباہ کن لڑائی کئی سال تک جاری رہی جس میں عربوں کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے گھروں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ ان کے کھیت ویران اور آب پاشی کے ذرائع تباہ ہو گئے۔ کشتالہ کی فوجوں نے ارشیدونہ اور جبل الطارق پر قبضہ کر لیا۔ ابن اسماعیل نے اپنی مملکت کو بچانے کے لئے ہنری چہارم کو اپنا حاکم اعلیٰ مان لیا۔ دونوں حکمرانوں میں غرناطہ کے قریب ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں جو معاہدے طے پایا وہ اسماعیل کی موت تک (۶۱۳۶۶) جاری رہا۔

## پچاسواں باب

### آخری کش مکش

ابن اسماعیل کے بعد اس کا بڑا بیٹا ابوالحسن تخت نشین ہوا۔ وہ بہت بہادر اور ذہین انسان تھا۔ اگر اسے لوگوں کی متحدہ امداد حاصل ہوتی تو وہ شان و شوکت میں اپنے سے پہلے حکمرانوں سے کسی طرح کم نہ ہوتا۔ اس کی قوم میں پھوٹ پیدا ہو چکی تھی، ان حالات میں اس کی مشکلات بہت بڑھ گئی تھیں۔ اس کے بیٹے کی بغاوت نے تباہی کی گھڑی کو قریب سے قریب تر کر دیا۔

۱۳۶۹ء میں فرڈیننڈ اور ازبیلہ کی شادی نے قتالہ، ارغون اور لیون کی فوجوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا تھا۔ دونوں نے مل کر ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ہسپانیہ سے تہذیب کے آخری نشان تک مٹادیں گے۔ ابوالحسن نے اپنے باپ کا تسلیم کر وہ خرچ دینے سے انکار کر دیا۔ فرڈیننڈ اور ازبیلہ کو غرناطہ پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا اور دونوں کی فوجوں نے زہرا شہر پر قبضہ کر کے اس کی عمارتوں کو گرانا شروع کر دیا۔ اسی موقع پر ایک عالم دین نے غرناطہ کے بادشاہ سے کہا تھا۔

”زہرا کے کھنڈر ہمارے سروں پر گرنے والے ہیں۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کی حکومت کے دن پورے ہو چکے ہیں۔“

قتالہ کی فوج نے غرناطہ کے ایک قریبی مقام اطما پر قبضہ کر لیا۔ یہ مقام غرناطہ کا دروازہ تھا۔ حفاظتی دستوں نے اگرچہ بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ پھر بھی اس شہر پر قتالہ کی فوج نے قبضہ کر لیا۔ اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ جن بچوں اور عورتوں نے جامع مسجد میں پناہ لی تھی، ان سب کو قتل کر دیا گیا یوں اطما پر اہل قتالہ کا قبضہ ہو گیا۔ کل کا ایک بارونق شہر آج گورستان میں بدل گیا کل تک جس شہر کے بازاروں میں لوگ خوشی خوشی چلتے پھرتے تھے، آج وہاں انسانی نعشوں کے ڈھیر لگ گئے۔

اطما کے سقوط نے غرناطہ کے سقوط کی راہ پیدا کر دی۔ غرناطہ کی مسلم آبادی پر حزن و ملال چھا گیا۔ ابوالحسن نے اطما پر قبضہ کرنے کی دو مرتبہ کوشش کی پہلی کوشش میں وہ ناکام رہا۔ دوسری کوشش میں وہ کامیابی سے ہمکنار ہوا چاہتا تھا کہ اس کے بیٹے ابو عبد اللہ محمد نے غرناطہ میں بغاوت کر دی۔

ابوالحسن کی دو بیویاں تھیں، ایک مسلمان اور دوسری عیسائی۔ ابوالحسن اپنی عیسائی بیوی اور اس کے بچوں کی طرف زیادہ مائل تھا۔ اس پر ابوالحسن کی دوسری بیوی نے ابو عبداللہ کو اپنے باپ کے خلاف بغاوت پر اکسایا۔ غرناطہ کے فوجی دستے اور شہری آبادی کے ایک حصے نے ابو عبداللہ کو اپنا بادشاہ مان لیا، ابوالحسن کو غرناطہ آنا پڑا۔ غرناطہ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ باپ بیٹے میں جب عارضی صلح ہو گئی تو ابوالحسن نے لوشہ اور کانٹیہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ان کامیابیوں سے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ اسے بتایا گیا کہ اس کے بیٹے ابو عبداللہ نے الحمرا پر قبضہ کر لیا ہے اور اسے بادشاہت کے اختیارات مل چکے ہیں۔

۶۱۳۳۸ میں فرڈیننڈ اور ازابیلہ نے لوشہ کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے اپنی فوجوں کو مالقہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دیا، اگر ہم

”فصلوں کی تپہی، درختوں کے کاٹے جانے، دیہات کو برباد کئے جانے، چوپاؤں کی چوری اور بے دست و پا انسانوں کے قتل کو کامیابی کہہ سکتے ہیں۔“

تو بلاشبہ یہ کامیابی تھی، بہت جلد ابوالحسن کے جرنیل رضوان نے ان فوجوں کو شکست دی۔ عربوں کے لئے کامیابی کے امکانات ختم نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ابو عبداللہ کی غداری نے تمام حالات کو بدل دیا۔ اس نے لوشہ پر حملہ کر دیا لیکن شکست کھائی۔ کشتالہ کی فوج نے اسے قید کر لیا۔“

اب ابوالحسن مالقہ کے گورنر زغل کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ ابو عبداللہ کی گرفتاری کو فرڈیننڈ اور ازابیلہ نے اپنے لئے نیک فال سمجھا۔ کیونکہ ابو عبداللہ کے ذریعہ غرناطہ میں مزید ناانقلابی اور پھوٹ پیدا کر سکتے تھے، ابو عبداللہ فرڈیننڈ کا آلہ کار تھا۔ فرڈیننڈ اور ازابیلہ نے اسے غرناطہ واپس بھیج دیا۔ ابو عبداللہ نے فرڈیننڈ اور ازابیلہ کی اطاعت کا وعدہ کیا تھا چنانچہ اس وعدے کے پیش نظر انہوں نے ابو عبداللہ کو غرناطہ پر قبضہ کرنے کے لیے ایک فوج دی۔ غرناطہ میں پھر خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس موقع پر زغل نے ابو عبداللہ سے کہا کہ ہم دونوں مل کر غرناطہ پر حکومت کریں گے۔ بشرطیکہ اس موقع پر مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تم میرے ساتھ مل جاؤ لیکن تلاق اور کنزور عبداللہ نے زغل کی باتوں کو نہ مانا۔ زغل اور عبداللہ کی ناانقلابی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرڈیننڈ اور ازابیلہ نے الورا، زندہ اور کئی ایک دوسرے اہم شہروں پر قبضہ کر لیا۔

۶۱۳۳۶ میں انہوں نے لوشہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک سال بعد مالقہ بھی ان کے قبضہ میں آ گیا۔ زغل نے اس شہر کو واپس لینے کی کوشش کی۔ لیکن ابو عبداللہ نے رکاوٹ ڈال دی۔

جب فرڈیننڈ نے اس شہر پر قبضہ کیا، تو ابو عبداللہ نے اسے مبارک باد بھیجی۔  
ان شہروں کو اس شرط پر فرڈیننڈ کے حوالے کیا گیا تھا کہ وہ ان کی پُر امن زندگی کو  
درہم برہم نہیں کرے گا۔ لیکن جب ان شہروں پر فرڈیننڈ نے قبضہ کر لیا تو اس نے ان  
شہروں میں لوٹ مار مچادی اور لوگوں کو گھروں سے نکال دیا گیا۔ اب زغل کے قبضہ میں چند  
ایک شہر رہ گئے تھے۔

اب فرڈیننڈ نے ابو عبداللہ سے کہا کہ وہ زغل سے جتنے شہر چھین لے گا وہ ان سب کو  
اس کے حوالے کر دے گا۔ ابو عبداللہ اس چکمے میں آگیا ابو عبداللہ کو یہ اندیشہ تھا کہ وہ  
زغل جو فرڈیننڈ کو بارہا شکست دے چکا ہے کہیں غرناطہ پر حملہ نہ کر دے۔ چنانچہ وہ فرڈیننڈ  
سے مل گیا۔ اس موقع پر زغل نے افریقہ کے مسلم حکمرانوں سے امداد کی اپیل کی لیکن وہ  
بھی اس وقت آپس میں لڑ رہے تھے اس اپیل کا کوئی نتیجہ نہ نکلا لیکن اس کے باوجود زغل  
نے مقابلہ جاری رکھا۔ اور آخر کا چار ستمبر ۱۲۸۹ء کو زغل کی راجدھانی پر فرڈیننڈ کا قبضہ  
ہو گیا۔ زغل نے مجبور ہو کر فرڈیننڈ کی اطاعت قبول کر لی۔ وہ ایک سال بعد افریقہ میں جلا  
وطن کر دیا گیا۔

اب غرناطہ اور اس کے مضافات کے علاوہ عربوں کے پاس ہسپانیہ کا کوئی حصہ نہیں تھا۔  
اب عبداللہ کی آنکھیں کھلیں۔ فرڈیننڈ اور ازابیلہ نے ابو عبداللہ سے مطالبہ کیا کہ وہ غرناطہ  
کو ان کے حوالے کر دے۔ اس کے انکار کے بعد فرڈیننڈ نے غرناطہ کے مضافات کو تباہ و  
برباد کرنا شروع کر دیا۔ یہ تباہی مچانے کے بعد فرڈیننڈ قرطبہ چلا گیا۔ اسی اثنا میں عربوں کے  
ایک جرنیل موسیٰ نے لڑائی کو دشمن کے ملک تک پہنچانے کی جدوجہد شروع کر دی، اس کی  
بہادری نے ابو عبداللہ میں بھی جوش و خروش پیدا کر دیا تھا، عربوں نے کئی ایک سرحدی  
شہروں پر قبضہ کر لیا۔

مارچ ۱۲۹۱ء میں فرڈیننڈ چالیس ہزار سپاہی لے کر غرناطہ کی طرف بڑھا فصلوں کو تباہ و  
برباد کر دیا گیا۔ گھروں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ شہریوں کو قتل کر دیا گیا ہسپانیہ میں تہذیب کے  
آخری مرکز کے اردگرد فرڈیننڈ کا وہاؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

دس سال تک عربوں نے ایک ایک لہجے کے لیے لڑائی جاری رکھی۔ جہاں کہیں ان کے  
پاؤں جم سکتے تھے، دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ اب ان کے پاس اپنی راجدھانی کے علاوہ کوئی دوسرا  
شہر نہیں تھا۔ انہوں نے مایوسی کے عالم میں اپنے آپ کو شہر کے اندر بند کر لیا۔

شہر کی حفاظت کے لئے ہر طرح کی تیاریوں سے کام لیا گیا۔ چونکہ ایک خاص مدت

تک غرناطہ اور دوسرے شہروں کے درمیان رسل و رسائل کا سلسلہ جاری رہا اس لئے اس مدت میں محاصرہ کرنے والوں کو زیادہ کامیابی نہ ہو سکی۔ اسی اثنا میں موسیٰ کے حملے دشمنوں کو پریشان کرتے رہے۔ دست بدست لڑائی میں عربوں کو بہت زیادہ کامیابی ہوتی رہی تھی۔ قتالہ کے بہادر ایک ایک کر کے مارے جا رہے تھے۔ چونکہ فرڈیننڈ کے بہت سے سپاہی ان دست بدست لڑائیوں میں مارے گئے، اس لئے اس نے شہر کی ناکہ بندی کر کے اس پر ایک بہت بڑا بلہ بولنے کا فیصلہ کر لیا۔

دشمن نے شہر کی دیواروں کے باہر ایک ایک انچ زمین پر قبضہ کر لیا باہر سے کسی قسم کی کمک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اب غرناطہ والوں کے لئے باہر سے سامانِ خوراک حاصل کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ سامان روز بروز کم ہوتا چلا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ شہریوں کی حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی اور ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

غرناطہ کی فوج نے اس ناکہ بندی کو توڑنے کی آخری کوشش کی لیکن پیادہ فوج کی کمزوری کے سبب اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب محصورین نے ہتھیار ڈال دینے کا فیصلہ کر لیا۔

قحط نے ایسی صورت حالات پیدا کر دی تھی جس کے سامنے انتہائی درجہ شجاعت بھی بے بس تھی۔“

اب غرناطہ والوں نے قتالہ کی فوج کے سامنے صلح کی شرائط پیش کیں۔ ایک طویل بات چیت کے بعد طے پایا: ”اگر دو ماہ تک غرناطہ والوں کو باہر سے کسی قسم کی کمک نہ پہنچی تو پھر غرناطہ کو عیسائیوں کے حوالے کر دیا جائے۔“

غرناطہ کا بادشاہ، وزیر، شیوخ اور تمام دوسرے لوگ قتالہ کے حکمرانوں کی وفاداری کا حلف اٹھائیں۔

ابو عبداللہ کو غرناطہ کے مضافات میں چھوٹی سی جاگیر دی جائے گی۔ مسلمانوں کی پوری طرح سے حفاظت کی جائے گی۔

مسلمانوں کو ان کی جائیدادوں سے کسی طرح بھی محروم نہیں کیا جائے گا۔ سب مسلمانوں کے اسلحہ اور ان کے گھوڑوں پر قبضہ نہیں کیا جائے گا۔

مسلمانوں کو اپنے دینی فرائض ادا کرنے کی پوری پوری آزادی ہوگی۔ مسلمانوں کی مسجدیں اور دوسری عمارتیں نہیں گرائی جائیں گی۔

جب مؤذن اذان دے گا تو اذان میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

مسلمان اپنی زبان لباس اور رسوم میں آزاد ہوں گے۔

مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ ان کے قاضی کیا کریں گے۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جو معاملات پیش آئیں گے، ان کا فیصلہ مخلوط

عدالت کے سپرد ہوگا۔

مسلمانوں سے صرف وہی ٹیکس وصول کیا جائے گا جو اپنے بادشاہوں کو ادا کرتے رہے

ہیں۔

کسی عیسائی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا کہ وہ کسی مسلمان کے گھر میں زبردستی گھس

جائے یا اس کی بے عزتی کرے۔

تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا۔

جو مسلمان افریقہ جانا چاہیں انہیں ایک مقررہ مدت میں ہسپانیہ چھوڑنے کی اجازت

ہوگی۔

ان مسلمانوں کو قشتالوی جہازوں پر سوار کر دیا جائے گا۔ ان سے سوائے کرایہ کے کوئی

مزید رقم وصول نہیں کی جائے گی۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد بھی مسلمانوں کو افریقہ

جانے کی اجازت ہوگی۔ بشرطیکہ وہ مقررہ محصول ادا کریں۔ جو اس کے سالانہ کی مجموعی قیمت

کے دسویں حصے سے زیادہ نہیں ہوگا۔

کسی شخص کے جرائم کی سزا اس کے سوا کسی دوسرے کو نہیں دی جائے گی۔ جن

عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا انہیں اسلام ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

جو مسلمان اپنا مذہب ترک کرنا چاہیں، انہیں چند دن کی مہلت دی جائے تاکہ وہ اس

کے بارے میں سوچ بچار کر سکیں، اس مدت کے بعد اس کے مذہب کے بارے میں ایک

عیسائی اور ایک مسلمان جج کے سامنے بیان لیا جائے گا۔

جو مسلمان عیسائیوں میں رہنا چاہیں یا سفر کرنا چاہیں ان کی حفاظت کی جائے گی۔

یہودیوں کی طرح مسلمانوں کے لئے کوئی خاص نشان مقرر نہیں کیا جائے گا۔

موسیٰ نے ان شرائط کے خلاف آواز بلند کی۔ اس نے عربوں کو آگاہ کیا کہ وہ اہل

قشتالہ کے وعدوں کا اعتبار نہ کریں بلکہ محاصرہ توڑنے کی آخری کوشش کر دیکھیں اس نے

اپنی تقریر کے دوران میں کہا کہ:-

غلامی کی شرمناک زندگی سے موت بہتر ہے۔ کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ اہل



قتالہ اپنے وعدے وفا کریں گے؟ تمہیں فریب دیا جا رہا ہے، دشمن ہمارے خون کا پیاسا ہے۔ موت ان مصائب کے مقابلے پر کچھ نہیں۔ جو کچھ دشمن ہمارے لئے تجویز کر چکا ہے۔ وہ مصائب کیا ہیں؟ نقصان، ذلت، رسوائی، تباہی، لوٹ مار عورتوں کی توہین۔ مسجدوں کی بے حرمتی، ظلم، بے انصافی اور عدم رواداری ہمیں زندہ جلانے کے لئے آگ روشن ہو چکی ہے۔ اس کے الفاظ بے اثر تھے۔ کسی نے اس کی بات پر عمل نہ کیا، وہ اپنے الفاظ پر خود عمل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے زرہ بیکتر پہنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے ایک دروازے سے کبھی واپس نہ آنے کے لئے باہر نکل گیا۔

کہا جاتا ہے کہ جب وہ دروازے سے باہر نکلا تو دس عیسائی ناسٹوں کا سامنا ہوا۔ وہ ان سے لڑتا رہا۔ اس نے کئی ایک کو مار دیا، زخموں سے چور ہو کر وہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا۔ اس نے لڑائی کو پھر بھی جاری رکھا۔ یہاں تک کہ وہ تھک گیا۔ دشمن اس کی طرف بڑھے۔ وہ دریا میں کود پڑا۔ لوہے میں بلبوس بہادر انسان دریا کی تہ تک جا پہنچا۔

سلطان روم اور سلطان مصر سے امداد لینے کے لئے ایچی دوڑا دیئے گئے۔ لیکن وقت مقررہ گزر جانے تک کسی قسم کی امداد نہ پہنچ سکی۔ چنانچہ تین جنوری ۱۲۴۳ء کو قسٹالویوں نے غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ بلاشبہ وہ گھڑی بہت منحوس تھی۔ کیونکہ ہسپانوی عیسائیوں کے اس شہر پر قابض ہوتے ہی جزیرہ نما کے ہسپانیہ کی علمی اور صنعتی سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔

ابو عبداللہ نے اپنے خاندان سمیت الشراس کی راہ لی، جب وہ پاؤں کی پہاڑیوں کے قریب پہنچا، تو اس نے غرناطہ پر نظر جما کر رونا شروع کر دیا۔ اس پر اس کی ماں نے اس سے کہا۔

”اس چیز کے کھوئے جانے پر عورتوں کی طرح آنسو بہاتے ہو جسے تم مردوں کی طرح نہیں بچا سکتے۔“

ابو عبداللہ نے تھوڑی دیر اندر روش میں قیام کیا۔ لیکن ہسپانیہ میں اس کی موجودگی کو فرڈیننڈ اپنے لئے خطرناک خیال کرتا تھا۔ اس لئے اسے بہت جلد افریقہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اس نے ۱۵۳۸ء (۹۴۰ ہجری) میں فاس (مراکش) میں وفات پائی۔ سترھویں صدی کے ایک عرب مصنف نے اس کے دو بیٹوں یوسف اور احمد کو بھیک مانگتے دیکھا تھا۔

## اکیاونواں باب

### ہسپانیہ سے عربوں کا اخراج

فرڈیننڈ اور ازیبلہ نے اپنے طرز عمل سے بہت جلد ثابت کر دیا تھا کہ ان کے بہادر لیڈر موسیٰ کے الفاظ صداقت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ عیسائیوں نے یہودیوں پر بہت زیادہ سختیاں شروع کر دیں۔ عربوں کے بردبار دور حکومت میں یہودیوں کو بہت زیادہ فروغ ہوا تھا۔ ان کی دولت کو لوٹنے کے لئے قشتالہ کے حکمران ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

۱۳۹۲ء میں فرڈیننڈ نے حکم جاری کیا تھا کہ یہودی یا تو اپنا مذہب چھوڑ دیں یا ہسپانیہ سے چلے جائیں۔ یہودیوں کو زندہ جلا دیا گیا، انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں، ان میں سے ہزاروں کو جلا وطن کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی فرڈیننڈ نے مسلمانوں کے ساتھ جو شرائط طے کی تھیں، ان کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ مسلمانوں سے ان کی مذہبی آزادی چھین لی گئی۔ ان میں سے جو عیسائی مذہب قبول نہیں کرتا تھا اسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ غرناطہ کے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہاں سے چل پڑی۔ ان لوگوں نے ایک پہاڑی علاقہ میں پناہ لی۔ لیکن یہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ انہوں نے تمام مردوں کو قتل کر دینے کے بعد اس مسجد کو بارود سے اڑا دیا جس میں عورتیں اور بچے پناہ لئے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا تھا۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے عیسائیوں کا بہادری سے مقابلہ جاری رکھا۔ ۱۵۰۱ء میں مسلمانوں نے عیسائیوں کے مقابلے پر ایک ایسی فتح حاصل کی جس کے سبب بچے کچھے مسلمان ہسپانیہ چھوڑ کر مراکو، ترکی اور مصر میں جاسکے، ان مسلمانوں کے ساز و سامان کو ان کے عیسائی حکمرانوں نے چھین لیا۔

جو مسلمان ہسپانیہ چھوڑنے میں ناکام رہے انہیں تلوار کے زور سے عیسائیت قبول کرنے کو کہا گیا۔ ایک عرب مورخ کے الفاظ میں

”یہ لوگ برائے نام عیسائی تھے، انہوں نے اس مذہب کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ چھپ کر خدا کی عبادت کرتے اور دن میں پانچ وقت نماز ادا کرتے“

لین پول کے الفاظ میں

”جونہی وہ اپنے بچوں کو ہتسمہ دلا کر اپنے گھروں کو جاتے ان کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ اس پانی کے اثرات کو دھو دیتے۔ وہ عیسائیوں کے طریق پر شادی کرنے کے بعد

اپنے گھروں میں اسلامی نکاح پڑھاتے۔ ایک اچھی حکومت اپنے اچھے طرز عمل سے اس بے چینی سے بچ سکتی تھی۔ ہسپانیہ کے حکمرانوں میں صلاحیت اور قابلیت مفقود تھی۔“  
ان کے مظالم میں ہر روز اضافہ ہوتا گیا۔“

ان برائے نام عیسائیوں کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ جس کے متعلق تھوڑا سا شک گذرتا اسے احتساب کی سنگین سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا۔ غرناطہ، قرطبہ اور اشیلیہ میں ایسے لوگوں کو زندہ جلانے کے لئے آگ روشن رہتی تھی۔ ان لوگوں کو چاقو تک رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ۱۵۶۸ء میں ان کی حالت ناقابل برداشت ہو گئی، اس زمانہ میں ہسپانیہ پر فلپ دوم ہسپانیہ میں عربوں کے آثار باقیہ کو مٹانے پر تلا ہوا تھا۔

غرناطہ کے لاث پادری نے فلپ دوم سے ایک حکم جاری کروایا جس کی رو سے عربوں کو ان کی زبان، عادات اور رسوم کو ایک دن کے اندر اندر چھوڑنے کو کہا گیا۔ عربوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ ہیٹ اور برس استعمال کریں، اپنے حکمرانوں کی طرح نہانا ترک کر دیں۔ ان سے یہ کہا گیا۔ کہ وہ ہسپانوی نام اختیار کر لیں۔

اس ذلت آمیز اعلان کے بعد عربوں نے بغاوت کر دی۔ تین سال تک لڑائیاں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ خان جون آف آسٹریا نے عربوں کا قتل عام کیا۔ مردوں عورتوں اور بچوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود بلنہ اور مرسیہ میں عربوں کی تھوڑی سی تعداد باقی تھی۔ ۱۶۱۰ء میں فلپ سوم نے اپنے باپ کے کام کو پورا کر دیا، پانچ لاکھ عربوں کو افریقہ میں جلا وطن کر دیا گیا جو عرب ہسپانیہ کے اندونی علاقوں میں آباد تھے انہیں فرانس کے ساحل کی طرف دھکیل دیا گیا۔ جہاں سے انہوں نے دوسرے مسلم ملکوں کی راہ لی۔ غرناطہ کے سقوط سے فلپ سوم کے عہد حکومت تک تیس لاکھ عربوں کو ہسپانیہ سے خارج کیا گیا۔

اس طرح ہسپانیہ میں ایک ایسی قوم کا خاتمہ کر دیا گیا۔ جس نے اپنی محنت سے ہسپانیہ کی رونق بڑھائی تھی۔ جنہوں نے اس سر زمین کو صنعتی ملک بنا دیا تھا۔ جنہوں نے اندلس کو باغ کی صورت دے دی تھی، جنہوں نے اس علوم و فنون کی شمع کو جلایا جبکہ آس پاس کے تمام یورپی ملکوں پر جہالت طاری تھی۔ جنہوں نے تہذیب و تمدن کو پھیلایا۔ جنہوں نے نئی مواقع جدید یورپ کی بنیاد رکھی تھی۔ عربوں کے اخراج سے ہسپانیہ کو کیا فائدہ پہنچا؟ خوبصورت اور مہذب ہسپانیہ ذہنی اور اخلاقی پستیوں کا شکار ہو کر رہ گیا۔ ایک ہسپانوی مؤرخ کوندے کے الفاظ میں:

”ایک ابدی تاریکی نے ملک کو اپنے آغوش میں لے لیا اس ملک کو جسے عربوں نے اپنی محنت سے بامِ کمال تک پہنچا دیا۔ فطرت تبدیل نہیں ہوئی وہ پہلے کی طرح مسکرا رہی ہے، لیکن لوگ اور ان کا مذہب بدل چکا ہے آج بھی ہسپانیہ کے ویرانوں میں ان کی گزشتہ عظمت کے ٹوٹے پھوٹے نشان دکھائی دیتے ہیں، ان نشانوں سے صداقت کی یہ آواز بلند ہو رہی تھی، مفتوح عربوں کو سلام اور فاتح ہسپانیوں کیلئے تباہی اور ذلت۔“

ایک دوسرا یورپی مؤرخ لین پول ہسپانیہ سے عربوں کے اخراج کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:-

”دگمراہ اور غلط کار ہسپانوی نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، عربوں کے اخراج پر وہ بہت خوش تھے، ان کے نزدیک اس سے زیادہ رومانی واقعہ اور کوئی نہیں تھا۔ شاعروں نے عربوں کے اخراج کے گیت گائے۔ مصوروں نے تصویریں بنائیں، نزم دل اور بردبار سرونٹیس نے بھی عربوں کے اخراج کو حق بجانب قرار دیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ انہوں نے سونے کی چڑیا کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کر دیا ہے۔ صدیوں تک ہسپانیہ تہذیب کا مرکز بنا رہا۔ علوم و فنون کے مختلف شعبوں نے اس سر زمین میں بہت زیادہ ترقی کی۔ یورپ کا کوئی دوسرا ملک اس زمانہ میں عربوں کی علمی اور تہذیبی سطح تک نہیں پہنچا تھا، ہسپانیہ کو تھوڑی مدت کے لئے فرڈیننڈ اور ازابیلہ اور فلپ پنجم کے عہد میں جو فروغ حاصل ہوا، ہسپانیہ میں عرب دور کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ عربوں کے اخراج کے بعد عیسائی ہسپانیہ تھوڑی مدت کے لئے چمکا۔ چاند کی طرح جو اپنی روشنی کو سورج سے مستعار لیتا ہے اس کے بعد گرہن لگا، اس وقت سے اب تک ہسپانیہ تاریکی میں لپٹا ہوا ہے، عربوں کی شان و شوکت کی یادگاریں آج بھی ہسپانیہ کے ویرانوں میں دکھائی دیتی ہیں۔“

## باونواں باب

### غرناطہ پر ایک نظر

غرناطہ کی مملکت ہسپانیہ کے ان حصوں پر مشتمل تھی جو جزیرہ نما کے جنوب مشرقی کونے میں واقع ہیں۔ غرناطہ کی مملکت اپنے عروج کے زمانہ میں بھی شمالاً "جنوبا" ۷۵ میل اور شرقاً "غرباً" دو سو میل سے زیادہ نہیں تھی۔ اس چھوٹے سے علاقے میں وہ تمام ذرائع موجود تھے، جن کی کسی بڑی سے بڑی مملکت کو ضرورت ہو سکتی ہے۔ اس کی کشادہ آبادیاں معدنی دولت سے مالا مال تھیں۔ یہاں کی آبادی کاشتکاروں اور سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اس کی چراگاہوں کو بے شمار ندیاں سیراب کرتی تھیں۔ اس کے ساحلوں پر کئی ایک مفید تجارتی بندرگاہیں تھیں۔ یہ بندرگاہیں بحیرہ روم کی بہترین منڈیاں تھیں، غرناطہ کی مملکت تیس شہروں، اسی قلعہ بند شہروں اور کئی ہزار دیہات پر مشتمل تھی، غرناطہ کا میدان نوے میل تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میدان کو دو دریاؤں کا پانی سیراب کرتا تھا۔ اس میدان میں بے شمار باغ اور محل تھے، باغوں کے قریب ہی سبزہ زار ہوتے تھے، عربوں نے غرناطہ کی وادی میں کاشتکاری کے تمام ذرائع صرف کر دیئے تھے۔ دریائے شین اور وارد سے کئی ایک نہریں نکالی گئی تھیں۔ المریہ کی بندرگاہوں سے اٹلی کے شہروں میں ریشم بھیجا جاتا تھا۔ غرناطہ کی مملکت کا ہر شہر کسی نہ کسی صنعت کی وجہ سے مشہور تھا، غرناطہ کی بندرگاہوں میں یورپ، شام، اور افریقہ کے جہاز مال اسباب سے لد کر اپنے اپنے ملکوں کی راہ لیتے، غرناطہ ایک بہت بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ غرناطہ ایک بین الاقوامی شہر تھا۔ غرناطہ کے شہریوں کو ان کی دیانت کے سبب عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ غرناطہ کے ریشم کی سب سے بڑی منڈی فلورنس تھی۔ غرناطہ کا شہر اس میدان میں ایک مینار کی حیثیت رکھتا تھا۔ دریائے دارو اس شہر میں سے گزرنے کے بعد میدان کے نچلے حصے کا رخ کر لیتا۔ بنو نصر کے عہد حکومت میں غرناطہ کے ارد گرد فصیل بنی ہوئی تھی۔ جس میں بیس دروازے تھے اور ایک ہزار تیس مینار تھے، شہر کے وسط میں قلعہ واقع تھا۔ ہر بازار میں عوام کے استعمال کے لئے فوارے بنائے گئے تھے، غرناطہ کے مکانات صاف ستھرے ہوتے تھے، پندرہویں صدی کے وسط میں اس شہر کی آبادی چار لاکھ کے قریب تھی۔

اس شہر کے بالمقابل ایک پہاڑی پر ابن الاحر نے ایک قلعہ اور ایک محل بنوایا تھا۔ اس قلعہ میں چالیس ہزار سپاہی آسانی سے رہ سکتے تھے۔ ان اوراق میں جنات کی بنائی اس عمارت کا تفصیلی تذکرہ نہیں کیا جاسکتا۔ الحمرا کے مینار، قلعے، محل، حمام، محراب اور ستون فن تعمیر کے بہترین نمونے تھے اس پاس کے باغوں نے الحمرا کی رونق کو اور بڑھادیا تھا۔ قسم قسم کے پھولوں کی کیاریاں الحمرا کی فضا کو معطر بنائے رکھتی تھیں۔ الحمرا کے ہال کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں ایک سو اٹھائیس ستون تھے۔ الحمرا کے حسن و کمال کے بیان کے لئے کسی بہت بڑے استاد کی ضرورت ہے۔

الحمرا کے مقابل بنتہ العریف کی حسین و جمیل عمارت تھی۔ ایک مورخ کے الفاظ

میں:-

”یہ عمارت بھی حسن و جمال کا ایک بہترین مرقع تھی، فواروں اور پھولوں نے اس کی رونق کو بڑھا رکھا تھا۔ آج ان میں چند ایک صرف گزشتہ عظمت کی یاد تازہ کرنے کے لئے موجود ہیں!“

علوم و فنون کی سرپرستی میں غرناطہ کے حکمران قرطبہ کے خلیفوں کے بد مقابل تھے۔ غرناطہ کے حکمرانوں کی سرپرستی نے غرناطہ کو عالموں، فاضلوں اور بہادروں کا مرکز بنا دیا تھا، انہوں نے رفاہ عامہ کے لئے بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں، غرناطہ کی بعض خواتین نے ادبیات میں بڑا نام پایا تھا۔ غرناطہ کے حکمرانوں نے صرف شعر و شاعری ہی کی سرپرستی نہیں کی تھی، بلکہ تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ، فلکیات، طب، موسیقی اور دوسرے طبعی علوم کی سرپرستی پر بھی انہوں نے زر کثیر صرف کیا تھا۔

غرناطہ میں علوم و فنون پھیلانے کے لئے ہر در سگاہ کے ناظم کو ممتاز فاضلوں میں سے چنا جاتا تھا۔ تیرھویں صدی کے درمیان میں غرناطہ یونیورسٹی کا شیخ سراج دین ابو جعفر تھا۔ شیخ کے عہدے کے لئے کسی قسم کا مذہبی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ پارہا اس عہدے پر عیسائیوں اور یہودیوں کو مامور کیا جاتا تھا۔ ہسپانیہ کی عرب یونیورسٹیوں کے سالانہ اجتماع میں عام لوگوں کو شامل ہونے کی دعوت دی جاتی تھی۔ اس موقع پر یونیورسٹی پروفیسروں کی طرف سے خطبات دیئے جاتے ہر کالج کے دروازے پر یہ عبارت کندہ ہوتی تھی،

”دنیا چار باتوں پر قائم ہے، دانش مند کی دانش، حکمران کا عدل، شیک کی عبادت اور

سپاہی کی بہادری۔“

قرطبہ کے زوال کے بعد شولزی نے غرناطہ میں ترقی کی، غرناطہ کی سوسائٹی میں عورتیں

علمی اور فنی اجتماعوں میں شریک ہوتی تھیں۔ عورتوں کے اس اثر کے سبب شوری نے غرناطہ میں بہت ترقی کی۔ غرناطہ کی عورتوں کا لباس بہت قیمتی ہوتا تھا۔

سپاہیانہ زندگی بسر کرنے والوں نے بہت مدت پہلے پگڑی کو ترک کر دیا تھا۔ بلنہ، مریہ اور جنوبی صوبوں میں قانیوں اور تھیوں نے ٹوپی کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ ایک ہمعصر مورخ لکھتا ہے کہ ایک بہت بڑا عالم سلطان مریہ کے دربار میں جگے سر گیا تھا۔ اسی مورخ کے بیان کے مطابق ابن ہود اور ابن احمد نے کبھی پگڑی نہیں پہنی تھی۔

قرطبہ اور قشتالہ کے مغربی اضلاع میں قاضی پگڑی پہنتے تھے۔ لیکن یہ پگڑیاں ایشیائی لوگوں کی پگڑیوں سے بہت چھوٹی ہوتی تھیں۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہسپانوی مسلمان اپنے ایشیائی بھائیوں کی بڑی بڑی پگڑیاں دیکھ کر مسکرایا کرتے تھے۔ ہسپانوی مسلمانوں کا لباس ہمسایہ یورپی ملکوں کے لباس سے ملتا جلتا تھا۔ ہسپانیہ کے مسلمانوں کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ لباس اور گھر کی صفائی میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

صاف ستھرا رہنے کی یہاں تک عادت تھی کہ نچلے طبقہ کے لوگ اپنے آخری درہم کو روٹی کی جگہ صابن پر خرچ کرتے تھے۔ وہ ایک وقت بھوکا رہنے کو میلے کچیلے کپڑوں میں دکھائی دینے کو ترجیح دیتے تھے۔

## ترین واں باب

### عربوں کے ہسپانیہ پر ایک نظر

حکومت کا افسر اعلیٰ سلطان ہوتا تھا۔ لیکن نظم و نسق کا سارا کام کاج وزیروں کے سپرد ہوتا تھا۔ حکومت کے ہر شعبے کے لیے الگ الگ وزیر ہوتے تھے، عام طور پر وزارت کے چار شعبے ہوتے تھے، مالیات، امور خارجہ، عدل اور فوج۔ سلطان کی پریوی کونسل کے ارکان کو بھی بعض دفعہ وزیر کا خطاب دیا جاتا تھا۔ کونسل کے صدر کو حاجب کہا جاتا تھا، حاجب براہ راست سلطان سے ملاقات کر سکتا تھا۔ وہ عام طور پر وزیر اعظم کے فرائض بجالاتا تھا۔ وزارت کا اجلاس ایک ہال میں ہوتا، جس میں وزیر اعظم کی نشست دوسری نشستوں سے ذرا اونچی ہوتی تھی۔ وزیروں کی طرح پریوی کونسل کے ارکان کو بھی یہ حق حاصل ہوتا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ بیٹھ سکتے تھے!

وزارت خارجہ کی امداد کے لئے کئی ایک سکرٹری ہوتے تھے، ہر ایک سکرٹری کے سپرد الگ الگ شعبے ہوتے تھے، غرناطہ میں سلطان کے ذاتی اخراجات کا حساب کتاب رکھنے والا وکیل کہلاتا تھا۔ چونکہ غرناطہ میں وزارت خارجہ کا کوئی عہدہ نہیں تھا اس لئے وزارت کے فرائض مجلس محاسبات کے سپرد تھے۔

ہسپانیہ میں قاضی کا مرتبہ بہت بلند ہوتا تھا۔ ہسپانیہ میں سب سے بڑے قاضی کو قاضی الجماعت کہا جاتا تھا۔

مشرق کے دوسرے ملکوں کی طرح پولیس کے بڑے افسر کو صاحب الشرط کہا جاتا تھا۔ قرطبہ کے خلیفوں کے عہد میں اس افسر کے اختیارات بہت وسیع ہوتے تھے۔ شہروں کے مجسٹریٹ صاحب المدینہ کہلاتے تھے۔ ہسپانیہ میں محتسب کے وہی فرائض ہوتے جو ایشیا اور افریقہ میں ان کے سپرد ہوتے تھے۔ وہ دکانداروں کے باٹ اور ترازو دیکھتا، منڈیوں کا معائنہ کرتا، شور و غل کو بند کرتا، دھوکہ دینے والے دکانداروں کو فوری سزائیں دیتا، دربانوں کے ذمہ یہ کام ہوتا تھا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد شہر کے دروازے بند کروا کریں، یہ دربان مسلح ہوتے تھے ان کے ہاتھوں میں لالینیں ہوتی تھیں۔

ابتدائی دور میں سمندری بیڑے کے کمانڈر کو امیر الماء کہا جاتا تھا۔ فرانسیسیوں اور



ہسپانیوں نے امیرالماء کو بگاڑ کر المیران بنادیا۔ بنی امیہ اور موحدین کے عہد حکومت میں ہسپانیہ کا بیڑا عیسائی اقوام کے متحدہ بیڑے سے بھی زیادہ طاقتور تھا۔ ابن خلدون کے الفاظ میں:-

”اس بیڑے کے کنزور ہو جانے سے بحیرہ روم میں عربوں کے اقتدار پر زوال آنا شروع ہو گیا۔“

عربوں کے عہد حکومت میں ہسپانیہ نے بہت زیادہ زرعی ترقی کی، انہوں نے کھیتی باڑی کو ایک سائنس کی صورت دے دی تھی، انہوں نے اپنی محنت اور اپنے علم سے ہسپانیہ کے زرعی ذرائع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، عربوں کو اس بات کا علم تھا کہ نئی فصلوں کے لئے کس قسم کی زمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہوں نے کئی ایک بنجر علاقوں کو باغوں میں تبدیل کر دیا۔ وہ مختلف پودوں کی مختلف کھاد سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ عربوں نے پہلی مرتبہ ہسپانیہ میں چاول، گنا، کپاس، زعفران اور مختلف قسم کے پھول والے درختوں کی کاشت کا آغاز کیا۔ اب یہ پیداوار مقامی معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے کئی ایک نے ہسپانیہ سے یورپ کی راہ لی، جس علاقے کی زمین جس فصل کے لئے مفید ہوتی تھی۔ اسے اس مقام میں زیادہ ترقی دی جاتی تھی۔ چنانچہ:-

بلنہ میں کھجور کے درختوں کے باغ لگائے گئے۔ البوفیرا کے آس پاس دھان کی کاشت ہوتی تھی، اولیوا اور غنڈیا میں گنے اور کپاس کی کاشت ہوتی تھی، غرناطہ اور مالقہ میں انگوروں کے کھیت تھے۔ ایشیلہ پر قبضہ کیا تھا، تو اس وقت اس صوبے میں زیتون کے کئی لاکھ درخت تھے۔ اس صوبے میں زیتون کا تیل نکالنے کے لیے تقریباً ایک لاکھ کوہو چلتے تھے۔

عربوں نے ہسپانیہ کے طول و عرض میں بندوں کا ایک وسیع سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ غرناطہ میں لوہے کے کئی ایک کارخانے تھے۔ غرناطہ کی تلوار دور دور تک مشہور تھی۔ ریشم اور سوت کے کپڑوں کے کارخانوں کو پہلی مرتبہ عربوں نے ہسپانیہ میں جاری کیا۔ اوننی کپڑے تیار کرنے والے کارخانوں کی بھی کمی نہ تھی۔ عربوں کو کپڑا رنگنے کے فن میں بڑی مہارت حاصل تھی، کہا جاتا ہے کہ نیل کی مدد سے کپڑے پر کالا رنگ چڑھانا ان کی ایجاد ہے۔

اپنے عروج کے زمانے میں عربوں کا ہسپانیہ دوسرے ملکوں کو مندرجہ ذیل اشیاء برآمد کیا کرتا تھا۔ سونا چاندی، تانبہ، ریشم، کھاند، قرمز، پارہ، لوہا، زیتون، اوننی کپڑا، کچا عنبر، عنبر اشب، مقناطیس، سرمہ، برق، تیل، گندھک، زعفران، اورک، موتی اور ہیرے۔

عربوں کو جزا کی وباغت میں پوری پوری مہارت تھی، ہسپانیہ سے عربوں کے اخراج

کے ساتھ ہی یہ صنعت ہسپانیہ میں ختم ہو گئی۔ یہ فن ہسپانیہ سے فاس پہنچا اور وہاں سے انگلستان میں مراکو اور قرٹبہ کے نام سے داخل ہوا۔ عربوں نے ہسپانیہ میں بارود، شکر اور کانڈ کے کارخانے بھی قائم کئے تھے۔

فنونِ لطیفہ کو عربوں نے نظر انداز نہیں کیا تھا، سنگ تراشی اور نقاشی میں ہسپانیہ کے عرب اپنے عیسائی ہمسایوں سے بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ الحمر میں اس وقت تک جو کچھ بچا ہوا ہے اس سے ان دونوں فنون میں عربوں کی دسترس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے عربوں کے ہسپانیہ کے ہر شہر میں خواہ چھوٹا ہوتا یا بڑا ایک مدرسہ ضرور ہوتا تھا۔ ہر ایک بڑے شہر کی ایک اپنی یونیورسٹی ہوتی تھی۔ ان میں سے قرطبہ، اشبیلیہ، مالقہ، سرقسہ، اشبونہ اور سلنکہ کی یونیورسٹیاں بہت مشہور تھیں۔

قرطبہ اور دوسرے شہروں میں کئی ایک نامور خواتین پیدا ہوئیں۔ ان خواتین نے شعرو شاعری، عروض اور خطابت میں نام پایا۔ حفصہ چوتھی ہجری کی ایک مشہور خاتون ہے۔ اسی صدی کی ایک دوسری مشہور خاتون مریم تھی۔ وہ خطابت شاعری اور ادبیات کا درس دیتی تھی۔

ہسپانوی مسلمانوں کا تذکرہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ ان ممتاز طیبوں اور فلسفیوں کا ذکر نہ کیا جائے جنہوں نے اپنے وطن کا نام روشن کیا۔ ابن ماجہ سرقسہ کا رہنے والا تھا۔ وہ طبیب، فلسفی، مهندس اور ستارہ شناس کی حیثیت میں بہت مشہور ہے۔ اس نے ۱۱۳۸ء میں فاس میں وفات پائی۔ ہسپانوی عربوں میں ابن طفیل بہت بڑا فلسفی تھا۔ اس نے ۱۱۸۵ء میں مراکو میں وفات پائی۔ ابن رشد نے ابن رشد کو سلطان ابو یعقوب یوسف سے متعارف کرایا تھا۔ اس نے ۱۱۹۸ء میں وفات پائی۔

## چونواں باب

### بنو اوریس

تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے عہد حکومت تک تمام افریقی مقبوضات عباسی خلافت کے ماتحت تھیں، ہادی کے عہد حکومت میں اوریس نے بربری قبیلوں کی امداد سے شمالی افریقہ میں ایک حکومت قائم کر لی۔ یہ حکومت کافی مدت تک قائم رہی۔ اوریس نے فاس کا شہر بنایا۔ اس کے بہتر نظم و نسق کی وجہ سے یہ شہر بہت جلد تعلیم و تہذیب کا مرکز بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے عباسیوں کے ایک حامی نے زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔

اوریس کی موت کے بعد اس کا کم عمر بیٹا جس کا نام بھی اوریس تھا، تخت پر بیٹھا۔ جوان ہو کر اوریس دوم ایک بہادر سپاہی بنا۔ اس نے جنوب کی طرف کئی ایک فتوحات حاصل کیں، ابن خلدون کے الفاظ میں ”اس زمانہ میں شمالی افریقہ میں عباسیوں کا اقتدار مٹ چکا تھا۔“ اوریس دوم کی موت (۲۱۳ھ مطابق ۸۲۵ء) کے بعد اس کا بیٹا محمد خلیفہ بنا۔ اس نے اپنے بھائیوں کو مختلف صوبوں کا حاکم مقرر کیا، اسے اس پالیسی میں پوری کامیابی ہوئی۔ ایک کے سوا باقی تمام گورنر اس کے وفادار رہے۔

محمد کی موت (۸۳۳ء) کے بعد اس کا بیٹا علی خلیفہ بنا۔ اس وقت اس کی عمر صرف ۹ سال تھی۔ لیکن اس کے باپ کے وفادار حکام نے حکومت کے کام کاج کو اس طرح چلایا کہ ایک مورخ کے الفاظ میں ”اس کا عہد حکومت بہت خوشحال تھا“ اس نے بائیس سال میں وفات پائی۔ اس کی موت کے بعد اس کا بھائی یحییٰ ابن محمد تخت پر بیٹھا۔

یحییٰ بن محمد نے اپنے طویل عہد حکومت میں اپنی سلطنت کو وسیع کیا اس کے عہد میں رعایا خوشحال تھی، اس نے فاس کی رونق کو بڑھایا۔ اس زمانے میں دور دراز کے لوگوں نے فاس میں آباد ہونا شروع کر دیا۔

یحییٰ کی موت ۸۷۸ء کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ دوم تخت پر بیٹھا۔ اس کی تختیوں کے سبب ملک میں بغاوت ہو گئی۔ باغیوں نے اسے جلا وطن کر دیا۔ وہ ہسپانیہ چلا گیا۔ یحییٰ دوم کی تخت نشینی سے علیحدگی کے بعد اس کا چچا بھائی علی بن عمر تخت پر بیٹھا۔ وہ زیادہ دیر تک حکومت نہ کرنے پیا تھا کہ خوارزم کی ایک بغاوت نے اسے ہسپانیہ میں پناہ

لینے پر مجبور کر دیا۔ علی بن عمر کے بھاگ جانے کے بعد فاص کے عوام نے اوریس دوم کے بیٹے یحییٰ کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔

یحییٰ سوم بہت بڑا فاضل اور فقیہ تھا۔ اس نے تمام اورسی مقبوضات کو تھوڑی مدت تک اپنے قابو میں رکھا۔ اس کے عہد حکومت کو ایک فاطمی گورنر نے ۳۰۹ھ ہجری میں اچانک ختم کر دیا۔ اس نے باقی زندگی گوشہ نشینی کے عالم میں گزاری تھی۔

یحییٰ سوم کے زوال کے بعد اورسی خلافت ختم ہو گئی، اس خاندان کے بہت سے شہزادوں نے سلطنت کے مختلف صوبوں میں اپنی اپنی آزاد ریاستیں قائم کر لیں۔ اسی اثنا میں عبدالرحمن الناصر نے شمالی افریقہ سے حصص پر قبضہ کر لیا، بہت سے اورسی شہزادوں کو قرطبہ میں جلا وطن کر دیا گیا۔ ابن مراکوہ پر ہسپانوی غلیغوں نے قبضہ کر لیا اور مشرقی بنو فاطمہ کے تسلط میں چلا گیا۔

## چچین وال باب

### بنو اغلب

اس خاندان کا پہلا حکمران ابراہیم بن اغلب ۸۰۱ - ۸۱۲ء تھا۔ انم و نسق میں اسے پوری پوزی صلاحیت حاصل تھی۔ اس نے قیروان کے قریب ایک نیا شہر عباسیہ آباد کیا۔ اس نے اس نئے شہر کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اس نے تقریباً بارہ سال حکومت کی۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد حکومت میں کسی قسم کی شورش نہیں ہوئی لوگ خوشحال تھے۔ اس کی موت ۸۱۷ء کے بعد اس کا بھائی زیادة اللہ تخت پر بیٹھا۔ وہ ایک ذہین شہزادہ تھا جسے علوم و فنون سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ اس کی تیز طبیعت کی وجہ سے کئی بار بغاوت ہوئی۔ ایک طویل لڑائی کے بعد باغیوں کو شکست کھانی پڑی۔ اس بغاوت کے فرو ہونے کے بعد ملک میں امن قائم ہو گیا تھا۔ عربوں نے مدت تک جنوبی سسلی پر قبضہ کئے رکھا تھا۔ لیکن سسلی کی فتح کی مہم کا آغاز زیادة اللہ کے عہد میں ہوا۔ اس نے قیروان کے قاضی کے زیر کمان ایک فوج بھیجی۔ یہ فوج مازورا میں اتری، عربوں نے بہت جلد سسلی کے کئی ایک قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ عربوں نے سارا کیوز کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ وہاں پھوٹ نکلی۔ محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ عربوں نے میناؤ اور جرجناؤ پر قبضہ کر لیا۔ اس اثنا میں بزنطینی فوج کو قسطنطنیہ سے کمک پہنچ گئی۔ چنانچہ اس فوج نے عربوں کو سسلی سے نکلنے کا تہیہ کر لیا۔ عرب فوج میناؤں میں محصور ہو چکی تھی۔ محاصرہ ہر روز تنگ ہوتا جا رہا تھا کہ عربوں کو افریقہ اور ہسپانیہ سے کمک پہنچ گئی۔ اب بزنطینی فوج سارا کیوز میں ہٹ گئی۔ عربوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ عربوں نے سسلی کی راجدھانی پلرمو پر قبضہ کر لیا۔ پلرمو پر قبضہ ہونے کے بعد عربوں نے آہستہ آہستہ سارے جزیرے پر قبضہ کر لیا۔ زیادة اللہ کے ایک عزیز ابراہیم بن عبداللہ نے سسلی میں باقاعدہ حکومت قائم کی

زیادة اللہ نے ۸۸۳ء میں وفات پائی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی اغلب تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد حکومت میں سسلی میں کمک بھیجی گئی سسلی کی فتوحات کا سلسلہ پھر سے شروع ہوا۔ اسی زمانہ میں عربوں نے جنوبی اٹلی کے کئی ایک ساحلی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ دو سال سات ماہ حکومت کرنے کے بعد اغلب نے وفات پائی۔ اس کا بیٹا ابو العباس محمد

اس کا جانشین بنا وہ ایک قابل حکمران تھا۔ اس نے بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ سسلی کے وائسرائے کے نائب فضل بن جعفر ہمدانی نے سمندر کی راہ سے مینہ پر حملہ کیا۔ مینہ کو نیپلز سے کمک پہنچ گئی۔ چنانچہ دو سال تک یہ شہر عربوں سے مقابلہ کرتا رہا۔ آخر کار اس شہر نے عربوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

۶۳۳۲ء میں فضل نے لیبی پر قبضہ کر لیا۔ عرب فوجوں کی فتوحات کا سلسلہ اٹلی کے اندرونی علاقوں (ارض الکبریٰ) تک جا پہنچا۔ عربوں نے کلابیریا اور کیمینیا کو روند ڈالا، انہوں نے ایک سو پچاس کے قریب شہروں پر قبضہ کر لیا۔ ایک عرب بیڑے نے دریائے ٹائبر میں داخل ہو کر (۶۸۳۶ء قندی اور روم کے مضافات پر قبضہ کرنے کے بعد گالٹا کا محاصرہ کر لیا۔ عربوں کے اندرونی اختلافات کے سبب روم فتح نہ ہو سکا۔ ۸۴۹ء میں تاراتو پر قبضہ کر لیا۔ اب انہوں نے روم پر پھر حملہ کر دیا۔ ایک بہت بڑے طوفان نے پوپ لوئی چہارم کی مدد کی۔

عربوں کا بیڑہ ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ سسلی کے عرب وائسرائے ابن عبداللہ نے ۶۸۵۰ء میں پلمو میں وفات پائی۔ اب عرب آباد کاروں نے عباس ابن فضل کو اپنا کمانڈر چنا۔ عباس بن فضل نے سسلی اور اٹلی میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس نے تھوڑی سی مدت میں کئی شہروں پر قبضہ کر لیا۔

عباس کی موت کے بعد عرب آباد کاروں نے عبداللہ بن عباس کو اپنا کمانڈر چنا۔ انلیسی حکمران نے اس انتخاب کی تائید کی، تھوڑی مدت کے بعد عبداللہ بن عباس کی جگہ ابن سفیان کو سسلی کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔ عربوں نے نوٹوس سارا کونہ ساناں اور کاسٹیل نووو قصر الجدید پر قبضہ کر لیا۔ ابن سفیان کی موت کے بعد اس کا بیٹا محمد سسلی کا وائسرائے مقرر ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں احمد بن عمر نے مالٹا کو فتح کیا۔

ابو العباس محمد کی موت پر اس کا بیٹا ابو ابراہیم احمد تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں کسی قسم کی شورش نہ ہوئی۔ اس کے عہد میں رعایا خوشحال تھی۔ اس نے اپنے ملک کو حملہ آوروں سے بچانے کے لیے دس ہزار قلعے بنوائے

اس کی موت ۶۸۶۲ء کے بعد اس کا بیٹا ابو محمد زیادۃ اللہ (اصغر) تخت پر بیٹھا۔ لیکن اٹھارہ مہینوں سے زیادہ حکومت نہ کرنے پایا۔ اب اس کے بھائی ابو عبداللہ محمد کو تخت پر بٹھایا گیا۔ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ وہ ایک اچھا حکمران تھا۔ اس کے عہد حکومت میں بزنطینوں نے سسلی کے بعض کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس لے لیا۔ اس پر ابو عبداللہ محمد نے ان کی روک تھام کے لئے کئی ایک قلعے بنوائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اٹلی کے بعض علاقوں کو

فتح کیا۔ اس نے ۶۸۷۲ء میں وفات پائی۔ اس کا بھائی ابراہیم اس کا جانشین ہوا۔ ابراہیم نے اپنی حکومت کے آغاز میں اچھا نام پیدا کیا۔ لیکن آگے چل کر اس نے اپنے بچوں تک کو بھی قتل کرنے سے گریز نہ کیا۔ جب اس کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو خلیفہ متمد نے ابراہیم کو حکومت سے علیحدہ کر دیا۔ خلیفہ نے اس کے بیٹے ابو العباس عبداللہ کو جو سسلی میں تھا افریقہ کا حاکم مقرر کیا۔ ابراہیم نے فقیروں کا لباس پہن کر تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ وہ بزنطینوں کے خلاف لڑنے کے لیے سسلی چلا گیا۔

ابو العباس عبداللہ ۹۰۲ء ایک رحم دل حکمران تھا اسے فوجی اور شہری امور میں پوری پوری مہارت حاصل تھی۔ اس کے بیٹے کے ایما پر غلاموں نے اسے سوتے میں قتل کر دیا۔ اپنے باپ کا قاتل زیادۃ اللہ بنو اغلب کا آخری حکمران تھا۔ اس نے اپنے باپ کے قاتلوں کو قتل کرنے کے بعد اپنے آپ کو عیش و عشرت میں غرق کر دیا۔ اس کی عشرت پسندیوں نے مملکت کو تباہ و برباد کر دیا۔ اسی اثنا میں شمالی افریقہ میں ایک ایسا انقلاب ہو رہا تھا جس نے حالات کو یکسر بدل دیا۔

## چھپن والی باب

### بنو فاطمہ کا عروج و زوال

حضرت امام جعفر کی وفات کے بعد شیعان علی دو جماعتوں میں بٹ گئے تھے۔ شیعان علی کی اکثریت نے امام موسیٰ کاظم کی امامت کو تسلیم کر لیا تھا لیکن بعض نے امام جعفر کے برے صاحبزادے اسماعیل کے بیٹے محمد کو اپنا امام مان لیا۔

شیعان علی کی یہ جماعت اسماعیلی کہلاتی ہے۔ اس فرقہ کی سرگرمیوں پر عباسی خلیفوں کی کڑی نگرانی رہتی تھی۔ بعض اوقات ان پر سختیاں بھی کی جاتی تھیں۔ محمد بن اسماعیل کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے محمد الحکیم اسماعیلی جماعت کے امام ہوئے۔ آپ جنس کے قریب سلمیہ میں قیام کرتے تھے۔ اس مقام سے آپ نے مختلف ملکوں میں اپنے داعی بھیجے۔ چنانچہ یمن، یمامہ، بحرین، سندھ، ہندوستان، مصر اور شمالی افریقہ میں اسماعیلی عقائد کی خوب اشاعت ہوئی۔ آپ کے پر جوش داعیوں میں سے ابو عبداللہ حسین سب سے زیادہ سرگرم تھا۔ ۸۲۰ء میں ابو عبداللہ حسن نے شمالی افریقہ کا رخ کیا۔ اسے برابر قبائل میں بہت زیادہ کامیابی ہوئی۔

اس زمانہ میں ابراہیم بن محمد شمالی افریقہ کا حکمران تھا۔ اس نے اسماعیلی تحریک کو دبانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن ابو عبداللہ حسین نے ہر مشکل پر قابو پایا زیادہ اللہ کے عہد حکومت میں ابو عبداللہ حسین کی کامیابی کا دروازہ کھل گیا۔ جب شمالی افریقہ کا حکمران اپنے محل میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا تو اس وقت ابو عبداللہ حسین کے داعی شمالی افریقہ میں اپنے حامیوں کی تعداد بڑھا رہے تھے۔ زیادہ اللہ نے ابو عبداللہ کے مقابلہ پر دو فوجیں بھیجیں۔ ابو عبداللہ نے دونوں کو شکست دی۔ ان شکستوں کے بعد زیادہ اللہ طرابلس سے ہوتا ہوا ایشیا کے کسی مقام کی طرف چلا گیا۔

۱۲۶ مارچ ۹۰۹ء کو ابو عبداللہ حسین بنو اغلب کی راجدھانی میں داخل ہوا۔ اس نے مختلف شہروں میں امن قائم کرنے کے لئے اپنے گورنر بھیج دیئے۔ ابو عبداللہ حسین کے دانشمندانہ طرز عمل نے رائے عامہ کو اپنی طرف کر لیا۔ اس نے لوگوں کو اپنے امام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار کیا۔



محمد الجیب نے تیسری صدی ہجری کے اواخر میں وفات پائی۔ آپ کا بیٹا عبید اللہ آپ کا جانشین ہوا۔ آپ نے سلمیہ میں خاموش زندگی بسر کی، یہاں تک کہ ابو عبید اللہ حسین نے شمالی افریقہ میں کامیابی حاصل کر لی۔ اب عبید اللہ نے آپ کو شمالی افریقہ میں جلد بھیجا تاکہ وہاں پہنچ کر تحریک کی راہنمائی کریں۔

آپ اپنے بیٹے ابو قاسم اور ابو عبد اللہ کے بھائی ابو العباس اور دوسرے ساتھیوں سمیت سو اگروں کے بھیس میں چل دیئے۔

ابو عبد اللہ حسین نے اگرچہ بہت زیادہ رازداری سے کام لیا تھا، لیکن اس پر بھی عباسیوں کو عبید اللہ کے سلامیہ سے بھاگ نکلنے کا پتہ چل گیا۔ عباسی خلیفہ نے تمام صوبوں میں عبید اللہ کی گرفتاری کے احکام بھیج دیئے، طرابلس پہنچ کر ابو العباس قیروان کی طرف چل دیا۔ قیروان میں اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اسی طرح عبید اللہ اپنے بیٹے سمیت مراکو کے قریب گرفتار کر لیا گیا۔

اسی اثنا میں ابو عبد اللہ حسین نے بہت بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ اپنے بھائی ابو العباس کو رہا کرانے کے بعد اس نے عبید اللہ اور اس کے بیٹے کو بھی رہا کر لیا اب ابو عبد اللہ نے باپ کے بیٹے کو گھوڑے پر سوار کرا دیا۔ وہ خود پیادہ اپنے لشکر کی طرف چل دیا۔ لشکر کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ وہ اپنے امام کی زیارت کر لیں۔ عبید اللہ (المہدی) کی حکومت شمالی افریقہ میں قائم ہو گئی۔ مختلف صوبوں کے نظم و نسق کے لئے گونز بھیجے گئے۔

عبید اللہ المہدی نے جس جوش و خروش کے ساتھ نظم و نسق کے کام کو سنبھالا اس سے ابو عبد اللہ کے بھائی ابو العباس کے دل میں حسد پیدا ہو گیا۔ اب ابو العباس نے چند بربری سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر فاطمیوں کے اقتدار کو ختم کر دینا چاہا۔ اس نے وفادار عبید اللہ کو سازش میں شریک کر لیا۔ مہدی نے دونوں بھائیوں کو رام کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ باز نہ آئے۔ انہوں نے عبید اللہ کی مخالفت کو بدستور جاری رکھا۔ اس پر عبید اللہ نے ان دونوں بھائیوں کو قتل کروا دیا۔ ابو عبد اللہ کے قتل کے بعد عبید اللہ نے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ بربری فوجوں کے تشدد نے مضافات میں بغاوت پیدا کر دی۔ اس پر عبید اللہ کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس راجدھانی کو بہت زیادہ قلعہ بند ہونا چاہیے تاکہ وہ وقت آنے پر اندرونی بغاوت کی روک تھام کر سکے۔ چنانچہ تونس سے نکل کر اس نے ساحلی علاقہ کا معائنہ کرنے کے بعد ایک مضبوط مقام کو اپنی راجدھانی کے لئے تجویز کیا۔

۶۹۱۶ء میں اس مقام پر مہدیہ کے نام سے ایک شہر بسایا گیا۔ ۵۰ سال کے بعد یہ شہر مکمل ہوا۔ اس شہر کے ارد گرد ایک مضبوط فصیل تھی جس میں کئی ایک لوہے کے دروازے تھے۔ شہر کے اندر کئی ایک خوبصورت محل بنائے گئے۔ جب یہ شہر مکمل ہو گیا تو عبید اللہ المہدی نے کہا۔

اب مجھے اطمینان نصیب ہوا ہے۔ بنو فاطمہ کی قوت میں نمایاں اضافہ ہو چکا ہے عبید اللہ کا نظم و نسق بہت سخت تھا۔ سیوطی بھی اس امر کو مانتا ہے کہ عبید اللہ کے عہد حکومت میں عدل و انصاف کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا رعایا اسے بہت چاہتی تھی۔

۶۹۱۲ء میں اس نے بنو ادریس کے اقتدار کو ختم کر دیا لیکن مصر کے فتح کرنے میں اسے ناکامی ہوئی۔ ہسپانیہ کو فتح کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

عبید اللہ المہدی کی وفات (۶۹۳۴ء) کے بعد اس کا بیٹا قائم اس کا جانشین بنا۔ قائم ایک بہادر سپاہی تھا۔ اس نے کئی ایک لڑائیوں میں حصہ لیا۔ وہ پہلا فاطمی خلیفہ ہے جس نے بحیرہ روم پر اقتدار حاصل کرنے کے لیے ایک مضبوط بیڑہ تیار کروایا۔ فاس کے سوا بنو ادریس کا تمام علاقہ چھین لینے کے بعد اس نے یورپ کی طرف توجہ کی۔ قائم کی مملکت بندرگاہوں پر اٹلی کے سمندری لٹیرے حملے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ قائم نے گایتا تک سارے جنوبی اٹلی کو روند ڈالا۔ قائم کے سمندری بیڑے نے حلیوا کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے لساری کے بھی ایک حصے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اگر قائم کو گھریلو جھگڑوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا تو سارے اٹلی کو فتح کر لیتا۔ بربری فوجوں کے تشدد نے ایک مرتبہ پھر بغاوت پیدا کر دی۔

اس بغاوت کی راہنمائی ابو یزید خارجی کر رہا تھا۔ ابو یزید نے ہسپانیہ کے حکمران الناصر کو لکھ بھیجا کہ وہ اپنی فوج سمیت آکر بنو فاطمہ کی حکومت کو ختم کر دے۔ ۶۹۳۴ء میں ابو یزید نے فاطمی فوجوں کو قدم قدم پر شکست دی ابو یزید نے کئی ایک شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اب قائم کے پاس مہدیہ اور اس کے مضافات رہ گئے۔ ابو یزید نے مہدیہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ اس نے چار مرتبہ شہر پر حملہ کیا، لیکن ہر بار اسے پیچھے ہٹا دیا گیا۔ مہدیہ کی ناکہ بندی کرنے کے بعد ابو یزید نے مسوس پر حملہ کر دیا۔

جب ابو یزید نے مسوس کا محاصرہ کر رکھا تھا تو قائم اس دنیا سے چل بسا۔ اس کی موت ۶۹۳۶ء کے بعد اس کا بیٹا منصور اس کا جانشین ہوا۔ منصور نے آہستہ آہستہ ابو یزید کی فوجوں کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔ چونکہ انہوں نے کسی پر رحم نہیں کیا تھا اس لئے ان پر بھی کسی نے رحم نہ کیا۔ جن باغیوں نے معافی مانگ لی انہیں کوئی گزند نہ پہنچائی گئی۔ ابو یزید نے

بھاگ کر ایک صحرائی چٹان میں پناہ لی۔ منصور نے اس کا تعاقب کیا۔ ابو یزید نے منصور کی فوج کا کافی مدت تک مقابلہ کیا۔ آخر کار اس نے بھاگنے کی کوشش کی جس میں اسے ناکامی ہوئی۔ منصور کے سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ ایک مرتبہ پھر مراکش کے طول و عرض میں بنو فاطمہ کا اقتدار مستحکم ہو گیا۔ منصور کے عہد میں فرنگیوں کو ایک بحری شکست دی گئی۔

منصور نے ابو القاسم حسین بن علی کو سسلی کا گورنر مقرر کیا۔ ابو القاسم کے خاندان میں یہ عہدہ ایک سو آٹھ سال تک رہا۔ اس نے فرنگیوں کو بحری لڑائی میں شکست دی۔ ہسپانیہ کے اموی خلیفہ الناصر نے اس زمانہ میں تمام ادریسی مملکت پر قبضہ کر لیا۔ منصور کی وفات کے بعد اس کا بیٹا المعز الدین اللہ تخت نشین ہوا۔ المعز علوم و فنون کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ اسے مغرب کا ماموں کہا جاتا ہے۔ اس کے عہد میں شمالی افریقہ تہذیب اور خوشحالی کے عروج پر تھا۔ وہ سائنس اور فلسفے کا بہت بڑا فاضل تھا۔ المعز نے تمام اندرونی بےادبوں کو مٹا دیا۔ اس نے فوج اور بیڑے کی نئے سرے سے تنظیم کی۔ تجارت اور صنعت کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ اس نے حسن سلوک سے اپنے خاندان کے دشمنوں کو دوست بنا لیا۔ اس کے کمانڈر جوہر سقل نے اپنی فتوحات سے المعز کی سلطنت کو وسیع کیا۔ بہت جلد المعز اور الناصر میں لڑائی چھڑ گئی۔ اس طرح عرب یورپ کو فتح کرنے میں متحد نہ ہو سکے

اسی زمانے میں کریٹ پر یونانیوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ عربوں کے عہد حکومت میں کریٹ نے علوم و فنون اور صنعت و تجارت میں نمایاں ترقی کر لی تھی۔ عربوں نے کریٹ کے چھن جانے کی کمی کو سسلی پر قبضہ کرنے سے پورا کر دیا تھا۔ اس وقت تک سسلی کے بعض شہروں پر عربوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ سسلی کے گورنر احمد بن حسن نے ان شہروں کو فتح کیا۔ یونانیوں کی مدد کے لئے بزنطین سے جو فوج بھیجی گئی تھی اس نے عربوں کے ہاتھوں شکست کھائی۔ ۶۹۳۴ء میں عربوں نے پورے سسلی پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس زمانے میں سسلی کو جو فروغ حاصل ہوا وہ اسے دوبارہ نصیب نہیں ہو سکا۔ عربوں کے دور حکومت میں شہروں میں مسجدوں، کالجوں اور سکولوں کی کمی نہیں تھی۔ علوم و فنون کی پوری طرح سرپرستی کی جاتی تھی۔ پلرمو کی طبی یونیورسٹی بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے مقابلہ کی تھی۔

۶۹۶۸ء کافورا خشیدی کی موت کے بعد مصر میں گڑبڑ ہو گئی۔ مصر کے سرداروں نے المعز سے درخواست کی کہ وہ مصر پر قبضہ کرے۔ چنانچہ المعز نے جوہر کے زیر کمان ایک فوج بھیج

دی۔ اس فاطمی جرنیل نے فسطاط کو نہایت آسانی سے فتح کر لیا۔ جوہر نے القاہرہ کی بنیاد رکھی جو المعز اور اس کے جانشینوں کا صدر مقام بنا۔ اس نے حجاز اور شام سے بھی المعز کے اقتدار کو منوایا تھا۔ جوہر نے فسطاط کے قریب قرمطیوں یا قرامطہ کو شکست دی۔ اب جوہر نے المعز کو مصر آنے کی دعوت دی۔ المعز نے مراکش کی حکومت کو یوسف بن بلکین کے سپرد کرنے کے بعد مصر کی راہ لی۔

۱۹ جون ۹۷۰ء کو المعز قاہرہ میں داخل ہوا۔ مصر، شام اور حجاز کے نمائندوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ قرمطیوں نے دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد مصر پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن المعز نے انہیں شکست دی۔ جب فاطمیوں اور قرمطیوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ تو اس وقت ایک ترکی سردار انگلیں نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔

المعز کی وفات ۹۷۵ء کے بعد اس کا بیٹا العزیز باللہ تخت نشین ہوا۔ دمشق پر قابض ہونے کے بعد انگلیں اپنے اقتدار کو وسیع کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایک لڑائی میں گرفتار ہو کر عزیز کے پاس لایا گیا۔ عزیز نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ مرتے دم تک فاطمی خلافت کا وفادار رہا۔ عزیز کے عہد حکومت میں فاطمی سلطنت کو مزید وسعت حاصل ہوئی۔ اس زمانہ میں فاطمی خلافت فرات کے ساحل سے اوقیانوس کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔ عزیز نے ترکوں ایرانیوں کی ایک فوج مرتب کی تاکہ وقت آنے پر اسے بربریوں کے خلاف استعمال کیا جاسکے۔ عزیز کی موت ۹۹۶ء کے بعد ناریوں کی شان و شوکت ختم ہو گئی۔ اس کی موت کے بعد اس کا نوجوان بیٹا حاکم باللہ تخت نشین ہوا۔ حاکم مجموعہ اضعاد تھا۔ وہ جب کبھی ظلم پر آمادہ ہوتا تو اس کے مظالم کی کوئی حد نہ رہتی۔ اور جب کبھی وہ عدل و انصاف کی طرف توجہ دیتا تو اس میں کمال پیدا کر دیتا۔ وہ ۱۰۲۱ء میں قتل ہوا۔ اس کے قتل کے بعد اس کے بیٹے ظاہر نے سولہ سال تک حکومت کی۔ اس کے عہد میں سلطنت کے بہت سے علاقے آزاد ہو گئے تھے۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا المستور تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر سات سال کی تھی۔ اس کے طویل عہد حکومت میں فاطمی سلطنت بہت زیادہ کمزور ہو گئی۔ رہی کسر قحط نے پوری کر دی۔ سات سال تک مصر کو ایک خوفناک قحط کا سامنا رہا۔ المسعز کی موت کے بعد سلجوقیوں اور فاطمیوں کے اختلافات نے بلیسیوں کو موقع دے دیا کہ وہ شام اور فلسطین کے ساحلی شہروں پر قبضہ کر لیں۔ بنو فاطمہ کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ خانہ جنگی اور باہمی نفاق نے مصر کو بہت کمزور کر دیا۔ فاطمی خلافت روز بروز کمزور ہوتی چلی گئی۔ بلیسیوں نے مصر کے کئی ایک شہروں پر قبضہ کر لیا تھا۔ فاطمی خلافت کی کمزوری سے

فائدہ اٹھانے کے لیے وہ سارے مصر پر قابض ہونے کی تیاریاں کرنے لگیں۔ اس پر آخری فاطمی حکمران العاضد نے نور الدین زنگی کو اپنی مدد کے لئے بلا یا۔ چنانچہ اس نے شیرکوه کو مصر بھیج دیا۔ شیرکوه کو مصر کی طرف بڑھتا دیکھ کر وزیر سلطنت شادر نے فرنگیوں سے امداد مانگی۔ شیرکوه نے شادر اور اس کے ساتھیوں کو شکست دی۔ اب شادر کی جگہ شیرکوه العاضد کا وزیر مقرر ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا صلاح الدین ایوبی وزیر مقرر ہوا۔ ۱۱۷۱ء میں العاضد کی موت کے ساتھ ہی فاطمی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

بنو فاطمہ کے دور حکومت میں قاہرہ نے علوم و فنون، تہذیب و تمدن اور صنعت و حرفت میں نمایاں ترقی کی۔ جامعہ ازہر اسی دور کی یادگار ہے۔

# تاریخ اور سیاست پر تخلیقات کی مستند کتب

225 روپے	ایوان پی۔ مک گرہل	مشرق کے عظیم مفکر
250 روپے	مائیکل ہارٹ	سوانح عظیم آدمی
250 روپے	منیر احمد	پاکستان ٹوٹ جائے گا؟
160 روپے	مجاہد حسین	پاکستان لوٹنے والے
160 روپے	ول ڈیورانت	ہندوستان
200 روپے	ول ڈیورانت	عرب
280 روپے	جواہر لال نہرو	میری کہانی
280 روپے	جواہر لال نہرو	مٹلاش ہند
160 روپے	جواہر لال نہرو	تاریخ عالم پر ایک نظر
90 روپے	اندرا گاندھی	میراج (آپ جی)
200 روپے	ابن بطوطہ	سفرنامہ ابن بطوطہ
180 روپے	سید ابو ظفر ندوی	تاریخ سندھ
90 روپے	سیتارام	ایک قلام کی سرگزشت
120 روپے	م۔ ک۔ پیکولین	بلوچ
80 روپے	پینڈرل مون	ہند میں انگریز ریاست
170 روپے	قاضی جاوید	ہندی مسلم تہذیب
200 روپے	ایچ۔ جی۔ ویلز	مختصر تاریخ عالم
250 روپے	کالکا رنجن	شیر شاہ سوری اور اس کا عہد
230 روپے	سید محمد لطیف	آگرہ اکبر اور اس کا دربار
180 روپے	مارکو پولو	سفرنامہ مارکو پولو
180 روپے	خالدہ اربب خانم	سفرنامہ ہند
100 روپے	زیندر کرشن	مہاراجہ رنجیت سنگھ
300 روپے	احمد سلیم	پاکستانی سیاست کے پچاس کردار
150 روپے	ڈاکٹر فیروز احمد	پاکستانی قلابی کے پچاس سال
70 روپے	سری پرکاش	پاکستانی قیام اور ابتدائی حالات
100 روپے	روش ندیم	پاکستان برطانوی قلابی سے امریکی قلابی تک
90 روپے	احمد سلیم	انگریز راج اور پشتون سیاست

